

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

# تِلْكَ الْعَيْنُ

تأليف  
علامہ عبداللطیف رحمانی مدظلہ العالی

پروگریسو بکسز





إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

# شیخ المیزان

تالیف

علامہ عبداللطیف رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

پروگریسو بکس

۴۰- بی اردو بازار ○ لاہور

83740

۱۳۰۳ھ ۱۹۸۳ء

کتاب کا نام: تاریخ القرآن

صفحات: ۱۴۴

مصنف: علامہ مفتی عبداللطیف رحمانی

طابع: افتخار افسال پرنٹرز لاہور

ناشر: پروگریسو بکس - لاہور

تعداد: ایک ہزار

قیمت: ~~۱۰۰/-~~



## فہرست مضامین تاریخ القرآن

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹	اس کی تردید کہ عرب میں ایسی چیز نہ تھی جس پر لکھا جاتا	۱۰	اداریہ
۲۹	اسکی تردید کہ حجاج سے پہلے عرب قرطاس نہ جانتے تھے	۱۲	پیش لفظ
۳۰	قرآن مجید سے قرطاس کا ثبوت	۱۶	مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریر
۳۱	قرآن کے بارے میں آنحضرت کی ترغیبات	۱۸	تمہید
۳۲	ترغیبات کی بارہ حدیثوں کا خلاصہ	۱۸	بیان مشبہات
۳۲	آنحضرت قرآن کی خود تعلیم دیتے تھے	۱۹	ثبوت کی تین صورتیں
۳۵	ابوالدرداء نے قرآن حضور سے پڑھا	۱۹	قرآن کا سلسلہ متواتر ہے
۳۵	ابن مسعود نے ستر سے زیادہ سورتیں حضور سے اس وقت تک	۲۱	واقعات کی جانچ پڑتال کے تنقیدی اصول
	پڑھ لی تھیں جبکہ زید بن ثابت نے پڑھنا شروع نہیں کیا تھا	۲۲	اس رسالہ کی سطح تدوین قرآن کے ثبوت میں کس قدر بلند ہے
۳۶	حضور کا صحابہ کرام کو قرآن پڑھانے کیلئے مقرر کرنا	۲۳	حامد او مصلیٰ
۳۶	فوسلموں کی تعلیم کے لئے حضور کا قاری مقرر کرنا	۲۴	قرآن جن الفاظ اور ترتیب پر عہد نبی میں تھا اب تک ہے
۳۸	حضور مکہ میں بھی قرآن کی تعلیم دیتے تھے	۲۵	قرآن کے تحفظ کا ثبوت مسلمانوں کی عملی زندگی سے
۳۸	ان پچیس قبیلوں کے نام جو مدینہ آکر مسلمان ہوئے	۲۵	صحابہ کا حافظہ فطرتاً قوی تھا
۳۸	ولیم مسور کی شہادت	۲۵	ان کی قوت حافظہ پر ولیم مسور کی شہادت
۳۸	حضور کا ہر قبیلہ میں معلم قرآن مقرر فرمانا	۲۵	کتابوں کی حفاظت کے اسباب
۴۰	علیؑ فرجی عہدے کیلئے قرآن کی سند شراعتی	۲۶	تاریخ القرآن کے اہم مضامین کیا ہوں گے
۴۰	ایک کم عمر جنرل کی تقرری محض قرآن کی وجہ سے	۲۶	قرآن کی ضرورت ہر خاص و عام کو ہے
۴۱	امام دہیٰ موسکتا ہے جس کو قرآن زیادہ یاد ہو	۲۶	کتاب کی حفاظت کا عمدہ ذریعہ کتابت ہے
۴۱	اس پر اس ہشام کی مشہادت	۲۶	اکتالیس صحابہ کے نام جو کھنڈ پڑھنا جانتے تھے
۴۲	اصد کے شہداء کی تدفین میں قرآن کی وجہ سے امتیاز	۲۶	عرب میں کتابت کا فن کس سے شروع ہوا
۴۲	قرآن کی اشاعت کی ایک وجہ فصاحت بھی ہے	۲۶	عہد نبوی سے پہلے عرب میں کتابت کا رواج تھا
۴۲	اہل عرب بلاغت کی پرستش کرتے تھے (حاشیہ)	۲۶	اسیران بدر کا کتابت کی تعلیم کے لئے مقرر ہونا
۴۲	طیہ صوبریں تک سنبھ مغلغہ کا مسجد رہنا	۲۶	عرب میں کاغذ کا رواج کس نے دیا
۴۲		۲۸	عہد نبوی میں ایسی چیز جس سے کاغذ کا کام لیا جاتا تھا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۷	علم کتابت عام کمال میں اعلیٰ اور اقدم ہے	۴۳	نصحاء عرب نے قرآن سن کر شعر کہنا چھوڑ دیا تھا
۵۸	مدینہ کے لوگوں کو کتابت کی تعلیم	۴۴	خالد بن ولید کا اسلام
۵۹	عہد نبوی کی مستورات لکھنا جانتی تھیں	۴۵	دربار حبش میں قرآن کی بلاغت کی معجزہ ثنائی
۵۹	آنحضرت کا عبرانی کو سیکھنے کا حکم فرمانا	۴۶	قرآن کی فصاحت پر اہل زبان کی حیرت
۵۹	ان چوبیس اصحابیوں کا نام جن آپ نے پڑھنے کا کام لیتے تھے	۴۷	مشرکین چھپ چھپ کر قرآن سنتے تھے
۵۹	سید عیسیٰ سے دو سو سال پہلے چین میں کل غذا کا رواج تھا	۴۸	طفیل دوسی کا اسلام
۶۰	ابن بعثہ کا کتب خانہ	۴۹	سویہ بن صامت کا اسلام
۶۰	عرب میں بجائے کاغذ دوسری چیز ضرور تھی	۵۰	اسید اور سعد قرآن سن کر مسلمان ہو گئے
۶۰	خلیفہ اول نے عہد نبوی کے کچھ ہی روز بعد قرآن لکھوایا	۵۱	کتاب کے محفوظ رکھنے کے چار اسباب
۶۰	حضرت عمرو عائشہ و عبد اللہ بن عمر و حفصہ کے پاس لکھا	۵۲	قرآن کے لئے یہ چاروں حاصل تھے
۶۱	حفظ قرآن	۵۳	عہد نبوی میں مسلمان و حافظ بمنزل لفظ مترادف تھے
۶۱	حفظ قرآن تھا	۵۴	صحابہ قرآن فوراً حفظ کر لیتے تھے
۶۱	حفظ قرآن نے ایسی قوم کو دیکھا جو لکھا ہوا قرآن ہیچتے تھے	۵۵	بیر معونہ میں متر حافظ شہید کئے گئے
۶۱	ناجیہ صحابی کا کام ہی مصحف لکھنا تھا	۵۶	جنگ یمامہ میں متر حافظوں کا شہید ہونا
۶۱	خلیفہ دوم نے ایسے قرآن کو جس کے ساتھ تفسیر تھی ضائع کر دیا	۵۷	حضرت عبداللہ ایک رات میں قرآن ختم کرتے تھے
۶۱	حضرت عمر کا باریک خط میں قرآن لکھنے سے منع فرمانا	۵۸	عہد نبوی کے سنتیں حافظوں کا مختصر حال
۶۱	حضرت ابن مسعود کا مطلقاً قرآن دیکھنا	۵۹	ابو موسیٰ کی فوج میں تین سو حافظ تھے
۶۱	حضور کا لکھے ہوئے مصاحف کو ملاحظہ فرمانا	۶۰	ان عورتوں کے نام جنہوں نے قرآن حفظ کیا تھا
۶۱	ام سلمہ کا عبداللہ بن نافع سے قرآن لکھوانا	۶۱	اس حدیث کی تشریح کے چار کے سوا کسی نے قرآن جمع نہیں کیا
۶۱	دمشق کے ایک گروہ کا آکر اپنے قرآن کو ابی وغیرہ سے صحیح کرانا	۶۲	حفظ قرآن اور جمع قرآن میں فرق
۶۲	عہد نبوی میں پورے قرآن کے لکھنے کی ضرورت تھی یا نہیں	۶۳	جمع کے معنی پر بخاری کی شہادت
۶۲	حفاظت کی ضرورت پر بحث	۶۴	اس غلطی پر کہ چار کے سوا قرآن کسی کو یاد نہ تھا پانچ تنبیہ
۶۲	حضرت سیف بن اسلام کے کل حالات منضبط ہیں	۶۵	قرآن کی کتابت
۶۳	کتابوں کی حفاظت کے دو طریقے، سینہ اور سفینہ	۶۶	کتابت قرآن کے اہم مباحث
۶۳	حفاظت بال حفظ میں نسیان کا احتمال	۶۷	عہد نبوی میں آلات کتابت کا ہونا
۶۳	سہو و نسیان لوازمات انسان میں سے ہیں	۶۸	اہل مکہ کتابت جانتے تھے
۶۳	آنحضرت سے سہو و نسیان کا ظاہر ہونا	۶۹	صرف قریش میں سترہ کاتب تھے
۶۳	اس پر ابو داؤد کی شہادت	۷۰	ان دس صحابیوں کے نام جو کتابت جانتے تھے
۶۳	بخاری کی شہادت	۷۱	

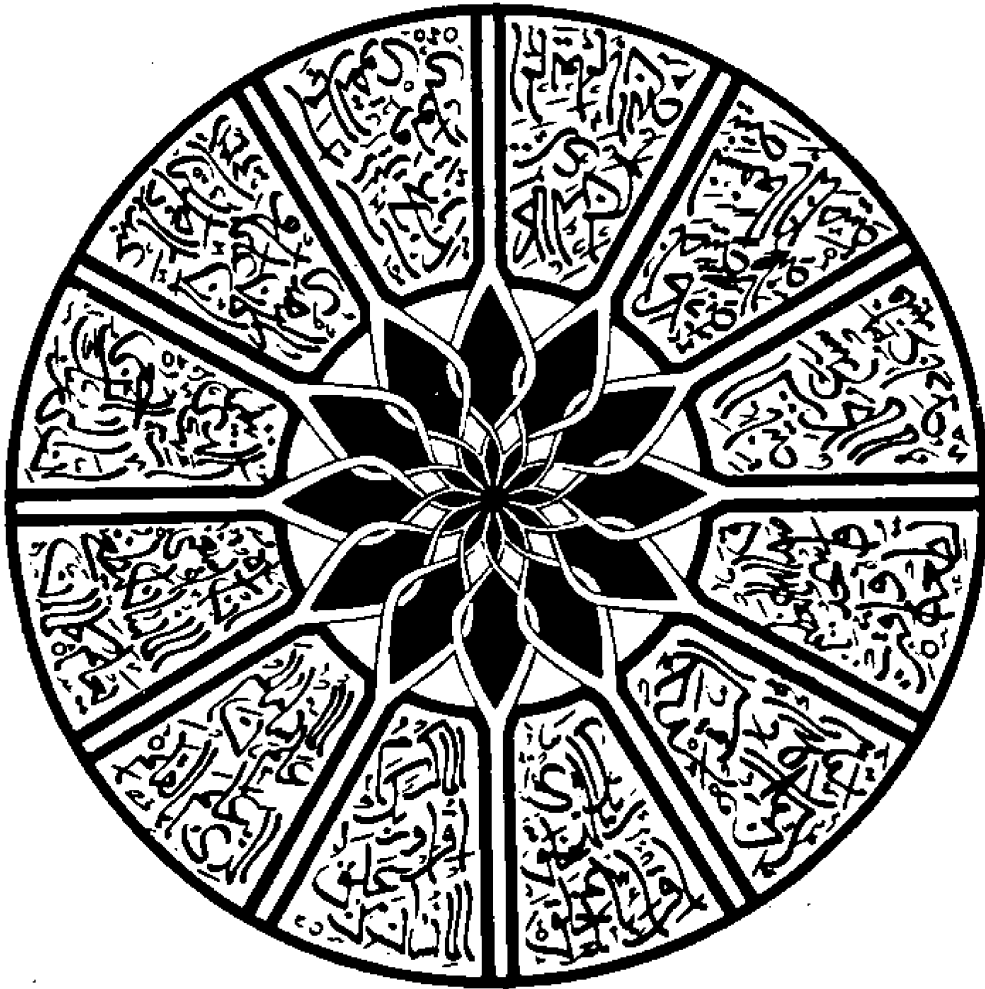
صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۳	دوسرا واقعہ	۷۳	استیعاب کی شہادت (حاشیہ)
۷۴	تیسرا واقعہ	۷۴	کتاب کی حفاظت کا واحد ذریعہ حفظ نہیں ہو سکتا
۷۴	چوتھا واقعہ	۷۴	معارف کو قرآن نے یاد کے اعتماد پر نہیں چھوڑا
۷۵	چند اور ایسے لوگوں کے نام جو قرآن لکھتے تھے	۷۴	إِذَا تَذَكَّرْتُمْ يَدِّينِہِ کی تفسیر
۷۵	دیکھ کر قرآن پڑھنا حفظ سے بہتر ہے	۷۴	لکھنے کے چند فائدے
۷۶	حضور قرآن اپنے لئے نہیں لکھاتے تھے	۷۴	یاد سے کس کو فائدہ ہوگا
۷۶	پورا قرآن لکھ کر حضور کو سنایا گیا	۷۵	آنحضرت کی بعثت عام قیامت تک
۷۷	صحابہ حضور کے ارشاد کے موافق لکھتے تھے	۷۵	اس بات کا رد کہ آنحضرت کو کتابت کا خیال نہ ہوا
۷۷	قرآن کے دو قابل لحاظ امر	۷۵	آپ نے صدقہ کے احکام حضرت علی کو لکھوا دیئے تھے
۷۷	قرآن کس کو کہتے ہیں، قرآن کی تعریف	۷۶	کتابت قرآن پر تفصیلی بحث
۷۸	کلام معجز کو کیسا ہونا چاہیئے	۷۶	عبدالنبوی میں قرآن لکھا گیا یا نہیں
۷۸	سورتوں کی آیات میں خاص طرح کا ربط ہے	۷۶	قرآن سے قرآن کے لکھے جانے کا ثبوت
۷۸	ہر سورت کا موضوع بدلہ ہے	۷۶	حضور لکھوا کر دوبارہ اصلاح فرمادیتے تھے
۷۹	تمام سورتوں کی ترتیب وحی الہی سے ہے	۷۸	لکھتے وقت آیت کا مقام و ترتیب بتا دیتے تھے
۷۹	ترتیب آیات کی حدیثیں	۷۸	احیاء کی وجہ سے حدیث لکھنے کی ممانعت
۸۰	سورتوں کی ترتیب کی حدیثیں	۷۸	حضرت ابوسعید کا حدیث لکھنے سے انکار
۸۱	مال متروکہ میں قرآن چھوڑنے کا ثواب	۷۹	حضور خود قرآن لکھواتے تھے
۸۱	حضور نے آخری دو ختم زید اور ابن مسعود کی موجودگی میں کئے	۷۹	صحابہ حلقہ بانہ کر لکھتے تھے
۸۱	زید نے اپنا لکھا ہوا قرآن اسی آخری ختم کے وقت سنایا تھا	۷۹	قرآن سبعہ نے قرآن یاد کر کے حضور کو سنایا تھا
۸۱	موجودہ قرآن اسی آخری ختم کی ترتیب ہے	۸۰	حدیث لعنہ علیہم اجمعین القرآن غیر اربعۃ کا محل
۹۰	اس پر مولانا بحر العلوم کی شہادت	۸۱	استیعاب کی شہادت
۹۰	دوسری شہادت تنزیہ الفرقان کی	۸۱	عبادہ بن العاصم نے پورا قرآن عبدالنبوی میں لکھا تھا
۹۰	تیسری شہادت امام مالک کی	۸۱	صحابہ عونا ہر سفر میں قرآن ساتھ رکھتے تھے
۹۰	چوتھی شہادت امام بغوی کی	۸۱	قرآن مجید ساتھ رکھنے کے وجہ
۹۱	پانچویں شہادت ابن حصار کی	۸۲	صحابہ ایک ہفتہ میں قرآن ختم کرتے تھے
۹۱	چھٹی شہادت ابو جعفر کی	۸۲	اس معمول پر چند شہادتیں
۹۱	ساتویں شہادت امام نووی کی	۸۳	اس کا ذکر سب صحابہ یاد سے پڑھتے تھے
۹۱	آٹھویں شہادت ولیم مور کی	۸۳	عبدالنبوت میں ناظر و خواں بھی تھے
۹۲	نویں شہادت فاضل محمد بن الحسن کی	۸۳	پہلا واقعہ



# تاریخ القرآن

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۳	علامہ ابن حزم کی رائے	۹۳	قرآن کی سندیں تو اتاریں حد سے زیادہ ہیں
۱۰۳	امام محی الدین نووی کی رائے	۹۳	قرآن کی ترتیب پر علامہ ابن حزم کی تحریر
۱۰۳	قاضی ابوبکر کی رائے	۹۴	ان روایتوں کی تنقیح جن سے شبہ کا موقع ملتا ہے
۱۰۳	امام فخر الدین رازی کی رائے	۹۴	امشبہاء کی پہلی روایت
۱۰۴	علامہ بحر العلوم کی رائے	۹۴	معوذتین قرآن سے خارج ہے
۱۰۵	امشبہاء کی دوسری روایت	۹۵	معوذتین کے متعلق ابن مسعود سے تین شخصوں کی روایت
۱۰۵	سورتوں کی ترتیب صحابہ کی رائے پر مبنی ہے	۹۵	پہلی روایت عبدالرحمن کی
۱۰۵	اس حدیث پر ترمذی کی رائے	۹۶	دوسری روایت علقمہ کی
۱۰۶	عوف قدسی اور شیعہ تھا	۹۶	تیسری روایت زربن حبیش کی
۱۰۶	عوف کے متعلق ایک مذہبی روایت	۹۸	زر کی پہلی اور دوسری اور تیسری اور چوتھی روایت
۱۰۶	عوف کو رافضی شیطان کہا گیا ہے	۹۸	عبدالرحمن کے علاوہ کسی کی روایت نہیں انہما ایستامن
۱۰۶	عوف کے متعلق امام مسلم کا فیصلہ		کتاب اللہ
۱۰۶	عوف کی روایت پر محققانہ فیصلہ	۹۸	عبدالرحمن کی روایت کے عدم صحت پر نو دلیلیں
۱۰۶	متواتر روایتوں سے ثابت ہے کہ قرآن کی ترتیب	۹۹	عبدالرحمن اس روایت میں متفقہ ہے
	آنحضرت کی ترتیب ہے	۹۹	ابو اسحاق اہل کوفہ سے صحیح روایت نہیں کرتا
۱۰۸	سورۃ براءۃ اور سورۃ انفال مستقل سورتیں ہیں	۹۹	اعمش کی ان سے روایت صحیح نہیں ہوتی
۱۰۸	پہلی شہادت	۹۹	اعمش شیعہ ہے
۱۰۸	دوسری شہادت	۹۹	اس روایت میں دو فسادوں کا اجتماع
۱۰۹	تیسری شہادت	۹۹	اس کی حدیث موضوع ہے
۱۰۹	چوتھی شہادت	۹۹	حضرت ابن مسعود کی بدنامی کا احتمال
۱۱۰	صحابہ رات دن میں کس ترتیب سے قرآن ختم کرتے تھے	۹۹	طرائی کی روایت کہ معوذتین قرآن میں سے ہے
۱۱۱	حضرت ابن عباس کی حدیث پر معنوی بحث	۱۰۰	ابن مسعود معوذتین سے ناواقف نہ تھے
۱۱۱	اس حدیث کی دو باتیں	۱۰۰	زربن حبیش کی روایت کی جانچ
۱۱۱	۱۔ انفال اور براءۃ ایک ساتھ کیوں لکھی گئیں	۱۰۱	علقمہ کی روایت کی تنقیح
۱۱۱	۲۔ قرآن کی سلاطین سورتوں کیساتھ ان کو کیوں لکھا گیا	۱۰۲	معوذتین کی حدیث پر محققانہ فیصلہ
۱۱۱	حضرت عثمان کا جواب	۱۰۲	ان روایتوں کے عدم صحت پر تین زبردست وجوہ
۱۱۲	جواب ۱	۱۰۲	معوذتین کا روایت متواترہ سے ثبوت
۱۱۲	جواب ۲	۱۰۲	عاصم، حمزہ، کسائی، خلف کی متواتر سند
۱۱۳	اس جواب پر تامل اور حضرت عثمان کی تنزیہ	۱۰۳	امشبہاء کی روایات کے عدم صحت پر چند جید علما کی رائے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۲	خلافت ثلاثہ کا مختصر حال	۱۱۳	انفال اور براءۃ کے باہم مشابہ ہونے پر بحث
۱۲۳	عبداللہ فاروق میں ایک لاکھ سے کم نسخے قرآن کے نہ تھے	۱۱۳	بسم اللہ سورہ قوبہ میں کیوں نہیں لکھی گئی
۱۲۴	زہری کی حدیث کی سند	۱۱۴	اشتباه کی تیسری روایت
۱۲۴	یہ حدیث خبر آحاد سے صرف زہری کی روایت ہے	۱۱۵	اس آیت کے متعلق چند ضروری باتیں
۱۲۵	زہری حدیث میں اپنا کلام ملا تے تھے، اس پر المعتمر کی مشہدات	۱۱۵	پہلی خلافت دور میں تین مہینے گیارہ روز زہری
۱۲۵	زہری کے بیان میں اختلاف ہے اور دوسری صحیح روایت کے خلاف ہے	۱۱۵	جنگ یمامہ سلسلہ ہجری کے آخر میں واقع ہوئی
۱۲۶	حدیث بخاری کے، معارف ابی قتیبہ کے، ترمذی کے خلاف	۱۱۶	اس میں گیارہ سو مسلمان شہید ہوئے ان میں ستر قاری تھے
۱۲۶	استیعاب میں زہری کی مخالفت کا بیان	۱۱۶	اس میں مشہور قرار میں سے سالم شہید ہوئے
۱۲۶	یہ روایت یا تو بے اصل ہے یا درمیانی راوی کی غلطی ہے	۱۱۶	زید بن ثابت نے آنحضرت کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا
۱۲۷	کنز العمال کی حدیث اور کشف حقیقت	۱۱۷	عثمان، علی، ابوذر، سالم نے حضور کی حیات میں قرآن جمع کیا
۱۲۷	عبدالنبی میں دس شخصوں نے پورا قرآن جمع کیا تھا	۱۱۷	حضور نے خود قرآن لکھایا اور صحابہ نے لکھا
۱۲۸	کیف یفعل شیئاً لم یفعله رسول اللہ کی نسبت غلط	۱۱۷	اگر عبدالنبی میں قرآن جمع نہ ہوتا تو مسلمانوں کا پہلا کام جمع کرنا ہوتا
۱۲۹	نیز لم یفعله رسول اللہ، خود غلط ہے	۱۱۸	جنگ یمامہ کے بعد قرآن کس نے جمع کیا
۱۳۰	خلیفہ اول کا جمع کردہ قرآن بیت المال کا ہو گا	۱۱۸	مشورہ کرنا حضرت ابوبکر کی عادت تھی
۱۳۰	خلیفہ اول نے اس کو بیت المال میں جمع نہیں کیا	۱۱۹	کسی کتاب کی صحیح نقل کے لئے کتنے اہتمام کی ضرورت ہے
۱۳۰	حضرت ابوبکر کے پاس بیت المال کی کیا کیا چیزیں تھیں	۱۱۹	زید نے خلافت صدیقی کے نواہ گزرنے کے بعد جمع قرآن کا کام شروع کیا
۱۳۱	ایک خیالی عہد نامہ کا رد	۱۱۹	ابی تمام قرآن کے سردار ہیں
۱۳۱	سورہ براءۃ کا آخری حصہ صرف ابوذر کے پاس نکلا	۱۲۰	فاروق اعظم کے اہتمام میں تعلیم قرآن کا مختصر نمونہ
۱۳۱	زہری کی روایت میں چھ باتیں غلط ہیں	۱۲۱	حضرت عمر نے قرآن کی تعلیم جبری قائم کی تھی
۱۳۱	اور دوسرے کے تجربہ کے خلاف ہیں	۱۲۱	ابوالدرداء کے طبقہ دوس میں سولہ سو سے زائد طلبہ ہوتے تھے
۱۳۲	ایک عجیب بات زبان زد جھوٹ صداقت کا رنگ اختیار کرتا ہے	۱۲۱	ابن مسعود کے طبقہ دس میں چار ہزار طلبہ ہوتے تھے
۱۳۲	نقد بخاری بھی اس شہرت کے آگے ماند	۱۳۲	حضرت فاروق نے قرآن کی کتابت کے لئے مدرسہ قائم کیا
۱۳۳	خلافت عثمانی میں قرآن کا جمع ہونا	۱۳۲	خلیفہ اول نے قرآن جمع کیا مگر شائع نہ کیا
۱۳۴	اس حدیث میں پانچ باتیں	۱۳۲	شائع نہ کرنے کی وجہ
۱۳۴	اس پر تنقیحات	۱۳۳	حضور کی وفات کے وقت اسلام کی اشاعت کہاں کہاں تھی







لَكَ الْحَمْدُ يَا مَنْ فَضْلُهُ مُتَوَاتِرٌ  
وَيَا مَنْ لَهُ جُودٌ عَمِيمٌ وَغَايِرُ  
لَكَ الْحَمْدُ مِنِّي فَأَقْبِلِ الْحَمْدَ إِنِّي  
لِجُودِكَ وَالْإِحْسَانِ وَالْفَضْلِ شَاكِرٌ





# مقدمة





## پیش لفظ

علامہ مفتی عبداللطیف رحمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۹۵۹

ولادت : ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۷ء) میں ہوئی۔ تاریخی نام محمد منظور

وفات : عصر کے بعد جمعرات کے دن ۹ ماہ جمادی الآخرہ ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۵۹ء

علی گڑھ میں ہوئی۔ تمنا نے کہا ہے

پرسید چوں تمنا ہاتھ برائے سالش

گفتا۔ مقیم جنت عبداللطیف مفتی  
۵۲۰ + ۲۰۶ + ۳۵۳ + ۱۹۰  
۱ ۳ ۴ ۹

تمنا نے عبداللطیف میں لام کو مشدود رکھ کر ایک لام محسوب کیا ہے۔

آپ کا مولد اور وطن افضل گڑھ ضلع بجنور ہے۔ چونکہ ایک مدت اپنے والد محترم کے ساتھ سنبھل میں رہے، اس وجہ سے سنبھل سے بھی شہرت ہوئی۔

آپ نے مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے علوم و فنون کی کتابیں میں مؤخر الذکر کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ تعلیم اور تفہیم میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ حدیث شریف اور فقہ میں قوی الاستعداد تھے۔

مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے پڑھنے کے بعد کعبۃ الآمال مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ، زبیریہ میں بیعت ہوئے اور حضرت مولانا سے حدیث مسلسل بالاولیۃ حدیث الرحمتہ شنی اور حدیث شریف کی اجازت عائد حاصل کی حضرت مولانا کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث سے اجازت تھی۔ اس بیعت اور مبارک استماع و اجازت کی برکت سے آپ پر فتح باب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو روشن ضمیر اور صاحب بصیرت کیا۔ روایت کے ساتھ جب روایت کا بھی انضمام ہو جاتا ہے، علم کی شان کچھ اور ہی ہوتی ہے۔

اس پیش لفظ کے مراجع درج ذیل ہیں۔

(۱) انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری جلد اول قسط سوم ص ۲۲ (۲) نزہۃ الخواطر جلد ۸ ص ۲۹۳ (۳) حیات بلیغی

(۴) سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری ص ۲۵ (۵) حیات سلیمان ص ۳۱ (۶) حیات مشیل ص ۳۱ (۷) صدیہ جنگ مش

ص ۲۵ (۸) تذکرہ قادیان ہند جلد ۲ ص ۹ (۹) کتاب تاریخ القرآن از عبدالصمد ص ۱۰ (۱۰) جملہ معارف جلد

(۱۱) حضرت مفتی کی لٹریچر رٹن کارڈ (۱۲) اس عاجز کی بیاض۔

مجھ سے حضرت مفتی صاحب کی ملاقات خانقاہ شریف (درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر) میں ہوئی۔ آپ نے فرمایا حضرت مولانا لطف اللہ کے بیشتر تلامذہ علم سے فارغ ہو کر گنج مراد آباد جا کر حضرت مولانا فضل رحمان سے بیعت ہوا کرتے تھے چنانچہ میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، بیعت ہوا، حدیث مسلسل بالاولیہ حدیث رحمت سنی اور اجازت عامہ حاصل کی، پھر آپ نے حدیث رحمت مجھ کو سنائی اور اجازت عامہ سے سرفراز فرمایا۔

مسلسلات اگرچہ بہت ہیں لیکن حضرات ائمہ ابتدا حدیث رحمت ہی سے کرتے ہیں تاکہ اللہ کی رحمت شامل حال رہے۔

حضرت گنج مراد آبادی کی رحلت کے بعد مفتی صاحب مولانا سید محمد علی مونگیری کی صحبت سے کافی عرصے مستفید ہوئے اور ۱۳۲۵ھ میں آپ ہی کے ساتھ حج کے واسطے روانہ ہوئے اور پھر مکہ مکرمہ میں آپ کے اشارے اور مدرسہ صولتیہ کے مہتمم کے اصرار پر دو سال تک مدرسہ میں درس دیا۔

ابتدا میں آپ نے مؤلف راے بریلی میں پڑھایا۔ پھر آپ ندوہ کے مفتی مقرر ہوئے اور جب ندوہ نے اپنا دارالعلوم کھولا، ماہ شوال ۱۳۲۵ھ (فروری ۱۹۱۹ء) میں وہاں کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اور حجاز سے واپسی پر خانقاہ رحمانیہ واقع مونگیری میں قیام کر کے تالیف و تصنیف میں مشغول ہوئے۔ حضرت امام اعظم کے حالات میں ”مذکرۃ اعظم“ تالیف کیا، اس کا تاریخی نام ”شواہد اعظم“ ہے۔ یہ رسالہ ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۶ء) میں چھپا ہے۔ پھر آپ نے کتاب ”تاریخ القرآن“ تالیف کی۔ عبدالقصد صادم نے اپنی کتاب ”تاریخ قرآن“ میں لکھا ہے کہ حضرت مفتی عبداللطیف کی کتاب ۱۹۱۹ء میں چھپی ہے یعنی ۱۳۳۷ھ میں۔ یہ دونوں کتابیں اگرچہ مختصر ہیں لیکن کام کی باتوں سے پُر ہیں۔

۱۳۳۵ھ (۱۹۱۶ء) میں آپ کا تقرر دولت آصفیہ کی عثمانیہ یونیورسٹی میں ہوا۔ مجلہ معارف کی جلد آٹھ شمارہ چھ میں کتاب ”صرف لطیف“ اور ”نحو لطیف“ کا تذکرہ ہے۔ معارف کا یہ شمارہ ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ دو رسالے یونیورسٹی کے طالبان علم کے حسب احوال تحریر فرمائے ہیں۔

صفر ۱۳۳۲ھ (ستمبر ۱۹۱۳ء) میں استاذی مولانا محمد عمر رحمہ اللہ کی بیاض سے مفتی صاحب کا تصنیف کردہ انیس صفحات کا مبادی علم منطق کا رسالہ نقل کیا۔ یہ رسالہ حضرت استادی نے مؤ میں اپنی بیاض پر نقل فرمایا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے علوم میں بھی آپ نے مختصر رسائل لکھے ہوں گے۔

ان رسائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پیش نظر یسروا ولا تعسروا کا ارشاد مبارک تھا۔ آپ نے یونیورسٹی کے طالبان علم کے لئے شافیہ کافیہ کو غیر ملائم سمجھتے ہوئے ”صرف لطیف“ اور ”نحو لطیف“

تالیف فرمائی۔

حیدرآباد کے دوران قیام میں آپ نے جامع ترمذی کی شرح "الشرح اللطیف" کے نام سے اور تراجم صحیح بخاری کی شرح "لطف الباری" کے نام سے لکھی ہے، یہ دونوں کتابیں مکمل ہو چکی ہیں اور ان کے مخطوطے محفوظ ہیں۔

آپ کی وفات سے غائبانہ دس سال پہلے علی گڑھ جا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ بزرگوار شفقت سے پیش آئے اور الشرح اللطیف کی ایک جلد مطالعہ کے واسطے عنایت کی۔ تقریباً پون گھنٹہ اس کے مطالعہ میں مصروف رہا، افسوس یہ ہے کہ اس کے متعلق یادداشت نہیں لکھی البتہ اتنا یاد رہا کہ شرح مختصر ہے اور بہت مفید، اگر یہ کتاب چھپ جائے اہل علم میں ہندوستان کے علماء کی منزلت میں اضافہ ہو۔

اس کتاب کے سلسلہ میں علامہ سید احمد رضا بجنوری حفظہ اللہ وابقاء کی ایک تعلیق نظر پڑی ہے اس کو نقل کرتا ہوں، تحریر فرمایا ہے :-

مخدوم و محترم حضرت مولانا مفتی محمد فضل اللہ صاحب (محشی الأدب المفرد للبخاری) نے نہایت عظیم الشان اعانت یہ فرمائی کہ حضرت المحدث العلام مولانا مفتی عبداللطیف رحمانی صاحب (مصنف تذکرہ اعظم وغیرہ) کی شرح ترمذی شریف قلمی استفادہ کے لئے عنایت فرمائی حضرت مفتی صاحب نے ترمذی شریف پر نہایت جامع و مختصر تعلیقات محدثانہ و محققانہ طرز سے تحریر فرمادی ہیں جو درس ترمذی شریف کے لئے نہایت مفید ہیں، دارالعلوم دیوبند جیسے علمی اداروں کا فرض ہے کہ ایسی گرانقدر تصانیف کی اشاعت کریں۔ بہر حال میں حضرت مولانا دام فضلہم کی عنایت و الطاف کا بہت ممنون ہوں بلکہ

آپ کی علمی جارکتا میں ہیں، ان میں سے دو چھپی ہیں اور وہ بھی ناپید نہ تذکرہ اعظم دستیاب ہے۔ تاریخ القرآن، اتفاق سے اس کا تذکرہ رفیق محترم حافظ جمیل الرحمن خاں سے کیا۔ آپ کو قرآن حکیم کے تراجم اور مطالب سے شغف ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر کار در ترجمہ اور حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کا ہندی ترجمہ اکثر و بیشتر مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ آپ نے بیان کیا تاریخ القرآن کہیں دستیاب نہیں ہوتی البتہ ہارڈنگ لائبریری اور آزاد بھون انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشن لائبریری میں موجود ہے، اور میں نے وہاں بیٹھ کر اس کتاب کو نقل کیا ہے۔ اور آپ نے اپنا تحریر کردہ نسخہ مجھ کو مطالعہ کے واسطے دیا۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ صفحہ ایک سو دس، گیارہ اور بارہ میں عربی

لے الہا الباری شرح اردو صحیح البخاری جلد اول قسط سوم ص ۱۲

لے آپ کاں مسجد کے پاس مکی مولوی قطب الدین کے رہنے والے ہیں اور اب دو چار سال سے جہاڑی بھول رہے ہیں۔



عبارت کے ترجمہ کی جگہ خالی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمہ کی خالی جگہ اور حاشیہ پر اس کتاب کے متعلق اپنی رائے لکھی ہے اور میں نے آپ کی رائے نقل کر لی ہے۔

علماء اعلام نے فرمایا ہے: "فَعَلَ الْحَكِيمُ لَا يَخْلُو عَنِ الْحِكْمَةِ" حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اللہ رب العزت حکیم مطلق ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت اور مصلحت ہے۔ تاریخ القرآن کا نسخہ بہت تلاش کرایا۔ نہ صرف دہلی میں بلکہ دوسرے شہروں میں بھی کہیں دستیاب نہ ہوا اور کسی سے مستعار ملا۔ حافظ جمیل الرحمن کا قلمی نسخہ ملا اور اس میں مولانا آزاد کی رائے لی۔

حافظ جمیل الرحمن نے یہ بھی بیان کیا کہ مولانا آزاد نے کتابوں پر دلچسپ انداز سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ایک مستشرق کی کتاب پر لکھا ہے :-

"برسوں کی جی ہوئی اُس کے دل کی سیاہی اُس کے قلم کی لغزش سے پکی اور بُری طرح پکی ہے اور ایک کتاب پر تحریر کیا ہے :-

"مولوی صاحب کا دماغ تو کچھ مہذب معلوم ہوتا ہے لیکن دل تو برا گنوار ہے"

مولانا آزاد کی یہ آثار جو انھوں نے اپنی خصوصی کتابوں پر لکھی ہیں اُن کے ضمیر کی آواز ہے جو ہر قسم کے اغراض سے پاک ہے۔ اب میں مولانا کی وہ تحریر لکھ رہا ہوں جو آپ نے حضرت مفتی کی کتاب تاریخ القرآن کے صفحات ایک سو دس گیارہ اور بارہ پر تحریر کی ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں اس تحریر سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے دقیق نظر سے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور جناب مؤلف نے جو اہم عنوانات منتخب کئے ہیں جیسے:

(۱) قرآن کے تحفظ کا ثبوت مسلمانوں کی عملی زندگی (۲) قرآن کے بارے میں آنحضرت کی ترغیبات۔

(۳) کتاب کے محفوظ رکھنے کے چار اسباب (۴) عہد نبوی میں سینتیس حافظ تھے (۵) ابو موسیٰ کی فوج میں

تین سو حافظ۔ (۶) قرآن سب سے بڑے قرآن یاد کر کے حضور کو سنایا (۷) پورا قرآن لکھ کر حضور کو سنایا گیا۔

(۸) حضور نے قرآن کے آخری دو ختم موجودگی زید اور عبداللہ بن مسعود کیا تھا (۹) زید نے اپنا لکھا ہوا

قرآن اسی آخری ختم کے وقت سنایا تھا (۱۰) موجودہ قرآن اسی آخری ختم کی ترتیب ہے۔

(۱۱) ان روایتوں کی تنقیح جن سے شبہ کا موقع ملتا ہے۔

جناب مولانا نے ان عنوانات پر حضرت مؤلف کی بحث کو دقیق نظر سے پڑھا اور انکی شدت نگاہی کے

قائل ہوئے۔ جناب مؤلف نے ان حقائق کو سامنے رکھا ہے جو قطعی اور یقینی ہیں اور ان تمام شکوک و شبہات

کا ازالہ کر دیا ہے جو بعض اخبار آماد کی وجہ سے وارد ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عنایت کرے۔

وَأَخِرُ دَعْوَايَ أَنَا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

ابوالحسن زید فاروقی

درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی ۶

جمعہ ۳۱ رجب ۱۴۲۲ھ / ۲۱ مئی ۱۹۸۲ء

## مولانا ابوالکلام آزاد و رحمۃ اللہ کی تحریر

متمم مصنف کو اسلامی علوم پر ایسا عبور ہے کہ عالم اسلام کے علماء جدید بھی شاید نہ سمجھتے ہوں۔ اس رسالہ میں انھوں نے قرآن عزیز کی تاریخی بحث علمی عدالت عالیہ میں اس انداز سے اٹھائی ہے جس طرح ایک باصلاحیت وکیل مخالف فریق کے ناپاک ارادوں پر وار کرے اور اس کے پُر فریب تخت کے ہر بیچیدہ موڑ پر سخت گرفت کرے اور اپنے مقدمہ کی تکمیل میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔

اشتباہ رکھتی روایات کے پس پردہ جو پس منظر ہے مصنف کی اس پر گہری نظر ہے۔ اس بحث کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کا دماغ علم و دانش کا مخزن ہے۔ کتاب کے انداز نگارش سے یہ نکتہ بھی صاف صاف نمایاں ہے کہ وہ مہینوں لگا کر اس عنوان پر عمیق مطالعہ کے ساتھ ساتھ مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ اس تمام عرصہ میں ان کی زندگی کی کوئی صبح یا شام ایسی نہیں گزری ہوگی جس پر انھوں نے اس مسئلہ کی مثبت اور منفی پہلو پر فہم و تدبیر کے ساتھ نہ سوچا ہو۔ ان کے قلم سے کاغذ پر سیاہی نہیں گرتی جو پھیلے اور بڑی جگہ گھیر لے اور ذوقِ سلیم پر گرانی کا باعث بنے۔ یہاں ان کے قلم کی نوک احتیاط کا دامن تھام کر احتیاط سے صبیح صبیح واقعہ نگاری کرتی ہے۔ کیونکہ مصنف نے عنوانات اہم مقرر کئے ہیں جن سے یہ امر بخوبی روشن ہو گیا ہے کہ وہ روشن دماغ ہی نہیں روشن ضمیر بھی ہیں لہذا ضرب و میں لگاتے ہیں جہاں نشیب ہے۔

بہر حال اس رسالہ میں جو حوالجات ہیں وہ سب مستند کتابوں کے ہیں۔ ہر موضوع کے تحت کارآمد گراختصار کے ساتھ تقریباً سبھی سمیٹ لئے ہیں اور کوئی بات غیر ضروری نہیں۔ ایک ایک سطر شہادت دے رہی ہے کہ جو کچھ پیش کیا گیا ہے امان دارانہ طور پر پیش کیا گیا ہے۔

# تَارِيخُ الْقُرْآنِ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

## تمہید

قرآن کی تدوین اور ترتیب کے متعلق قدار کی کوئی تصنیف میری نظر سے نہیں گزری۔ البتہ بعد کے حضرات نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اُن تحریروں کو میں نے بغور دیکھا لیکن ان سے اُن شکوک اور خیالات کا ازالہ نہیں ہوتا جن کے ازالہ کے لئے یہ تکلیف اٹھانی گئی۔ لیکن ہر کہ پہلے حضرات نے یا بعد میں کسی نے کوئی ایسی تحریر لکھی ہو جو تشفی بخش ہو اور جس سے اُن تمام شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہو جو بعض احادیث صحیحہ کی بنا پر خود بخود پیدا ہوتے ہیں یا اُن کا پیدا ہونا لازمی ہے یا مخالفین اُن کو پیش کرتے ہیں مگر چونکہ ایسی کوئی تحریر میری نظر سے نہیں گزری اس لئے مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن کے متعلق واقعات کو ظاہر کروں۔ جو احادیث اور آثار قرآن کی تالیف وغیرہ کے متعلق ہیں اُن سے جو خیالات اور شبہات پیدا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) قرآن آنحضرت کی زندگی میں یکجا لکھا ہوا نہیں تھا۔ آپ کے بعد خلیفہ اول نے ایک جاکر دیا۔  
(۲) انجیل اور قرآن دونوں اس امر میں یکساں ہیں کہ آنحضرت اور حضرت مسیح کے بعد کے لوگوں نے انھیں مرتب اور جمع کیا۔

(۳) دو چار صحابہ کے سوا کوئی پورے قرآن کا حافظ حضرت کی زندگی میں نہیں تھا۔  
(۴) قرآن کا بہت بڑا حصہ تلف ہو گیا یا کر دیا گیا کیونکہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا اور قرآن موجودہ میں ایک ہی حرف ہے۔

(۵) قرآن کی بعض سورتیں بہت بڑی تھیں لیکن وہ مختصر کر دی گئیں۔

(۶) بعض سورتیں قرآن سے نکال دی گئیں۔

(۷) قرآن جس طریقہ سے جمع کیا گیا اس میں بہت زیادہ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ قرآن کا کوئی حصہ

لکھنے سے رہ گیا ہو چنانچہ خلیفہ اول کے عہد میں بعض آیتیں لکھنے سے رہ گئی تھیں پھر خلیفہ سوم کے وقت میں لکھی گئیں۔

(۸) قرآن کے آخر کی دو سورتیں حضرت عبداللہ ابن مسعود کے نزدیک قرآن میں داخل نہیں لہذا اُن کا قرآن سے ہونا یقینی نہیں۔

(۹) قرآن کی یہ موجودہ ترتیب ایسی نہیں جس پر تمام کا اتفاق ہو کیونکہ حضرت ابی ابن کعب حضرت علی اور حضرت ابن سعد (رضی اللہ عنہم) وغیرہ کے قرآن کی ترتیب اس کے خلاف تھی۔

ان مشبہات کے اٹھانے کے لئے اس وقت تک جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان تمام میں اس امر کے ثابت کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں مرتب لکھا گیا تھا اور اُس وقت بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جن کو پورا قرآن یاد تھا۔

غالباً ان حضرات کے خیال میں ان مشبہات کے اٹھانے کی صرف ایک ہی صورت تھی اور بغیر اس کے ان مشبہات کا اٹھانا ممکن نہیں تھا لیکن یہ خیال کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر ہمارے پاس ایسی شہادتیں بھی موجود ہوں جس سے پورے قرآن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لکھا جانا معلوم ہو یا دو چار کے سوا بہت سے حفاظ قرآن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ اور اسی کے ساتھ تمام وہ شہادتیں جن کی وجہ سے یہ مشبہات ہوتے ہیں معتبر گواہوں کی ہوں تو ایسی حالت میں بھی قرآن میں اس قسم کے مشبہات کی گنجائش ممکن ہے۔ یہاں اس بات کا معلوم کر لینا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جن حضرات نے خود جن باتوں کو بلا واسطہ سنا ہے یا آپ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے اُن حضرات کے نزدیک ان امور کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا یقینی ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ حضرات ان باتوں سے اگر کسی ایک امر کا بھی انکار کریں گے تو اُن کا یہ انکار اُن کو حدود اسلام سے باہر کر دے گا۔ البتہ جو حضرات اس شرف سے محروم ہیں ان کے لئے ثبوت کی تین صورتیں ہیں :

(۱) تواتر۔ اس قدر گواہوں کے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا یا کرنا ثابت ہو جس کے بعد کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کا ثبوت متیقن اور قطعی ہو جائے۔

(۲) آحاد۔ اس قدر گواہ نہ ہوں بلکہ دو ایک گواہوں سے ثابت ہو اور ظاہر ہے کہ ایسے امور یقینی اور قطعی الثبوت نہیں ہو سکتے بلکہ اس میں شک و شبہ کا موقع ہو سکتا ہے۔

(۳) توارث و تعامل عامہ۔ یعنی وہ فعل و قول اس قسم کا ہو جس پر ہم نے تمام اپنے بڑوں کو



عمل کرتے ہوئے یا کہتے ہوئے بلا کسی اختلاف کے دیکھا یا سنا ہو اور اسی طرح سے اُن حضرات نے اپنے پہلوں کو دیکھا ہو یا سنا ہو یہاں تک کہ یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو۔ جو اُمور اس طریقہ سے ثابت ہیں وہ اُمور بھی اَوَّل ہی کی طرح قطعی اور یقینی ہیں۔

اسلام میں اس طریقہ سے بہت سے اُمور ثابت ہیں۔ مثلاً پانچ وقت کی نماز۔ نمازوں میں کثرت کی تعداد۔ ارکان حج۔ زکوٰۃ کے ارکان و شرائط وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں کا ثبوت گو احادیث سے بھی ہے لیکن ان احادیث پر ان کا ثبوت موقوف نہیں۔ اگر یہ احادیث نہ ہوتیں تب بھی اُن کے ثبوت میں کوئی فرق نہ آتا۔ ہمارے اس بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو امر پہلے اور دوسرے طریقوں میں سے ایک طریقہ سے بھی ثابت ہو وہ قطعی اور یقینی ہے۔ تمام مسلمان بلا امتیاز اور استثناء اس امر پر متفق ہیں کہ قرآن کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متواتر ہے۔ مسلمانوں میں جس قدر بھی فرق ہے اُن میں سے ایک کو بھی اس سے انکار نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے اسی کے ساتھ حقیقت واقعہ بھی اسی طرح سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک قرآن کا سلسلہ متواتر ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اس وقت تک ہر عہد میں قرآن کے آنحضرت سے راوی اور بیان کرنے والے اس قدر رہے ہیں جن کی وجہ سے اس کی صداقت پر ہر انسان مجبور ہو جاتا ہے اور اس امر کے باور کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ یقینی بلا کمی اور بیشی کے یہ وہی کتاب ہے جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الہی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن کا یہ تواتر اُس کا طرہ امتیاز اور خاصہ اور لازمہ ہو گیا۔ اسی لئے قرآن کی معرفت کی تقریب میں یہی وصف بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ عامہ علماء اسلام قرآن کی تعریف اس طرح کرتے ہیں وہ کلام الہی جس کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متواتر ہو۔ اس کے سوا قرآن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توارث اور تعامل عامہ بھی ہے یعنی ہر عہد والوں نے اپنے قبل کے عہد والوں کو اسی قرآن کو پڑھتے ہوئے سنا یہاں تک کہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے۔ جس حالت میں کہ اس قرآن میں تواتر و توارث اور تعامل عامہ دونوں ہیں تو پھر اس قرآن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سند اور اس قرآن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت ان دو چیزوں سے زیادہ یقینی اور قطعی ہے جو محض متواتر ہیں یا محض متوارث ہیں۔

اس موقع پر اس امر کا بیان بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ واقعات کی دو قسمیں ہیں عمومی اور خصوصی۔

واقعات عمومی وہ ہیں جن کا ظہور منظر عام پر اس طرح سے نمایاں ہو کہ اس کا علم بلا کسی

رکاوٹ کے ہر شخص کو ممکن ہو۔ جس طرح شاہراہ کے چوراہے پر جبکہ وہاں مجمع کثیر ہو کسی کے قتل کا وقوع یا مسجد جامع میں کسی واعظ کا بیان اس قسم کے واقعات کا ثبوت ایک دو کے بیانات سے نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ ایک جماعت کثیر اس کی شہادت نہ دے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مطلع پاک صفا ہو تو اس حالت میں ایک دو کی شہادت چاند کے متعلق ناکافی ہوتی ہے۔

واقعات خصوصی وہ ہیں جو منظر عام پر اس طرح نمایاں نہ ہوں۔ اس قسم کے واقعات کے ثبوت میں دو کی شہادت بھی کافی ہے۔

قرآن کی تبلیغ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور سے کی ہے اور خدا کی طرف سے آپ اسی کے لئے مامور بھی تھے۔ آپ قرآن اہل اسلام اور کفار تمام کے مجمع میں بلا تکلف سناتے اور اس کی تعلیم دیتے اس لئے قرآن واقعات عمومی سے ہے اور اسی وجہ سے اہل اسلام کے یہاں اس کے ثبوت میں جماعت کثیرہ کی شہادت ضروری ہے ایک دو شہادت کا اعتبار نہیں۔ اگر کسی آیت یا سورہ کے قرآن ہونے پر ایک دو شہادتیں ہوں تو ان شہادتوں کی وجہ سے یہ آیت یا سورہ قرآنی نہیں ہوگی۔

## واقعات کی جانچ پرتال کے تنقیدی اصول

علماء اسلام نے واقعات کی تنقید کے لئے چند اصول مقرر کئے ہیں۔ ان کے یہ بھی اصول ہیں:

(۱) جن واقعات کا ثبوت تو اترا یا توارث عامہ سے ہو ان کے خلاف میں ایک دو شہادتیں ہرگز قابل وثوق نہیں بلکہ اس قسم کی شہادتیں خود اپنی کمزوری کا ثبوت دیتی ہیں۔

(۲) واقعات عامہ کے ثبوت پر ایک دو شہادت ہوں تو وہ بھی کسی طرح وثوق کے لائق نہیں اور اس قسم کی شہادتیں مشتبہ ہیں۔ یہ تنقیدی اصول اس قسم کے نہیں ہیں کہ جو اہل اسلام ہی سے مخصوص ہوں بلکہ ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص بھی ان اصول کے ماننے پر فطرتاً مجبور ہے اور انھیں اصول سے ہمیشہ تنقید واقعات میں کام لیا جاتا ہے۔ اب ہم ان مشبہات و شکوک کی جو قرآن پر بعض احادیث اور تاریخی بیانات کی بنا پر کئے جاتے ہیں ان اصول پر تنقید کرتے ہیں۔

ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کا سلسلہ آنحضرت تک متواتر ہے اور نیز توارث عامہ اور تعامل بھی رکھتا ہے۔

جن احادیث کی بنا پر شبہات کئے جاتے ہیں اگر ان تمام حدیثوں کو صحت اور قبولیت میں اعلیٰ درجہ کی مان بھی لیا جائے مگر یہ ضرور ہے کہ وہ متواتر نہیں ہیں۔ ان تنقیدی اصول سے نتیجہ ظاہر ہوا کہ یہ تمام احادیث چونکہ ایک امر متواتر کے خلاف ہیں اس لئے ہرگز اعتماد اور وثوق کے

لائق نہیں بلکہ ان کا امر متواتر کے مخالف ہونا خود ان کی کمزوری اور ضعف کی شہادت ہے۔ اس کے سوا بھی اُن احادیث سے قرآن کی ترتیب اور اس کی کمی بیشی ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قرآن کے لئے ایک دو شہادت کافی نہیں تا وقتیکہ تواتر نہ ہو کیونکہ قرآن واقعات عام سے ہے اور غالباً انہیں تنقیدی اصول کی بنا پر متقدمین نے ان احادیث کے جواب دینے کی طرف توجہ نہیں فرمائی جن سے قرآن پر شبہات کئے جاتے ہیں۔ یہ امر نہایت واضح ہے کہ اہل اسلام نے احادیث اور قرآن موجودہ دونوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا اور ان دونوں کا سلسلہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے لیکن قرآن کے لینے کے ذریعے جس قدر مضبوط اور مستحکم اور یقینی ہیں احادیث کا وہ درجہ نہیں ہے خواہ وہ حدیث کسی درجہ کی ہو بلکہ اگر زیادہ تنقیح سے کام لیا جائے تو مجھے اس امر کے اقرار میں کچھ بھی باک نہیں کہ احادیث متواترہ کا بھی وہ درجہ نہیں جو قرآن کا ہے۔ اب ایسی حالت میں اُن احادیث سے جو قرآن موجودہ کی ترتیب (خواہ وہ آیات کی ہو یا سورتوں کی) اور قرآن کی مقدار اور اس کی تالیف کے مخالف ہیں کوئی اثر نہیں ہو سکتا بلکہ قرآن اپنی قوت اور مضبوطی کی وجہ سے خود ان احادیث ہی کو مجروح اور ضعیف کر دے گا جو حضرت احادیث کی وجہ سے قرآن پر شبہات کر کے اس کی توفیق کو متزلزل کرنا چاہتے ہیں اُن کو یقین کر لینا چاہیے کہ قرآن کا اسناد اور سلسلہ ایسا نہیں ہے جس میں اس قسم کی احادیث وغیرہ سے شک و شبہ کی گنجائش ہو۔ پس تمام اُن احادیث کا جو قرآن کے مقابل ہیں یہی ایک جواب ہے بلکہ یہی واقعہ ہے اور اس کے بعد کسی مسلم کو اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس قسم کی تمام احادیث پر کوئی تنقیدی نظر ڈالی جائے اور فرداً فرداً ہر ایک حدیث کی صحت و سقم یا اُن کے معنی کا اظہار کیا جائے۔ یا یہ ثابت کیا جائے کہ یہی موجودہ قرآن تمام و کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں لکھا ہوا موجود تھا اور بہت کثیر تعداد اُن صحابہ کی تھی جن کو پورا قرآن یاد تھا۔ مگر بعض مخالفین ان اصول کو نظر انداز کر کے بعض احادیث کی بنا پر قرآن کے متعلق شبہات پیدا کرتے ہیں اس لئے میں نے یہ ایک رسالہ لکھا ہے جس سے دلائل کی روشنی میں ناظرین کو ان حدیثوں کے متعلق تفصیلی کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ کہ مخالفین جن حدیثوں کو قرآن شریف کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں کیا وہ قدر و قیمت رکھتی ہیں۔

اس رسالہ کی سطح قرآن شریف کی تدوین و ترتیب کے ثبوت میں کسی قدر بلند ہے۔ مجسداً اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کتاب میں مخالفین کے جو قوی سے قوی شہادات ہیں یا ہو سکتے ہیں، سب بیان کر دئے گئے ہیں اور موقع دلائل میں ناجائز حسن ظن اور عصبیت سے دامن بحث کو یک قلم بچا گیا ہے۔ ہر اعتراض کو نہایت بے نقب سے صاف لفظوں میں تحریر کر کے اس کا جواب محققانہ

اصول پر اہل نقد اور صاحب بصیرت کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ ہر امر اور ہر خیال کی بنیادی قوی دلیلوں پر رہ گئی ہے جو کمزوریوں سے پاک ہے۔ تنقید عبارات اور تنقیح خیالات ایسے اصول کے ماتحت کی گئی ہیں جو علمی دنیا کا مسلہ ہے۔

قرآن کی تدوین اور ترتیب کی بنا پر آغاز رسالہ ہی میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ عرب میں کاغذ کا رواج کب سے ہوا اور عہد نبوی میں اس کا استعمال ہوتا تھا۔ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور حلقہ بگوشانِ بارگاہِ رسالت میں ایسے خدام تھے۔ مسلمانوں کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دی جاتی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تحریر کا کوئی خاص اہتمام کیا تھا یا قرآن کی حفاظت کے لئے کوئی خاص طریقہ آپ نے اختیار فرمایا تھا۔ تاریخی حیثیت اور احادیثِ صحیحہ سے اس طرح ثابت کر دیا گیا ہے جس کو متعصب سے متعصب شخص بھی اگر انصاف کا دل لے کر تحقیق کی نظر سے دیکھے گا تو اس کا تحقیق طلب دل یقین کی روشنی سے منور ہو جائے گا۔ المختصر نہ تو مخالفین کے وہ خیالات اور شبہات جو ترتیب صدیقیؓ کے متعلق پیش کرتے ہیں خارجِ راہ بن کر ہمارے دامنِ بحث کو الجھاسکے۔ نہ وہ توہمات یا ذبیح اعتراضات جو ترتیب مصحف عثمانیؓ کے متعلق مخالفین اسلام نہایت اہمیت دے کر پیش کرتے ہیں۔ ناقابلِ عبور دلدل بن کر ہمارے پائے استدلال کے اقدام روک سکے، بلکہ شبہات اور اعتراضات کے جتنے بادل سامنے آتے گئے۔۔۔ دلائل و واقعات اور صحیح تحقیقات کے وزنی جھونکوں سے کائی کی طرح پھٹتے گئے اور یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ ہمارے مخالفین نے آج تک جو کچھ قرآن شریف کے مقابلے میں پیش کیا ہے وہ اس قابل نہیں ہیں کہ دلائل اور تحقیقات کی روشنی میں صحیح ثابت ہو سکیں۔ پس آخر میں ہم اپنے ان اجنب کے ہاتھوں میں جواہلِ نقد اور صاحب بصیرت ہیں یہ کہتے ہوئے اس رسالہ کو دینے ہیں کہ ۷

تو نیز بر سرِ بامِ آکِ خوش تماشائے امت

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا

مسلمانوں نے اپنی کتاب قرآن پاک کی ایسی حفاظت کی کہ مخالفین کو بھی مجبوراً یہ اقرار کرنا پڑا کہ تمام مذاہب میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کا قانون یعنی آسمانی کتاب رسالت مآب کے مبارک عہد سے آج تک بلا کمی بیشی اور رد و بدل سے محفوظ ہے اور آئندہ رہے گا کیوں کہ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اور رقمہ لیا۔ بجز قرآن کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں جس کی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہو۔ اس وقت یہ کلام پاک جن الفاظ اور ترتیب سے ہمارے سامنے ہے اسی طرح بعینہ رسالت مآب کے مقدس عہد میں تھا۔ جن الفاظ اور ترتیب سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا وہی بدستور اس وقت تک ہیں۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق کے لئے اس وقت کے مسلمانوں کی حالت بھی اگرچہ روشن اور کافی شہادت ہے کیونکہ آج تیرہ صدی کے بعد جو دھویں صدی میں جبکہ مسلمانوں میں وہ مذہبی جوش نہیں ہے جو ہر فرقہ میں اپنی پیدائش کے وقت ابتدا میں فطرتی طور سے ہوا ہوا کرتا ہے اور وہ محرم بھی نہیں ہے جو اپنی برقی قوت کی تاثیر سے ان کے دلوں میں اور خیالوں میں مذہبی روح اور حرکت پیدا کرتا ہے لیکن اس پر بھی آج مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ حفاظت قرآن اس کثرت سے ہیں کہ لاکھوں سے تجاوز ہو کر کروڑوں تک پہنچے ہیں اور مسلمانوں کی بہت کم ایسی آبادی ہوگی جہاں حفاظت نہ ہوں اور قرآن کے نسخوں سے تو ناپید ہی کوئی نصیب اور منحوس گھر مسلمان کا خالی ہو۔ قرآن کا تھوڑا بہت روزانہ پڑھنا اور تلاوت کرنا ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے اور ان کے مذہب میں یہ داخل ہے کہ وہ روزمرہ کی عبادت میں سے پڑھیں اور رمضان میں تو پورا قرآن تراویح میں سننا اور پڑھنا ان کے مذہب میں داخل ہے اسی لئے مسلمان اپنے بچوں کو قرآن یاد کراتے ہیں اور یہ بچے کم و بیش اسے تین چار سال میں یاد کر لیتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں میں اپنے مذہب کی محبت اور جوش اور ان کے دل، دماغ، خیال، رگ پٹھوں میں ان کے جدید مذہب کا جوا اثر ہو گا وہ ان کے بعد والوں میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر تمہارے دل میں اس ہمارے بیان کے باور کرنے میں تاریکی کا کوئی پردہ مانع ہو تو اس کے روشن کرنے کے لئے ہر جدید فرقہ کے اول لوگوں کی حالت کو دیکھو اور تا بہنوں میں اس کا مطالعہ کرو۔ اس کے سوا بھی پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں کی حالت بھی ہمارے اس بیان کے لئے مضبوط گواہ ہے۔ اب اس وقت کا مذہبی اثر جوش، ذوق، شوق اور دلولہ اور ابتدائے اسلام کے اثر کو تو نو اور اس کے بعد انصاف سے اپنے دل میں سوچو کہ قرآن کے حفاظ کی جو تعداد اس وقت کے مسلمانوں میں ہے اس وقت مسلمانوں میں ان کی تعداد کی رُو سے یہ حفاظ زیادہ ہوں گے یا کم۔ اسی کے ساتھ یہ بھی خیال کرو کہ قرآن تیس سال میں پورا ہوا۔ اس وقت کے یاد کرنے والوں کو تیس سال کی مدت تھی اور ان کا حافظ بھی اور ملکوں کے لوگوں سے فطرتاً قوی تھا۔ جس کی وجہ سے اتنی طویل مدت میں انھیں اس کا یاد کرنا اور لکھنا نہایت آسان تھا۔ بلا قصد بھی اس قدر مدت میں اس سر زمین کے لوگوں کو اس کا یاد ہونا ممکن تھا۔ چنانچہ ولیم میورسیرت محمدی میں لکھتے ہیں۔ قوت حافظہ ان کی انتہائی درجہ پر تھی اور اس کو وہ لوگ قرآن کی نسبت کمال سرگرمی سے کام میں لاتے تھے۔ ان کا حافظ ایسا مضبوط تھا اور ان کی محنت ایسی قوی تھی کہ جب روایات قدیم اکثر اصحاب پیغمبر کی حیات میں بڑی صحت کے ساتھ تمام وحی کو حفظ پڑھ سکتے تھے (الفرقات صفحہ ۳۹)

ان واقعات سے اگرچہ یہ بات یقیناً ثابت ہے کہ کتابوں کی حفاظت کے جو ذرائع اور اسباب ہیں یعنی سینہ اور سفینہ، ان دونوں طریقوں سے پہلوں نے بھی قرآن کی حفاظت کی جب کہ اس وقت بھی ان دونوں طریقوں سے حفاظت ہے۔ لیکن بعض روایتوں سے چونکہ ان لوگوں کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن پورا مرتب رسول خدا کے مقدس زمانہ میں لکھا ہوا نہ تھا اور صحابہ میں دو چار کے سوا کوئی پورے قرآن کا حافظ نہ تھا۔ اس لئے میں پہلے یہاں ثابت کروں گا کہ (۱) آپ کے عہد میں پورا قرآن لکھا گیا اور متعدد نسخے لکھے ہوئے تھے۔ (۲) جو ترتیب قرآن کی اس وقت ہے یہ وہی ہے جو رسول خدا نے قائم فرمائی۔ (۳) صحابہ کرام میں حفاظ قرآن بہت تھے۔ (۴) اس کے بعد وہ روایات لکھوں گا جن میں قرآن کے جمع کا ذکر ہے۔ (۵) اور جن روایات میں لوگوں کو مشنبہ ہوا ہے ان روایات کی درایت اور روایت اور عادت اور واقعات کی رُو سے بھی ایسی تنقیح اور تحقیق کی جائے گی جس سے ان مشنبات کا ازالہ ہو جائے اور اصل امر روشنی میں آجائے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن مقدس مسلمانوں کا دستور العمل ہے جس کی

طرف ایک فقیر اور ادنیٰ مسلمان کو بھی اسی قدر احتیاج ہے جس قدر کہ امیر اور اعلیٰ کو ہے۔ تمام مسلمان اپنی عبادتوں اور معاملوں اور باہمی میل جول اور اخلاق و سلوک میں یکساں محتاج ہیں اور مسلمان اپنے مذہب کے قائم رکھنے اور مذہبی زندگی کے بسر کرنے میں قرآن ہی کے محتاج ہیں اور قرآن ہی اُن کے مذہب کی رُوح ہے اور یہی اسلام کی صداقت کی اعلیٰ اور کامل دلیل ہے اسی لئے رسول خدا نے صرف قرآن ہی سے اشاعتِ اسلام فرمائی۔ یہ وہ بات ہے جس کا ہر مسلمان کو اقرار ہے اور اُن کا مذہب اور مسلمانوں کا طرزِ عمل اس پر گواہ ہے۔ اب اس احتیاج اور ضرورت کی وجہ سے مسلمانوں پر یہ لازمی تھا کہ وہ قرآن کی پوری حفاظت کریں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی کتاب کی حفاظت کا ذریعہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ نہایت اہتمام سے اور کمالِ صحت سے لکھا کر محفوظ رکھی جائے۔ یہ ذریعہ ایسا نہیں جس کو ہر ایک نہ سمجھتا ہو اب جب یہ معلوم ہو گیا کہ قرآن کی حفاظت کی مسلمانوں کو بے انتہا حاجت تھی اور کامل و ثوق حفاظت میں لکھوانے اور یاد کرنے کے سوا نہیں تھا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ متعدد نقلیں متعدد مقامات پر رہیں جن میں تغیر و تبدل اور ضائع ہونے کا دم بھی نہ رہے۔ کیا ان واقعات سے یہ فیصلہ سہل اور یقینی نہیں کہ حضور اقدس اور صحابہ نے حفاظتِ قرآن کے لئے اس کو نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ لکھوایا ہو۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ کتب سابقہ کی تحریف و تغیر کا نمونہ بھی اُن کے سامنے موجود تھا۔ اس لئے بھی قرآن کے لکھوانے کی اُن کو اور زیادہ ضرورت محسوس ہوئی۔ اور کوئی امر بھی ایسا نہ تھا جس کی وجہ سے لکھوایا نہ جاتا یا لکھوانا دشوار ہوتا۔ کیونکہ آپ کے عہد میں بہت لوگ صحابہ میں ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں سے اکتالیس کے نام جو تاریخ سے ہمیں معلوم ہوئے ہیں، ہم یہاں لکھتے ہیں:

(۱) حنظلہ بن ربیع (۲) عمرو بن رافع (۳) رافع بن مالک (۴) سعد بن عبادہ (۵)

اسید بن حضیر (۶) منذر بن عمرو (۷) اوس بن خولی (۸) عبداللہ بن زید (۹) شہر بن سعد (۱۰)

عبداللہ بن رواحہ (۱۱) سعد بن الربیع (۱۲) ابو عبس بن جبر (۱۳) عبدالرحمن (۱۴) ابولونس مولیٰ

عائشہؓ (۱۵) عبدالرحمن بن حریز (۱۶) عبداللہ بن سعید بن العاص (۱۷) نافع بن طریب

بن عمرو بن نوفل (۱۸) ناجیۃ الطفاوی (۱۹) ابی بن کعب (۲۰) زید بن ثابت (۲۱) عبداللہ بن سعد

بن ابی سرح (۲۲) ابوبکر (۲۳) عمر (۲۴) عثمان (۲۵) علیؓ (۲۶) زبیر بن العوام (۲۷) خالد بن

سعید بن العاص (۲۸) ابان (۲۹) سعد بن العاص (۳۰) حنظلہ الاسدی (۳۱) علاء بن الحضرمی

(۳۲) خالد بن ولید (۳۳) محمد بن سلمہ (۳۴) عبداللہ بن عبداللہ بن ابی سلول (۳۵) مغیرہ بن شعبہ

(۳۶) عمرو بن العاص (۳۷) معاویہ بن ابی سفیان (۳۸) جہیم بن الصلت (۳۹) معیقب بن فاطمہ



(۴۰) عبداللہ بن ارقم زہری (۲۱) شرجیل بن حسنہ۔

ان میں انصار اور ہاجرین دونوں ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جو اسلام کے پہلے سے لکھنا پڑھا جانتے تھے۔ مورخین اس میں مختلف ہیں کہ عرب میں کتابت اور خطاطی کافن کس سے شروع ہوا۔ بعض کی رائے میں حضرت ایوب علیہ السلام کے وقت میں عرب میں یہ فن تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عہد سے شروع ہوا۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ اسلام کے کچھ قبل سے عرب میں اس کا رواج ہو گیا تھا اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں اس کو بہت ترقی دی۔ بدر کی جنگ میں جو ستر آدمی کفار مکہ سے مسلمانوں نے گرفتار کئے تھے ان میں جس کے پاس اس قدر مال نہ تھا کہ اپنی رہائی کے لئے فدیہ ادا کرتا اُس کی رہائی کا یہ فدیہ مقرر کیا گیا کہ اُن میں سے ہر ایک اہل مدینہ کے لڑکوں میں سے دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھائیں۔۔۔ چنانچہ زید بن ثابت نے بھی اسی طور سے لکھنا سکھا۔

اَسْرَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ سَبْعِيْنَ اَسِيْرًا وَكَانَ يُفَادِي بِهٖمْ عَلَى قَدْرِ اَمْوَالِهِمْ وَكَانَ اَهْلُ مَكَّةَ يَكْتُبُوْنَ وَاَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَا يَكْتُبُوْنَ فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فِدَاءٌ دَفَعَ اِلَيْهِ عَشْرَةُ غُلَمَانٍ مِنْ غُلَمَانِ الْمَدِيْنَةِ فَعَلَّمَهُمْ فَاِذَا قَرَأُوا فَهَوَوْ فِدَاؤُهُ فَكَانَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مِمَّنْ عَلَّمَهُ حَتّٰى اِنْ كَانَ الرَّجُلُ يُحْسِنُ الْخَطَّ فَقَوْدِيٌّ عَلٰى اَنْ يُعَلِّمَ ترجمہ :- غزوہ بدر میں ستر آدمی کفار کے گرفتار ہوئے جن سے بقدر حیثیت خرچہ جنگ لے کر رہا کیا گیا۔ مکہ والے چونکہ لکھنا جانتے تھے اور اہل مدینہ اس سے ناواقف تھے اس لئے ان گرفتاروں میں سے جس کے پاس مال نہ تھا اس کی رہائی کے لئے یہ مقرر کیا گیا کہ وہ مدینہ کے دس لڑکوں کو تعلیم دے۔ پس ایسے لوگوں نے تعلیم دینا شروع کیا اور جب لڑکے خوب واقف ہو گئے تب وہ چھوڑ دیئے گئے۔۔۔ چنانچہ انھیں لڑکوں میں زید بھی تھے۔ الغرض قیدیوں میں اگر خوش نویس تھا اُن سے مشق خط کرائی گئی۔ (طبقات ابن سعد، ج ۲ ص ۱۷۱)

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مکہ والے لکھنا جانتے تھے اور اُن میں اس کا رواج تھا۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس طرف خاص توجہ تھی کہ مسلمان اس میں ماہر ہوں۔ چنانچہ آپ نے مدینہ میں عبداللہ بن سعید بن العاص کو جو خوش نویس تھے اس کام پر مقرر کیا کہ وہ لڑکوں کو لکھنے کی تعلیم دیا کریں۔ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد مبارک میں لکھنے والے تھے۔ البتہ یہ امر بحث طلب ہے کہ اُس وقت لکھنے کے لئے بھی وہاں کوئی شے تھی یا نہیں کیونکہ کاغذ کا اُس وقت ہاں رواج نہ تھا بلکہ اس کا رواج فضل بن یحییٰ برکی نے عرب میں دیا۔ جیسا کہ مقدمہ ابن خلدون کے

۳۵۲ میں ہے۔ فَاسْأَرَ الْفَضْلَ بْنَ عُمَرَ بِصَنَاعَةِ الْكَافِرِ وَصَنَعَهُ اور بعض کی رائے ہے کہ حجاج بن یوسف نے اُسے رواج دیا۔

## فہرست ابن ندیم میں ہے

فَإِمَّا الْوَرَقَ الْخُرَاسَانِيَّ فَيَعْمَلُ مِنَ الْكَتَّانِ يُقَالُ إِنَّهُ حَدَّثَ فِي أَيَّامِ بَنِي أُمَيَّةٍ وَقِيلَ فِي الدَّوْلَةِ الْعَبَّاسِيَّةِ وَقِيلَ إِنَّهُ قَدِيمُ الْعَمَلِ وَقِيلَ إِنَّهُ حَدِيثٌ وَقِيلَ إِنَّ صُنَاعًا مِنَ الصِّينِ عَمَلُوهُ بِخُرَاسَانَ عَلَى الْمِثَالِ الْوَرَقَ الصِّينِيَّ۔

ترجمہ :- خراسانی کاغذ کتاں یعنی روئی سے بنایا جاتا تھا جو بنو امیہ یا عباسیہ کے عہد میں بنایا گیا بعض کہتے ہیں قدیم سے جلا آتا ہے بعض کے نزدیک اس کا رواج قدیم سے نہ تھا یا ایک مہینی شخص نے اول خراسان میں مہینی کاغذ کی طرح بنایا تھا۔

لیکن فضل یا حجاج کے قبل اگر کاغذ کا رواج نہیں تھا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ کوئی شے بجائے کاغذ کے ایسی جس پر لکھا جاسکے اُن میں نہ تھی۔ یہ خیال ایسا غلط ہے کہ اس کی غلطی کے لئے کسی خارجی گواہی کی ضرورت نہیں۔ جو شخص عرب کی حالت سے واقف ہے وہ اپنے خیال و ذہن میں خطرے کے طور سے بھی اس کو جگہ نہیں دے سکتا کہ عرب میں لکھنے کی کوئی شے نہیں تھی۔ کیا عرب کے لوگ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ باہم معاہدے، خطوط، کتابیں نہیں لکھتے تھے۔۔۔

رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر خطوط لکھ کر روانہ فرمائے۔ صاحب منقح الافکار نے آپ کے خطوط سے چھتیس خطوط نقل کئے ہیں۔ حدیبیہ میں صلح نامہ لکھا گیا۔ اہل مکہ نے ایک معاہدہ لکھ کر بیت اللہ میں لٹکایا۔ سبعمہ معلقہ لکھ کر خانہ کعبہ پر لٹکا یا گیا۔ توریت انجیل لکھی ہوئی اُن میں موجود تھی۔ اب اگر کوئی شے بجائے کاغذ ان میں نہ تھی تو یہ لکھنا پڑھنا کس طرح تھا۔ اصل یہ ہے کہ اُس وقت میں کاغذ کی جگہ دو چیزیں مستعمل تھیں۔ عام طور سے تو جلد استعمال کرتے تھے جو کاغذ کی طرح بنائے جاتے تھے اور اس کو ورق کہتے تھے۔ چنانچہ قرآن میں بھی یہ لفظ ہے۔ اس کے بعد مخصوص مقامات میں حریر پر لکھتے تھے جسے مہرق کہتے ہیں۔

لسان العرب میں ہے۔ الْمُهْرَقُ الصَّغِيرَةُ الْبَيْضَاءُ يُكْتَبُ فِيهَا وَقِيلَ ثَوْبٌ حَرِيرٌ أَبْيَضٌ يُسَكَّى الصَّمْعُ وَيُضَقَّلُ ثُمَّ يُكْتَبُ فِيهِ الرَّقِيُّ بِالْفَرَسِ مَا يُكْتَبُ فِيهِ وَهُوَ جِلْدٌ رَقِيقٌ وَمِنْهُ قَوْلُهُ تَعَالَى لِي رَقِيٍّ مَشْهُورٍ۔ مقدمہ ابن خلدون میں ہے۔ وَكَانَتْ الْبَحْثَاتُ أَوَّلًا لِانْتِسَاجِ الْعُلُومِ وَكُتِبَ الرِّسَالُ السُّلْطَانِيَّةُ وَالْإِقْطَاعَاتُ وَالصُّكُوفُ

فی الرقوی المہیئة بالصناعة من الجلد لکثرة الرقة وقلة التالیف صدر الملة  
فاقتصروا علی الکتاب فی الرق تشریفاً للمکتوبات ومیلابہما الی الصعة والالتقان  
انتهی مخلصاً ۳۵۲ یعنی پہلے زمانہ میں خطوط، فیصلے، فرمان اور علوم وغیرہ باریک جلد پر لکھتے تھے۔  
اور یہ جلد خاص اسی کام کے لئے تیار رہتی تھیں۔ کیونکہ اُس وقت تصنیف وغیرہ زیادہ نہ تھی اس لئے  
اُن میں اس کا زیادہ اہتمام اور اس کی وقت تھی جس کی وجہ سے وہ اس کی صحت اور استحفاظ کا  
بہت خیال رکھتے تھے۔

**صناعة الطب میں فاضل نوفل مسیحی لکھتے ہیں۔** وَقَالَ الزَّوْزَنِيُّ أَنَّهُمْ كَانُوا يَأْخُذُونَ  
الْخِرْقَةَ وَيَرْطُلُونَهَا بِشَيْءٍ ثُمَّ يَصْقِلُونَهَا وَيَكْتُبُونَ عَلَيْهَا وَيُسَمُّونَهَا الْمَهْرَقَ یعنی روزنی  
نے کہا ہے کہ اہل عرب پہلے ایسے کپڑے کے ٹکڑے پر لکھا کرتے تھے جسے وہ روغن دے کر صاف کرتے  
تھے اور اس کو مہرق کہتے تھے۔ پھر فاضل موصوف اسی مقام پر لکھتے ہیں۔ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمْ أَدَوَاتُ  
تَصْلُحُ لِلْكِتَابَةِ یعنی عربوں میں ایسی شے نہ تھی جن پر لکھا جاتا۔ اور اپنے اس دعوے کی شہادت  
میں زید بن ثابت کے جمع قرآن کو پیش کیا ہے کہ زید نے خلیفہ اول کے عہد میں قرآن کو پتھر کے  
ٹکڑوں اور گھوڑ کے پتوں سے نقل کیا۔ خیر زید کے اس واقعہ کی تفصیل تو اپنے مقام پر کی جا چکی  
لیکن فاضل موصوف سے ہمیں تعجب ہے کہ یہاں ان روشن اور صحیح واقعات کو چھوڑ کر ایک  
ایسے واقعہ سے کیوں استدلال کیا جو خلاف تحقیق ہے اور مسلمان بھی اُسے غلط سمجھتے ہیں۔ کیا  
فاضل موصوف کو معلوم نہیں کہ پیغمبر اسلام کے عہد میں لکھنے کا بہت کچھ رواج ہو گیا تھا اور  
اس صنعت کو اس حقیقی مصلح نے بہت ترقی دی تھی اور باہم مراسلات اور معاہدات وغیرہ  
کا کتابت کے ذریعہ سے رواج تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادوات کتابت اُس وقت بھی  
معدوم نہ تھے۔ بلکہ اُس وقت کی ضرورت کے موافق اُس کا سامان اُن میں تھا۔ فاضل موصوف  
پھر لکھتے ہیں۔ وَلَمْ تَعْرِفِ الْعَرَبُ قَرَّاطِيسَ الْكِتَابَةِ إِلَّا مُنْذُ اسْتَعْلَمَهُ الْحَجَّاجُ فَهُوَ  
أَوَّلُ مَنْ كَتَبَ فِيْهَا یعنی عرب میں حجاج نے اول قرطاس کا استعمال کیا۔ اس کے پہلے  
عرب قرطاس کو جانتے بھی نہ تھے۔ فاضل موصوف کے اس بیان سے ہمارے تعجب کی کوئی  
انتہا نہیں رہتی اور ہمیں حیرت ہے کہ ایسے محقق فاضل کے قلم نے کیونکر اس کے لکھنے کی  
جرات کی۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس قرطاس کے معنی فاضل عیسوی کیا لیتے ہیں جس کی ابتدا حجاج  
کے وقت سے ہوئی۔ اہل عرب کے نزدیک تو جس پر لکھا جائے اور وہ اس قابل ہو اُسے  
قرطاس کہتے ہیں خواہ وہ کپڑا ہو یا چمڑہ یا کاغذ۔ غرض یہ ہے کہ وہ شے جس پر لکھا جاسکے۔  
اقرب الموارد میں ہے۔ الْقَرَطَّاسُ الصِّحْفَةُ الَّتِي يُكْتَبُ فِيْهَا۔

لسان المیزان میں ہے۔ اَلْقُرْطَاسُ الصَّحِيفَةُ الثَّابِتَةُ الَّتِي يُكْتَبُ فِيهَا۔ اس کے سوا قرطاس کا لفظ جبکہ خود قرآن میں ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت قرطاس کا استعمال تھا۔ قرآن میں ہے۔ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَيْنِكَ كِتَابًا بَاقِيًا فَرِطَاسٍ۔ دوسری جگہ ہے۔ یجعلونہ قرطیس۔ اگرچہ قرطاس کا ابتدائے اسلام میں نہ ہونا ہمارے اس بیان کی کہ ادوات کتابت اُس عہد میں تھے کچھ مخالف نہیں۔ کیونکہ واقعات سے یہ امر معلوم ہو گیا کہ اُس وقت میں ادوات کتابت تھے اور ان کا استعمال کیا جاتا تھا۔ مگر چونکہ اس سے فاضل موصوف کی اندرونی جذبات پر جن کو وہ تاریخی لباس میں ظاہر کرتا ہے کافی روشنی پڑتی ہے اور آئندہ اس سے مدد ملے گی۔ اس لئے اس کا بیان نامناسب نہیں ہے۔ اب ہمارے اس بیان سے یہ نین باتیں بخوبی واضح ہو گئیں۔

(۱) رسالت مآب کے مبارک عہد میں بہت مسلمان لکھنا جانتے تھے۔

(۲) ایسی چیزیں بھی اس وقت ملتی تھیں جن پر وہ لکھتے تھے۔

(۳) قرآن پاک کے لکھنے کی مسلمانوں کو بے انتہا ضرورت تھی اور اُس کی کمال استحفاظ کی یہی صورت تھی کہ وہ لکھوایا جائے۔

ان تینوں واقعات سے ہر انصاف پسند اور ذی شعور کو یہ فیصلہ نہایت ہی آسان ہو جاتا ہے کہ اُس وقت کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے تھا اور اُن کو اپنے اس فرض منصبی اور عہدہ مذہبی کی سبکدوشی سے کونسا امر مانع تھا جو اُن کو اُس کے ادا کرنے سے روکتا اور کیا اس عہد کے مسلمانوں نے اپنے فرائض منصبی کے مقابلہ میں جان، مال، عزت، راحت، عزیز و قریب کی قربانیاں نہیں کیں اور کیا سخت سے سخت اور خطرناک اور مہلک مقامات کا بھی اُنھوں نے نہایت ہمت و استقلال اور صبر و وقار سے مقابلہ نہیں کیا۔ ان واقعات پر اگر اُن ترغیبات کا اضافہ کیا جائے جو سرور کائنات نے مسلمانوں کو قرآن کے پڑھنے اور پڑھانے کے بارے میں کی ہیں اور جن میں سے ہر ایک ترغیب بجائے خود ہر ایک مسلمان کو اس پر مستعد کر دیتی ہے کہ وہ تمام قرآن پڑھے اور پڑھائے اور لکھے اب ان ترغیبات کے اضافہ کے بعد اور اُس ذوق اور جوش اور شوق کو دیکھتے ہوئے جو مسلمانوں میں اُس مقدس بانی نے بھر دیا تھا یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اُس وقت مسلمانوں نے تمام قرآن نہ یاد کیا ہو اور نہ کسی نے پورا قرآن لکھا ہو۔ اب میں ان ترغیبات کو لکھتا ہوں۔

## آنحضرت کی ترغیبات قرآن کے بارے میں

(۱) اِنَّ اَفْضَلَ لَكُمْ مَن تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔ (بخاری عن عثمان رضی اللہ عنہ)

بخاری میں عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مسلمانوں میں اُس کو تمام پر فضیلت ہے جو

قرآن پڑھے اور پڑھائے۔

(۲) مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْأَنْتَرَجَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا۔ وَالَّذِي لَا يَقْرَأُ

الْقُرْآنَ كَالْثَمَرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحُ لَهَا۔ (بخاری عن ابی موسیٰ)

بخاری میں ابو موسیٰ سے روایت ہے۔ قرآن پڑھنے والا اُس پھل کی طرح ہے جس کا مزہ بھی

اچھا ہے اور خوشبو بھی۔ اور جو قرآن نہیں پڑھتا وہ کھجور کے مثل ہے مزہ عمدہ ہے مگر خوشبو نہیں۔

(۳) يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اقْرَأْ وَاسْرُتْ وَاسْرُتْ لِمَا كُنْتَ تَسْرَتُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ

مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُهَا۔ (احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

مشکوٰۃ میں عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے۔ قیامت میں قرآن کے پڑھنے والے کو حکم دیا

جائے گا کہ پڑھ اور بلند درجوں کی طرف چڑھ لیکن قرآن کو ترتیل سے اُسی طرح پڑھتا ہوا جیسے

دنیا میں پڑھتا تھا اور جہاں تیری قرأت پوری ہو وہی تیرا مکان ہے۔

(۴) يَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْئَلَتِي أَنْعَمْتُ أَنْفُلَ

مَا أَعْطَى السَّائِلِينَ وَفَضَّلُ كَلَامِ اللَّهِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ نَفَضِلُ اللَّهُ عَلَى خَلْقِهِ۔

(ترمذی، دارمی، بیہقی)

(مشکوٰۃ میں ابوسعید سے روایت ہے) خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو قرآن میں اس قدر مشغول ہو جائے

کہ مجھ سے دعا تک نہ کر سکے اور نہ میری یاد تو میں اُسے مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ خدا کے کلام کو...

دوسرے کلاموں پر اُسی قدر فضیلت ہے جو خدا کو دوسروں پر۔

(۵) لَوْ جُعِلَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ ثَمَّةُ الْيَقَى فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ۔ (دارمی)

(مشکوٰۃ میں عقبہ سے روایت ہے کہ) قرآن اگر کسی جلد میں رکھا جائے اور وہ آگ میں ڈالی جائے

تو جلے گی نہیں یعنی قرآن جس کو یاد ہو اس پر قیامت میں آگ اثر نہ کرے گی۔

(۶) تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَاِنَّهُ نَفْسٌ بَيِّدَةٌ هُوَ أَشَدُّ تَفْصِيًّا مِنَ الْإِبِلِ فِي عُقْلِهَا۔

(مسلم۔ بخاری)

(مشکوٰۃ میں ابو موسیٰ سے روایت ہے) قرآن کی مزاولت کرو کیونکہ قرآن سینوں سے جانے میں اُس

اونٹ سے تیز ہے جو اپنی بندش سے جھوٹ جائے۔

(۷) وَاسْتَذْكُرُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفْصِيًّا مِنْ صُدُورِ الرِّجَالِ مِنَ التَّعْبِ۔ (مسلم بخاری)

(مشکوٰۃ میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ) قرآن کو دور کرتے رہو وہ سینہ سے نکلنے میں اونٹ کی طرح ہے۔  
(۸) عَنْ عَائِشَةَ مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ حَافِظٌ لَهُ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ وَمَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ وَهُوَ يَتَعَاهَدُهُ وَهُوَ عَلَيْهِ شَدِيدٌ فَلَهُ أَجْرَانِ۔ (بخاری تفسیر)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں حافظ قرآن جو قرآن پڑھتا رہے وہ معزز فرشتوں کی مثل ہے اور جو قرآن پڑھے اور مداومت کرے اور اس کو اس میں دشواری ہو تو اس کو دو چند ثواب ملے گا۔

(۹) إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ مَثَلُ صَاحِبِ الْإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ إِنِ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ۔ (مسلم۔ بخاری)

قرآن والے کی حالت اونٹ کے مالک کی ہے کہ وہ اگر اونٹ کی نگرانی کرے تو رہے گا اور اگر چھوڑ دے گا تو چلا جائے گا۔

(۱۰) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَلَسْتُ فِي عَصَابَةٍ مِنْ ضُعَفَاءِ الْمُهَاجِرِينَ وَأَنَا بَعْضُهُمْ... لَيْسَتْ بِي بَعْضٌ مِنَ الْعَرَبِ وَقَارِئُ يَقْرَأُ عَلَيْنَا إِذْ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَيْنَا فَلَمَّا قَامَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكَتَ الْقَارِئُ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ قُلْنَا كُنَّا نَسْتَمِعُ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ أَمُرْتُ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِي مَعَهُمْ فَبَلَسَ وَسَطْنَا۔ (ابوداؤد)

ابو سعید کہتے ہیں ایک روز میں مہاجرین میں جو فقیر تھے، بیٹھا تھا۔ اور بعض جن کے بدن پر کپڑا تک نہ تھا، بعض کے آڑ میں بیٹھے تھے اور ایک قاری ہم پر قرآن پڑھ رہا تھا۔ اسی حالت میں رسول خدا تشریف لائے اور کھڑے ہو گئے۔ قاری آپ کو دیکھ کر چپ ہو گیا۔ آپ نے سلام کیا۔ اور فرمایا کیا کرتے تھے۔ عرض کیا کہ قرآن سنتے تھے۔ فرمایا الحمد للہ کہ اُس نے میری امت میں ایسے لوگ کئے جن میں مجھے بیٹھنے کا حکم کیا گیا اور ہمارے درمیان بیٹھ گئے۔

(۱۱) يَخْبِي صَاحِبُ الْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ يَا رَبِّ خَلِّهِ فَيُلْبَسُ تَاجَ الْكِرَامَةِ ثُمَّ يَقُولُ يَا رَبِّ زِدْهُ فَيُلْبَسُ خَلَّةَ الْكِرَامَةِ ثُمَّ يَقُولُ يَا رَبِّ ارْضَ عَنْهُ فَيَرْضَى عَنْهُ فَيُقَالُ اقْرَأْ وَارْقُأْ وَيَزَادُ بِكُلِّ آيَةٍ حَسَنَةً۔ (ترمذی)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ قیامت میں اہل قرآن جب لائے جائیں گے تو قرآن اُن کی سفارش کرے گا اور کہے گا کہ اے خدا اُن کو خلعت عطا فرما۔ اس پر دستارِ فضیلت اُن کے سروں پر باندھی جائیگی پھر قرآن سفارش کرے گا تو اُس پر خلعت ملے گا۔ پھر سفارش کرے گا کہ خدا تو اُن سے راضی اور خوش ہو۔ اس پر وہ اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اظہار کرے گا اور حکم دے گا کہ قرآن پڑھتا ہوا ترقی کرتا جا اور ہر ایک آیت کے عوض ثواب حاصل کر۔

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقْرَأُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُعَذِّبُ قَلْبًا وَعَى الْقُرْآنَ وَإِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَا دُبَّهَ اللَّهُ فَمَنْ دَخَلَ فِيهِ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَحَبَّ الْقُرْآنَ فَلْيَبْشِرْ۔ (دارمی)

ابن مسعود فرماتے ہیں آنحضرت نے فرمایا قرآن پڑھو کیونکہ خدا ایسے شخص کو عذاب نہ دے گا جسے قرآن یاد ہو۔ اور یہ قرآن خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی جگہ ہے جو اس میں داخل ہوا وہ بے خوف و خطر ہے اور جسے قرآن سے محبت ہے اُس کو بشارت ہے۔

صاحب شریعت اسلامیہ کے ان اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے بعد قرآن ہی کا مرتبہ ہے۔ اور خدا کی تمام مخلوق میں کوئی شے اُس کے مثل نہیں ہے۔ اس لئے اہل قرآن کو تمام مسلمانوں پر فضیلت ہے اور وہ سب سے افضل ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کی مجلس میں بیٹھنے کا حکم ہے۔ اور اس کا ظاہر و باطن نورانی ہو کر لوگوں کے لئے مشعل راہ بن جاتا ہے جس سے خلق مستفید ہوتی ہے۔ اُس کو اپنے مقاصد کے لئے دعا کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اُس کو وہ بلا طلب دیا جاتا ہے جو دوسروں کو مانگنے سے۔ اُس کی نورانیت اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ آگ دوزخ بھی اُس پر اثر نہیں کرتی۔ قرآن پاک اس کی ترقی درجات کا خود معیار ہوگا۔ اُس کی درجات کا علو اور کمال اُس کی قرأت کے قدر ہوگا یعنی اُس کو جنت کے درجن پر چڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ منتہی اُس کی ترقی کا وہاں جہاں اس کی قرأت ختم ہو۔ قرآن کی تلاوت سے اسے خلعت غنایت ہوگا۔ یہ ہیں قرآن پاک کے اُخروی نتائج اور برکات۔ کیا جو قوم اپنے مقدس اور پاک مذہب کی ایسی فریفتہ اور از خود رفتہ ہو کہ اُس کے مقابلہ میں دنیا کی ہر بڑی سے بڑی شے کمتر اور بے وقعت ہو اور اُن کا دلی جو شس جنوں کی حد تک پہنچا ہو اس وقت کے مسلمان اپنے اوپر قیاس نہ کریں بلکہ اُن کی اُس حالت پر غور کریں کہ انھوں نے اپنا مال جان اولاد آپ کے ارشاد پر قربان کیا تو کیا ایسی قوم کے لئے ان پاک الفاظ اور وعدوں نے ہر ایک کو قرآن کی یاد اور اُس کی تلاوت کے لئے بے اختیار نہ کیا ہوگا جو بہ نسبت جان و مال دینے کے بہت آسان تھا اور کیا اس کے بعد بھی یہ قابل شرم اور نفرت خیال قابل سماعت ہوگا کہ اُس وقت مسلمانوں میں کوئی پورے قرآن کا حافظ نہ تھا۔ اور تمام قرآن تلاوت کے لئے اُن میں لکھا ہوا نہ تھا۔ شرم، شرم! اس کے سوا بھی پیغمبر اسلام نے خود قرآن کی حفاظت اور اس کی تلاوت پر مداومت کی کس قدر تاکید کی۔ جیسا حدیث نمبر ۶، ۷، ۸ سے ثابت ہے۔

۵۴ دوسری حدیث

۵۵ گیارہویں حدیث

۵۳ دسویں حدیث

۵۴ تیسری حدیث

۵۲ پہلی حدیث

۵۳ پانچویں حدیث

۵۱ چوتھی حدیث

۵۲ چوتھی حدیث



قبل اسلام عرب میں اگرچہ کسی قسم کی تعلیم تعلیم کا عام رواج نہ تھا مگر پیغمبر اسلام نے ان میں تعلیم کو رواج دیا اور چونکہ قرآن کے سوا اس وقت مسلمانوں میں کوئی علم و فن نہ تھا اور اس طرف مسلمان ہونے کے لئے قرآن جاننا بھی ضروری تھا اس لئے مسلمانوں میں پہلے قرآن ہی کی تعلیم کا رواج ہوا۔ پیغمبر اسلام خود گواہی محض تھے اور لکھنا پڑھنا خود نہ جانتے تھے۔ جیسا کہ قرآن نے خود ایسی حالت میں قرآن کے مخالفین ہر طرح کی نکتہ چینی میں اور ان کی ہر بات پر گہری نظر ڈالتے تھے اور تمام اقوال افعال کو عیب چینی کے خیال سے تلاش کرتے تھے یہ دعویٰ کیا کہ یہ رسول اُمّی ہے۔ لیکن قرآن کے اس دعوے میں کوہ اُمّی ہیں کسی نے شک نہیں کیا اور نہ اس کو رد کیا بلکہ وہ دعویٰ جو عام طور سے اعلان کے ساتھ موافق و مخالف کے آگے کیا جائے اور ہر ایک شخص اُسے مان لے، یہ اس کی صداقت کے لئے مضبوط ضمانت ہے اور جن کو اس دعوے میں کلام اور رد کا حق تھا جب انہیں نے اسے تسلیم کیا تو اب ان کے بعد والوں کو انہیں کی اقتدا کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس کے سوا دوسرا راستہ نکالنا اور لوگوں کو اس کی طرف بلانا اپنی تاریکی یا دلی سوزش کا ثبوت پیش کرنا ہے گو کچھ ناواقف یا دل کے بیمار اس پر چلیں یا ایسی کوشش کریں مگر انصاف اور علم کے مقابلے میں بلا شک اس کو ہزیمت اور فاش شکست ہوگی۔ لیکن اس پر بھی پیغمبر اسلام نے اس قوم کی تعلیم کا خیال کیا اور اس کی اشاعت کی ابتدا اُسی کامل ہمدرد بنی نوع انسان کے ہاتھوں سے ہوئی جن کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ اول آپ نے خود قرآن کی تعلیم دینی شروع کی جیسا کہ قرآن مقدس میں ہے۔ **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ**۔ ابوالدرداء صحابی کا بیان ہے کہ میں نے قرآن رسول خدا سے یاد کیا۔

عن جابر بن عبد اللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا یُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ (بخاری)

ترجمہ :- بخاری میں جابر سے روایت ہے کہ رسول خدا نے ہمیں تمام باتوں میں استخارہ کے دعا کی تعلیم کی جس طرح قرآن کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ قرآن کی تعلیم کرتے تھے۔ عن عمر بن الخطاب قال سمعتُ هشام بن حکم بن حزام یقرء سورۃ الفرقان علی غیر ما قرء ہا وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرء فیہا وکذبت أن أنجل علیہ ثم أمم ملتہ حتی أنصرف ثم لبثتہ یردایہ فبحث بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت إني سمعتُ هذا یقرء علی غیر ما قرء تینہما۔ (بخاری)

ترجمہ :- بخاری میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ہشام کو سورۃ فرقان پڑھتے ہوئے سنا لیکن وہ جس

طور سے پڑھتے تھے وہ عمر کے طرز کے خلاف تھا۔ لیکن عمرؓ کو چونکہ رسول خدا نے اسی طرز سے پڑھایا تھا اور ہشام اس کے خلاف پڑھتے تھے اس لئے عمرؓ نے چاہا کہ ان کو اُسی وقت روک دیں مگر وہ اس قدر ٹھہرے کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے۔ اس کے بعد عمرؓ نے ان کی گردن میں چادر ڈال کر گرفتار کیا اور رسول خدا کے پاس لے جا کر کہا کہ یہ قرآن اس کے خلاف پڑھتے ہیں جیسا آپ نے مجھے پڑھایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول خدا قرآن صحابہ کو پڑھاتے تھے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ يَقُولُ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بَيَّنَّ كَفَيْهِ كَمَا يَعْلَمُنِي السُّورَةُ مِنَ الْقُرْآنِ النَّجِيَّاتُ لِلَّهِ الْوَاحِدِ (بخاری)

بخاری میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ مجھے رسول خدا نے النجیات کی تعلیم کی جس طرح آپ قرآن کی سورۃ کی مجھے تعلیم دیتے تھے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ كُنَّا إِذَا تَعَلَّمْنَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنَ الْقُرْآنِ كُنَّا نَتَعَلَّمُ الْعَشْرَ الَّتِي بَعْدَهَا حَتَّى نَعْمَلَ مَا فِيهِ (كنز العمال ج ۱ ص ۳۳)

ابن مسعود فرماتے ہیں۔ آنحضرتؐ سے قرآن کی دس آیات ہم پڑھتے اس کے بعد کی آیات اُس وقت تک نہ پڑھتے جب تک ان پر عمل نہ کر لیتے۔

قَالَ خَطَبْنَا عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ دَأْبُ اللَّهِ لَقَدْ أَخَذْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضْعًا وَسَبْعِينَ سُورَةً الْوَاحِدِ (بخاری)

ابن مسعود نے ایک روز صحابہ کے بھرے مجمع میں خطبہ دیا اور کہا میں نے رسول خدا سے ستر اور چند سورتیں یاد کیں۔

عثمان بن ابی العاص کہتے ہیں۔ میں وفد ثقیف میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے قرآن پڑھایا۔ (طبقات ج ۱ ص ۱۷۱)

حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں۔ آنحضرتؐ پر جب یہ آیت نازل ہوئی من یعمل سوءاً یجذبہ الخ۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے ابوبکر جو آیت نازل ہوئی ہے وہ کیا تجھے نہ پڑھاؤں۔ عرض کیا ہاں تب آپ نے اُسے پڑھایا۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۳۵)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ دُعا مجھے آنحضرتؐ نے اُسی التزام سے پڑھائی جس طرح قرآن پڑھاتے تھے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۷۱)

اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ صحابہ کو التزام سے قرآن پڑھاتے تھے۔ حضرت ابوالدرداءؓ، جابرؓ، عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابوبکرؓ، عثمانؓ، ابن عباسؓ کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مقدس کی خود تعلیم فرماتے تھے اور بعض کو تمام قرآن بھی

یاد کرایا جیسا... ابوالدرداء کا اقرار ہے کہ میں نے تمام قرآن آپ سے یاد کیا اور آپ نے محض اسی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ خود ہی تنہا تعلیم دیں بلکہ لوگوں کی جب کثرت ہوئی اور قرآن کے پڑھنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی اور اس طرف آپ کے اشتغال میں بھی زیادتی ہوئی تو ان صحابہ سے بھی جو قرآن آپ سے پڑھ چکے تھے بعض کو تعلیم قرآن پر مقرر فرمایا اور پڑھنے والوں کو حکم دیا کہ ان سے قرآن پڑھیں۔  
 سُتْقِرُ الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَسَالِمُ ابْنِ حَذِيفَةَ وَابْنُ بَنِي كَعْبٍ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ۔ (بخاری)

بخاری میں ہے آپ نے حکم دیا۔ ابن مسعود سالم مولیٰ ابو حذیفہ ابی بن کعب، معاذ سے قرآن پڑھو۔  
 عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْغُلُ فَإِذَا قَدِمَ الرَّجُلُ مَهْجَرًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَهُ إِلَى رَجُلٍ مِمَّنْ يَعْلَمُهُ الْقُرْآنَ فَدَفَعَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا كَانَ مَعِيَ فِي الْبَيْتِ أَعْشِيَةَ عَشَاءِ الْبَيْتِ وَكُنْتُ أَقْرَبِيهِ فَأَنْصَرَفَ إِلَى أَهْلِي فَرَأَيْتُ أَنَّ عَيْنِي خَفَا فَأَهْدَى إِلَى قَوْمٍ لَمْ أَرَأْ جُودَ مِنْهُمْ أَعُوذًا وَلَا أَحْسَنَ مِنْهَا عَطْفًا فَأَبَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا تُرَى يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ جَمْرَةٌ بَيْنَ كَتِفَيْكَ إِنَّ تَقْدِرُهَا۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۱۲۳)

کنز العمال میں عبادہ سے ہے جب کوئی شخص مدینہ میں ہجرت کرتا اور رسول خدا کسی کام میں مصروف ہوتے تو ایسے وقت میں اس مہاجر کو کسی صحابی کے متعلق کر دیتے تاکہ وہ اُسے قرآن پڑھائے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک مہاجر کو رسول خدا نے میرے متعلق کیا کہ میں اسے قرآن پڑھا دوں۔ یہ شخص جس کو میں قرآن پڑھاتا تھا میرے ساتھ ہی میرے مکان میں رہتا تھا اور میں شام کا کھانا بھی اُسے اپنے ساتھ کھلاتا تھا۔ اُس نے اپنے گھر جانے کے بعد خیال کیا کہ میرا اُس پر حق ہے اس لئے مجھے اُس نے ایک ایسی کمان بدیدہ دی جو نہایت عمدہ اور نرم تھی میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ اس کمان کے متعلق کیا حکم ہے۔ فرمایا جہنم کی آگ ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آپ کے سوا دوسرے وہ صحابہ بھی تعلیم دیتے تھے جن کو آپ نے اس لئے مقرر فرمایا تھا اور یہ امر بھی ثابت ہے کہ جو شخص اسلام میں داخل ہوتا آپ اُسے ضرور قرآن کی تعلیم خود دیتے یا دوسرے سے دلاتے جیسا عبادہ کہتے ہیں۔ فَإِذَا قَدِمَ الرَّجُلُ مَهْجَرًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَهُ إِلَى رَجُلٍ مِمَّنْ يَعْلَمُهُ الْقُرْآنَ۔ یعنی جب کوئی مدینہ میں ہجرت کر کے آتا یعنی اسلام قبول کرتا تو پیغمبر خدا ضرور اسے کسی ایسے صحابی کے متعلق کرتے جو اُسے قرآن پڑھاتا۔ دیکھو رمضان سنہ ۱۱ھ میں قبیلہ عامر کے دس آدمی اسلام میں داخل ہوئے اور اتنے روز مدینہ میں

۱۱ھ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا حرام ہے اور نیز ایسے طلبہ سے مدد بھی لینا درست نہیں۔

رہے کہ ابی بن کعب سے قرآن پڑھ لیا۔ ابن خلدون میں ہے۔ قدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 وَفَدَّ عَامَرٌ سَلَمًا مِنْ سَامِضَاتٍ عَشْرَةَ نَفَرًا فَاسْلَمُوا وَتَعَلَّمُوا شَرَاءً لِعِيسَى بْنِ مَرْيَمَ  
 الْقُرْآنَ۔ اور اسی سن میں قبیلہ عامر کے دس آدمی بھی آئے۔ رسول خدا نے ابی سے فرمایا کہ انہیں قرآن  
 پڑھاؤ۔ اسی سال بنی حنیفہ کا قبیلہ مدینہ میں آکر مسلمان ہوا اور اتنے روزوں قیام کیا کہ ابی سے قرآن  
 پڑھ لیا۔ (ابن خلدون میں ہے) قَدِمَ وَفَدُّ بَنِي حَنِيفَةَ فِي سَنَةِ عَشْرٍ فَاسْلَمُوا وَاقَامُوا أَيَّامًا  
 يَتَعَلَّمُونَ الْقُرْآنَ مِنْ أَبِي دَرَجَالٍ يَتَعَلَّمُونَ (ج ۲ ص ۵۵)۔ یعنی ابی سے لوگ قرآن پڑھتے تھے  
 انہیں میں بنی حنیفہ بھی پڑھنے لگے۔ تقسیم کے ستر یا اسی آدمی مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے اور اتنے دن  
 قیام کیا کہ قرآن پڑھ لیا۔ سید دحلان مفتی مکہ مکرمہ اپنی تاریخ کے ج ۲ ص ۱۶۹ میں بغوی سے ناقل ہیں کہ  
 طفیل بن عمرو الدوسی کو ابی نے عہد مبارک میں قرآن پڑھایا۔ عمرو بن معدیکرب یمن سے مدینہ منورہ  
 میں آکر مشرف بہ اسلام ہوا اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا مہمان ہوا اور قرآن پڑھا۔ پھر آنحضرت نے  
 اس کو یمن کا حاکم مقرر کیا۔ ۵۵۔ منجج کے پندرہ آدمی مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے اور ایک گھوڑا رسول خدا  
 کو پیش کیا اور قرآن پڑھا اس کے بعد اپنے گھروں کو واپس گئے۔ ہمارے اس بیان سے معلوم ہوا کہ  
 پیغمبر اسلام نے صحابہ میں چند ذی علم صحابہ کو قرآن کی تعلیم کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر صحابہ  
 بھی ضرورت کے وقت تعلیم دیتے تھے جیسا ابھی معلوم ہوا کہ ابن مسعودؓ، ابی، معاذؓ، سالمؓ تو خصوصیت  
 سے مقرر تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور سے فرمادیا تھا کہ مسلمان ان سے قرآن پڑھیں۔۔۔  
 چنانچہ نے ابی نے اکثر کو پڑھایا۔ یہ نہ خیال کرو کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم کی طرف یہ توجہ اور بے انتہا  
 کوشش مدینہ ہی سے شروع ہوئی تھی بلکہ جس وقت سے آپ نے اپنا دعویٰ پیش کیا اور حج الہی  
 سے آپ مشرف ہوئے اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے اس کی تعلیم دینا شروع کی۔ دیکھو عمر رضی اللہ عنہ  
 کو اپنی حالت کفر میں جب یہ معلوم ہوا کہ میری ہمیشہ فاطمہ اور سعید حمیرا بھائی جس کی فاطمہ سے مشادی  
 ہوئی تھی مسلمان ہو گئے اور وہ ان کی تنبیہ کے لئے فاطمہ کے گھر آئے تو دیکھا کہ اس وقت خباب بن الارت  
 ان دونوں کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے اب جب مسلمان مکہ کے قیام میں قرآن لکھتے اور چھپ کر  
 قرآن پڑھتے اور یاد کرتے۔ حالانکہ یہ وقت مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک اور خوف اور بے اطمینانی  
 کا تھا تو کیا مدینہ کی قیام میں جو ان کے لئے نہایت آزادی اور اطمینان کا وقت تھا اس سے غافل ہو گئے  
 ہوں گے اور نیز حضرت عمرؓ کے اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اول ہی سے قرآن لکھنا  
 شروع کر دیا تھا۔ آنحضرت کی یہ تعلیم قرآن محض انہیں مسلمانوں سے مخصوص نہ تھی جو مدینہ میں آئیں

یاد رہا کہ یہاں مقیم تھے بلکہ جو شہر گانوں یا قبیلہ مسلمان ہوتا یا مسلمان اُسے فتح کرتے وہاں اول پیغمبر اسلام کسی ایسے شخص کو مقرر کر کے بھیجتے جو انہیں قرآن پڑھائے۔ انصار مدینہ نبوت کے بارہویں سال کے میں اگر جب مسلمان ہوئے اور اپنے گھروں کو واپس ہونے لگے تو آنحضرتؐ نے ابن ام مکتوم اور مصعب بن عمیر کو ان کے ہمراہ کر دیا تاکہ وہ قرآن کی تعلیم دیں۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے مدینہ میں تشریف آوری کے وقت تک میں نے سترہ سورتیں پڑھ لیں تھیں۔ بعد آنے آنحضرتؐ کے میں نے یہ تمام پڑھی ہوئی سورتیں آنحضرتؐ کو سنائیں جس سے آپ نہایت خوش ہوئے۔ میں اس وقت گیارہ سال کا تھا۔

سہ ماہ میں جب کہ معظمہ فتح ہوا تو وہاں معاذ کو آنحضرتؐ نے اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ اہل مکہ کو قرآن پڑھائیں پھر سہ ماہ میں حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد یمن اور حضرموت کی طرف معاذ کو روانہ فرمایا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن پڑھائیں۔ ابو تمیم عیشانی کہتے ہیں۔ میں نے معاذ سے یمن میں قرآن پڑھا۔ قارہ، عضل یہ دو قبیلے جب اسلام لائے تو ان کو قرآن پڑھانے کے واسطے ان چھ صحابی کو روانہ فرمایا۔ مرتد، عاصم، غیب، خالد بن بکر، زید بن دثنہ، عبداللہ بن طارق۔ سہ ماہ میں خالد بن ولید کو قبیلہ بنی الحارث کی طرف جو نجران کا ان پڑھ گردہ تھا اس لئے بھیجا کہ انہیں قرآن کی تعلیم دیں۔ خالد کے ہمراہ اس قبیلہ کا وفد مدینہ آکر جب واپس ہوا تو عمر بن حزم کو جن کی عمر سترہ سال کی تھی ان کے ہمراہ تعلیم قرآن کے لئے کر دیا گیا۔ وفد بنی سعد میں جو قضاء کی شاخ ہے ایک لڑکا قرآن کا بڑا عالم تھا۔ عثمان بن ابی العاص وفد ثقیف میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے انہیں قرآن پڑھایا اور پھر ابی بن کعب کی خدمت میں رہا اور قرآن پڑھا۔ (طبقات ج ۱، ص ۲۱۱) وفد بہراء مدینہ میں قرآن پڑھ کر واپس گیا۔ کتب تاریخ سے ان ۲۵ قبیلوں کے جو مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے یعنی دوس، ازد، فرقہ جذامی، ہمدان، طارق بن عبداللہ، نجیب بنی سعد، بزم، بنو اسد، وفد بہراء، وفد بنی عیش، بنی حنیفہ، عبدالقیس، علی، اشقرین، صداء، عذرا، ثقیف، بنی خزاعہ، غامد، محارب، خولان، غسان، بنی الحارث، سلمان، نخع۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت اور نیز مصلحت بھی یہ تھی کہ ہر وفد کی واپسی پر ایک ایسا شخص ان کے ہمراہ کر دیا جاتا تھا جو انہیں قرآن پڑھائے اور احکام بتائے۔ اگرچہ یہ بات ان لوگوں سے پوشیدہ نہیں جنہوں نے آنحضرتؐ کے حالات کا مطالعہ کیا ہے اور یہ امر ایسا ظاہر ہے کہ مخالفین کو بھی اس کے سامنے تسلیم خم کرنا پڑا اور اس سے انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ فاضل سر ولیم میور عیسائی نے بھی اسے تسلیم کیا ہے اور وہ

۱۔ ابن خلدون کمال ابن اثیر بخاری۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۳ استیعاب ج ۲ ص ۲۵۴۔ ۳۔ ابن خلدون ص ۵۵۔

۴۔ استیعاب ج ۲ ص ۲۵۴۔ ۵۔ طبری ج ۳ ص ۱۵۵۔ ۶۔ خلدون ج ۲ ص ۵۵۵۔ ۷۔ زاد المعاد ص ۵۵۔

اپنے تذکرہ اسلام جلد ۳ میں لکھتے ہیں :- اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک معلم اُن قاصدوں کے ہمراہ کر دیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں عرب کی ساری سرزمین اسلام کی روشنی سے منور ہو گئی تھی۔ یمن، حجاز، نجد، کابجہ بچہ خواہ مرد ہو یا عورت اسلام کے آگے سر اطاعت جھکا چکا تھا۔ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس کا دل اس کی شہری شناعوں سے چمک نہ اٹھا ہو بلکہ اس وقت میں اسلام کے حلقہ بگوشوں کی تعداد حدود عرب سے تجاوز کر کے عراق، عرب اور شام کی حدود تک پہنچ گئی تھی اور اُن حدود پر اپنی فتح مندی کا نشان بلند کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ اور ہر شہر اور ہر قریہ میں اسلام کا منادی اور قرآن کا معلم مقرر فرمایا تھا جن کا رات دن اور ہر وقت یہی کام اور یہی خیال اور دُھن تھی کہ ناواقفوں کو واقف اور قرآن کا ماہر بنایا جائے۔

مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْإِسْلَامُ قَدْ انْتَشَرَ وَظَهَرَ فِي جَمِيعِ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ مِنْ مُنْقَطِعِ الْبَحْرِ الْمَعْرُوفِ بِبَحْرِ الْقَلْزَمِ مَا رَأَى إِلَى سِوَا حِلِ الْيَمَنِ كُلِّهَا إِلَى بَحْرِ فَارَسَ إِلَى مُنْقَطِعِ مَا رَأَى إِلَى الْفَرَاتِ ثُمَّ عَلَى صَنْقَةِ الْفَرَاتِ إِلَى مُنْقَطِعِ الشَّامِ إِلَى بَحْرِ الْقَلْزَمِ وَفِي هَذِهِ الْجَزِيرَةِ مِنَ الْمَدِينِ وَالْقَرْىِ مَا لَا يَعْرِفُ عَدَدُهُ إِلَّا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ كَالْيَمَنِ وَالْبَحْرَيْنِ وَعُمَانَ وَتَجْدٍ وَجَبَلِي طَيِّ وَبِلَادٍ مُضَرَ وَرَبِيعَةَ وَقُضَاعَةَ وَالطَّائِفَ وَمَكَّةَ كُلَّهُمْ قَدْ أَسْلَمَ وَبَنُوا الْمَسَاجِدَ لَيْسَ فِيهَا مَدِينَةٌ وَلَا قَرْيَةٌ وَحِلَّةٌ لِأَعْرَابٍ إِلَّا قَدْ قُرِئَ فِيهَا الْقُرْآنُ فِي الصَّلَوَاتِ وَعَمِلَهُ الصَّبِيَّانَ وَالرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ وَكُتِبَ وَمَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُونَ كَذَلِكَ لَيْسَ بَيْنَهُمْ اخْتِلَافٌ فِي شَيْءٍ أَصْلَابٌ كُلُّهُمْ كَلِمَةٌ وَاحِدَةٌ وَدِينٌ وَاحِدٌ وَمَقَالَةٌ وَاحِدَةٌ (ص ۳۰۳ مطبوع مصر)

یعنی آنحضرت کے عہد محترم میں تمام عرب کا جزیرہ مسلمان ہو گیا تھا اور اس جزیرہ میں بہت شہر اور گائوں میں جیسے یمن، بحرین، عمان، جبل طی اور مضر، ربیعہ، قضاہ قبائل عرب کی بستیاں طائف مکہ اور ان تمام شہر اور مواضع میں کوئی بھی ایسا مقام نہ تھا جہاں مسجد نہ ہو اور ان تمام مسجدوں میں نمازوں میں قرآن پڑھا جاتا تھا۔ تمام مسلمان اپنے بچوں اور عورتوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ علامہ کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ جزیرہ عرب میں بہت سے شہر اور گائوں میں پھر اُن میں مسلمانوں کی تعداد سمجھ لینا چاہیے کہ کس قدر ہوگی۔ جزیرہ عرب پانچ صوبوں میں منقسم ہے۔ یمن، حجاز، تہامہ، نجد، یامہ۔ یمن کے مشہور شہروں میں حضرموت، مہرہ، عمان، شجر، بخران ہے۔ حجاز میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ ہے اور مدینہ کے مشرق میں قبیلہ طی کے دو پہاڑ ہیں جن میں وہ آباد تھے یعنی آجار، سلمی۔

آپ کی اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ کثرت سے لوگ قرآن کے عالم ہو گئے۔

سلسلہ میں بنی عامر سے ابوہریرہ نجد کا یہودی جب مدینہ میں آیا اور اس نے اپنے ہمراہ معلمین لے جانے کی درخواست کی تو اُس وقت اس کے ہمراہ قرآنِ قرآن کی ایک جماعت جس میں ستر یا پچاس آدمی تھے کر دیئے گئے۔ زاد المعاد ص ۳۲ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ستر آدمی تھے اور اُن کے حال میں لکھتے ہیں۔ وَكَانُوا مِنْ خِيَارِ الْمُسْلِمِينَ وَفَضْلًا لَهُمْ وَسَادَاتِهِمْ وَقُرَّائِهِمْ۔ یعنی یہ نہایت دیندار سرداران اسلام سے تھے جو عالم و فاضل اور قاری تھے۔ ابتدائے ہجرت میں قرآن جاننے والوں کی جب یہ کثرت تھی کہ ایک قبیلہ کی تعلیم کے لئے ستر آدمی آپ نے روانہ فرما دیئے تو اس سے اس امر کا اندازہ نہایت سہل ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں میں اُس وقت ایسے لوگوں کی کس قدر تعداد ہو گی جو قرآن کے واقف ہوں اور سلسلہ سے سلسلہ تک اس میں جو کچھ اضافہ ہوا ہو گا اس کا اندازہ بھی اسی سے ہو سکتا ہے۔ رعل، ذکوان، عقیہ، بنو لویان آپ کی خدمت میں آئے اور اپنا اسلام ظاہر کیا اور اپنے ہمراہ اپنی قوم کے لئے معلمین لے جانے کی خواہش کی بلکہ ستر قاری رسول خدا نے اُن کے ہمراہ کر دیئے۔ اس کے سوا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکی اور فوجی مناصب اور عہدہ کے لئے قرآن کی سند شرط کر دی تھی اور یہ عہدے انہیں سے مخصوص کر دیئے گئے تھے جن کے پاس قرآن کی سند ہو یعنی وہ قرآن جانتا ہو۔ اس کے علاوہ نائب السلطنت اور دیسارے بھی وہی شخص بنایا جاتا تھا جو قرآن جانتا ہو۔ فوج کا جنرل آپ اُسی کو مقرر فرماتے جو قرآن جانتا ہو یا دوسروں سے زیادہ ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا وَهُمْ ذُو عَدَدٍ فَاسْتَقْرَأَ هُمْ فَاسْتَقْرَأَ كُلَّ رَجُلٍ مِنْهُمْ رَعْنِي مَا هُوَ مَعَهُ مِنَ الْقُرْآنِ فَأَتَى عَلَى رَجُلٍ مِنْ أَحَدِهِمْ سِتًّا فَقَالَ مَا مَعَكَ يَا فُلَانُ فَقَالَ مَعِيَ كَذَا وَكَذَا وَسُورَةُ الْبَقَرَةِ فَقَالَ أَمَعَكَ سُورَةُ الْبَقَرَةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَذْهَبَ فَأَنْتَ أَمِيرُهُمْ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِهِمْ وَاللَّهِ مَا مَنَعَنِي أَنْ أَعْلَمَ الْبَقَرَةَ إِلَّا خَشْيَةَ أَنْ لَا أَقُومَ بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَاقْرَؤْهُ۔ (ترمذی ج ۲)

ترمذی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا شکر مرتب فرما کر رواد فرمایا اور لشکر کے ہر سپاہی کا قرآن سُنا۔ ہر ایک نے جو اسے یاد تھا پڑھا۔ ان سپاہیوں میں جو تمام سے عمر میں کم تھا اُس سے فرمایا کہ تجھے کس قدر یاد ہے۔ اُس نے چند سورتوں کا نام لیا جس میں سورہ بقرہ بھی تھی۔ آپ نے فرمایا واقعی تجھے تمام سورہ بقرہ یاد ہے۔ عرض کیا بے شک۔ تب آپ نے اُسی کو اس فوج کا جنرل مقرر فرمایا۔ اس لشکر میں سے ایک بزرگ قوم نے عرض کیا کہ میں نے تو سورہ بقرہ اس خیال سے نہیں یاد کی کہ شاید اُس پر عمل دشوار ہو۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھو اور پڑھاؤ۔



اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُس عہد میں قرآن کی تعلیم ایسی عام ہو گئی تھی کہ فوج کے ہر سپاہی کو کچھ حصہ قرآن کا یاد تھا۔ اُس کی نظیر آج بھی باوجود کثرتِ اسباب اور ذرائع کے موجود نہیں ہے اور چوں کہ اُس وقت قرآن ایسا نام تھا کہ فوجی سپاہیوں کو بھی یاد ہوتا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض قرآن دانی کی وجہ سے کسی سپاہی کو جنرل مقرر نہیں فرما سکتے تھے۔ کیونکہ قرآن سب ہی کو یاد تھا بلکہ اس کے لئے امتحان کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ اسی لئے آپ نے ہر ایک سپاہی کا امتحان لیا اور پھر جس کو قرآن میں زیادہ پایا اسی کو جنرل بنایا اور اس کے مقابلہ میں عمر کی زیادتی یا قومی شرافت کا لحاظ نہیں کیا گیا بلکہ ایسے سپاہی کو جو عمر میں تمام سے کم تھا محض قرآن کی وجہ سے افسر فوج مقرر کیا حالانکہ اور تمام اس سے بڑے تھے۔ اور ایک شخص ایسا بھی تھا جو سردار قوم تھا چونکہ اُس عہد میں جو طریقہ جنگ تھا اُس کے فنون سے عرب کا ہر ایک شخص واقف تھا اور لوہکین سے ہی اُس کی مہارت اور کمال حاصل کیا جاتا تھا اس لئے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ فوج کی افسری کے لئے قرآن کو معیار قرار دینا بے جوڑ ہے بلکہ فنونِ جنگ میں مہارت اور واقفیت کو معیار بتانا چاہیے کیونکہ اس میں تو عرب کے ہر آدمی کو کمال حاصل ہی تھا۔ ملکی عہدے بھی انھیں سے مخصوص تھے جن کے پاس قرآن کی سند ہو۔ کسی ضلع کا حاکم (کلکٹر) یا صوبہ کا والی (مگسٹریٹ گورنر) یا سلطان کا نائب (سیر) وہی بنایا جاتا تھا جس کو قرآن کی وجہ سے فضیلت ہو۔

تاریخ ابن ہشام میں ہے۔ طائف جس میں قبیلہ ثقیف تھا اس کا حاکم عثمان بن ابی العاص کو مقرر کیا محض اس وجہ سے کہ اس کو علم کا شوق زیادہ تھا اور قرآن پڑھا تھا۔ مراد، زبید، مدرج۔ ان تینوں قبیلوں کا حاکم فروہ مرادی کو صرف اس لئے مقرر کیا کہ اس نے قرآن پڑھا تھا۔ رسول خدا نے یمن وفد روانہ کیا اور ان میں سے ایک کم بن ولے کو اُن کا امیر اس لئے مقرر کیا کہ اُس نے قرآن پڑھا تھا۔ آپ کے عہد میں امامتِ نماز کا حق بھی صرف سلطان اور اُس کے نائب اور حاکم کا تھا چنانچہ خلیفہ اول کو آنحضرت نے چونکہ اپنے سامنے امام نماز مقرر فرمایا تھا اس وجہ سے آپ کے بعد وہ خلیفہ بنائے گئے۔ نماز کی امامت کے لئے آپ نے یہ قانون مقرر کیا تھا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہی نماز پڑھائے جس کا مطلب بالفاظِ دیگر یہ ہوا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہی حاکم کیا جائے۔۔۔ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) قاضی (جج) بھی ایسے ہی لوگ بنائے جاتے تھے جن کو قرآن یاد تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو اپنا قائم مقام ایسے ہی شخص کو مقرر فرماتے جو قرآن جانتا ہو۔ اکثر ابن ام مکتوم کو جو نابینا تھے مگر قرآن یاد تھا۔ آنحضرت مدینہ

لے ابن عبد بن ج ۲ ص ۵۵۔ لے کنز العمال ج ۱ ص ۲۱۱۔

لے تمام صحابہ میں سے آنحضرت کا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کرنا دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت ابو بکرؓ کو پورا قرآن یاد تھا اور دیگر صحابہ سے آپ اس کے زیادہ واقف تھے۔

میں اپنا نائب بناتے۔ تمام صوبہ میں کامعاذ کو جمع مقرر کیا۔ اب ان واقعات کے بعد دیکھئے کہ اس وقت گورنمنٹ نے ہر شعبہ کے اعلیٰ عہدے کو اپنی قوم سے خاص کر دیا ہے خواہ وہ ملکی ہو یا فوجی یا تعلیمی۔ فوج کا افسر اعلیٰ یعنی کمانڈر انچیف، ملکی اعلیٰ افسر (گورنر جنرل) تعلیمی افسر اعلیٰ (ڈائریکٹر) ان کے قوم کے ہوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ البتہ ان کے ماتحتی میں چند عہدہ پر اہل ہند مقرر کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے جس سند کی شرط ہے باوجودیکہ وہ دوسری زبان ہے اور اُس کے حاصل کرنے میں بھی دس پندرہ سال صرف ہوتے ہیں لیکن اس پر بھی لاکھوں کی تعداد میں اس کے سند یافتہ ملک میں موجود ہیں۔ اب اس پر غور کرو کہ جو علم ان کی زبان میں ہو، جس کے لئے زیادہ وقت بھی صرف نہ ہو، جس کی وجہ سے ملکی، فوجی، تعلیمی، ہر قسم کے منصب کا بلا استثناء چھوٹے بڑے عہدے کا ہر صیف میں مستحق ہو جائے۔ اور ان تمام امور کے سوا بھی مذہبی مقتدا اور دینی اعتبار سے بھی بڑے بڑے منصب کا مستحق بنایا جائے تو ایسے علم کے سند یافتوں کی تعداد اُس وقت ملک میں کس قدر ہوگی اور جس سند کے حامل کرنے میں زیادہ وقت اور ناقابل برداشت محنت کی ضرورت نہ ہو اور جس سند سے بلا استثناء ہر دنیاوی منصب اور عہدے کا مستحق ہو اور اسی کے ساتھ دینی برکتوں اور اخروی فضائل کا بھی وارث ہو تو ایسی سند کے لئے کتنے دل مائل ہوں گے اور کون ایسا ہوگا جو اس میں کمی کرے گا۔ اور کون ہوگا جو اس کے لئے نہ تڑپے گا۔ ان کے علاوہ بھی ہر طرح کے مناسب امور ترغیب کے لئے آپ اختیار فرماتے۔ غزوہ احد میں شہداء کے دفن کرتے وقت آپ نے ایک قبر اہل کفن میں متعدد کو دفن فرمایا اور ان میں اس کا لحاظ رکھا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد تھا اس کو دفن میں مقدم فرمایا۔ (بخاری ج ۱۲)

ایک شخص سے ایک عورت کا نکاح بلا مہر معجل اس لئے کر دیا کہ اُس کو قرآن کی کچھ سورتیں یاد تھیں۔ (بخاری نکاح)

ان سب اسباب و ذرائع کے سوا قرآن پاک میں زبان کی شیرینی، الفاظ کی مناسبت اور نہایت اعلیٰ بندش، اُس کے جلوں کا آثار چڑھاؤ ایسا بے مثل اور پاکیزہ ہے جس کے سننے سے اہل زبان کے علماء اور فصحاء اُذبار بے اختیار ہو گئے اور قرآن کے مقناطیسی جذبات نے ہر دل کو اپنا ایسا فریفتہ اور گرویدہ بنا لیا کہ فصحاء اور شعراء عرب نے قرآن سن کر شعر کہنا چھوڑ دیا۔

فاضل نوفل مسیحی صَاحِبُ الطَّرَبِ مَیْیَسَی میں لکھتے ہیں۔ قَالَ صَاحِبُ تَذَكُّرَةِ الْحِكْمَةِ فِي طَبَقَةِ الْأُمَمِ أَنَّ الْعَرَبَ أَقَامَتْ تَسْجُدًا لِهَذِهِ الْمَعْلَقَاتِ نَحْوَ مِائَةٍ وَخَمْسِينَ سَنَةً إِلَى أَنْ ظَهَرَ الْإِسْلَامُ وَأَبْطَلَ الْقُرْآنُ بِسُطُوَةِ فَصَاحَتِهِ اعْتِبَارًا الْعَرَبَ لِهَذِهِ الْمَعْلَقَاتِ۔ اہل عرب

لے اہل عرب جس طرح ادایا کو سجدہ کرتے تھے اسی طرح فصاحت اور بلاغت کی پرستش کا بھی اُن میں رواج تھا دیکھو صنادید۔

ملاقات سب کو ڈیڑھ سو برس سجدہ کرتے رہے۔ جب قرآن نازل ہوا تو اس کی فصاحت نے انہیں گرد کر دیا۔ خلیفہ دوم نے ایک بار لبید بن ربیعہ شاعر سے کہا کہ اپنے کچھ اشعار سنا۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے سورہ بقرہ اور آل عمران جب سے پڑھی ہے اسی وقت سے شعر کہنا چھوڑ دیا۔

طبقات ابن سعد کی ج ۲ ص ۱۱ اور جہرۃ کے ص ۱۱ میں ہے کہ لبید نے مسلمان ہونے کے بعد اس پنا پر شعر کہنا چھوڑ دیا کہ قرآن میں اُسے اس سے زیادہ لطف اور لذت ملتی تھی اور اسی لئے اُس نے تمام قرآن یاد کر لیا تھا۔ طبقات الشعراء میں ہے کہ لبید سے حضرت عمرؓ نے شعر سننے کی فرمائش کی تو لبید نے سورہ بقرہ سے کچھ سنا کر عرض کیا کہ خدا نے بقرہ آل عمران کا جب سے مجھے علم دیا اُس وقت سے میں نے شعر کہنا چھوڑ دیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے وکیل میں پانسو کی ترقی کی اور بجائے دو ہزار کے ڈھائی ہزار کر دیا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے ارادے سے جب حبشہ کے سفر کا قصد کیا تو ابن دغنےؓ آپ کو واپس لایا اور خود اُن کا زمرہ دار ہو گیا اور کہا کہ آج سے کوئی شخص آپ سے تعارض نہ کرے گا چنانچہ کفار مکہ سے ابن دغنےؓ نے یہ تمام حال کہا۔ کفار نے کہا بہتر لیکن آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہہ دیں کہ نماز میں قرآن زور سے نہ پڑھیں کیونکہ قرآن سن کر ہماری اولاد اور عورتیں بے خود ہو جاتی ہیں اور اس کی فصاحت کا اثر اُن کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جس کی وجہ سے ہمیں اُن کے مسلمان ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

قبل اسلام لانے کے خالد بن ولیدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ قرآن سنائے۔ آپ نے آیات ذیل پڑھیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَامُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ اِيتَاءُ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ۔ آخر تک اس کو پڑھا۔ اس کے سننے سے خالد بن ولیدؓ کے شوق کی حرارت اور بڑھ گئی اور قلب کی لذت نے ہل من مزید کا نعرہ بلند کیا جس پر خالد نے درخواست کی کہ انہیں آیات کو پھر دوبارہ پڑھ دیجئے۔ آپ نے پھر سنایا۔ اب تو خالد بے اختیار بول اُٹھے۔ وَاللّٰهِ اِنَّهُ لَخَلَادَةٌ۔ وَاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةٌ۔ وَاِنَّ اَسْفَلَهُ لَمَغْدَقٌ وَاِنَّ اَعْلَاهُ لَمُثَمِّرٌ۔ وما يقول هذا بشراً۔ یعنی خدا کی قسم یہ کلام شیریں ہے اور اس میں حسن و خوبی ہے۔ یہ سرتاپا سرسبز و شاداب درخت ہے جرنیچے سے ہرا اور اوپر سے بھرا ہوا ہے۔ انسان کی تو یہ طاقت نہیں کہ ایسا کلام بول سکے۔

حبشہ میں شاہ حبشہ کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ کہیلہؓ سنائی تو اس نے سن کر بے اختیار شہادت دی کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اور مسلمان ہو گیا۔

عقبہ بن ربیعہ نے جو اپنی قوم کا سردار تھا ایک روز قریش کے مجمع میں کہا کہ تم اگر راضی ہو تو آنحضرتؐ سے مصالحت کی گفتگو کروں۔ شاید وہ مان جائیں۔ تمام نے باتفاق اسے منظور کیا۔ عقبہ آنحضرتؐ کا خدمت میں حاضر ہوا اُس وقت آپؐ مسجد حرام میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ باتیں ایسی کہیں جن کا منشا یہ تھا کہ آپؐ اپنی دعوت سے باز آئیں۔ آپؐ نے اُسے سورۃ حج سنائی جس پر وہ متحیر اور بیخود ہو گیا اور کفار سے کہا۔ وَاللّٰهِ مَا سَمِعْتُ مِثْلَهُ قَطًّا وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِالشَّعْرِ وَلَا بِالسَّحَرِ وَلَا بِالْكَفَّانَةِ یعنی میں نے تو آج تک ایسا کلام سنا ہی نہیں خدا کی قسم یہ جادو یا شہر اور کہانت نہیں ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جو اپنے گھر سے اس ارادے سے نکلے تھے کہ آج سر مبارک کو جدا کر کے لاؤں گا۔ جب آپؐ نے بہن فاطمہؓ سے قرآن سنا تو اسلام پر مجبور ہو گئے اور بے اختیار بول اُٹھے کہ یہ کلام عجیب ہے ایسا تو کبھی سنا نہیں۔ عقبہ اولیٰ میں مدینہ کے چھ آدمیوں کو آپؐ نے جب قرآن سنا یا تو وہ بول اُٹھے، بے شک آپؐ نبی ہیں اور یہ کلام اپنی تاثیر میں بے نظیر ہے۔ اس قسم کے واقعات اسلامی تاریخوں میں بہت ہیں جن سے یہ بات یقینی ثابت ہوتی ہے کہ مخالفین اہل عرب نے جو زبان داں اور اس کے فاضل اور ادیب فصیح تھے... جن کو قرآن کی عربیت کے تولنے اور اس کی لطافت، خوبی، عمدگی، شیرینی، دل فریبی، جذب مقناطیسی کے جانچنے اور اندازہ کرنے اور سمجھنے کا کامل استحقاق تھا اور ان ہی کی طبیعت اور ذوق ان امور کے لئے کسوٹی اور ترازو تھی قرآن کی بلاغت کے سامنے سر جھکا دیا اور اس میں کلام نہیں کیا اور نیز صحابہ میں بھی ایسی بڑی جماعت فصحاء اور ادباء کی تھی جو اعلیٰ درجہ کے فصیح اور بلیغ تھے اور کلام فصیح اور غیر فصیح میں فیصلے اور امتیاز کی کامل استعداد اور ملکہ راسخہ مبداء فیاض نے اُن کو عطا فرمایا تھا۔ جب ان صحابہ اور نیز اُس وقت کے مخالفین نے جو زبان عربی کے ماہر تھے قرآن کی فصاحت اور بلاغت کو مان لیا اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا تو ان اہل زبان کے مقابلہ میں غیر زبان داں کے شکوک کی کیا وقعت ہوگی۔ اور وہ سچائی کے میدان میں کہاں تک متحرک نظر آئیں گے یا کسی ایک ذواہل زبان کی مخالفت ایک بڑی جماعت کے مقابلہ میں کیا ٹھہر سکتی ہے اور کب تک مقابلہ میں ثابت قدم رہے گی۔

الحاصل قرآن نے اپنے اُن اوصاف سے بھی تمام اہل عرب کے دلوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنا فریفتہ اور گرویدہ کر لیا تھا اور اُس وقت یہ حالت تھی کہ مسلمانوں کے سوا کفار بھی اسے سن کر ایسے بے چین ہوتے کہ یاد کر لیتے تھے۔ ابوسفیان، ابو جہل، عمرو بن دھب، احنس بن شریق جو اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور مخالفت پر بے انتہا ملے ہوئے تھے اور اُن کے رگ وریشے میں اس کا خون جوش زن تھا وہ بھی چھپ کر مسننے پر بے اختیار تھے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ ان تینوں نے

تین شب متواتر چھپ کر اس طرح سے کہ کوئی نہ جانے رسولِ خدا کا پڑھنا سنا اور ہر روز دن میں اپنے اس فعل پر نفرین اور ملامت کی، لیکن رات میں جب پڑھنے کی آواز کانوں میں پڑتی تو بے اختیار نکلتے اور موقع پر جا پہنچتے۔

طفیل بن عمرو دوسری جوابی قوم میں سردار اور بڑا شاعر اور سمجھدار تھا جب مکہ آیا تو اُس کے پاس قریش کے چند آدمی آئے اور کہا کہ اے طفیل دیکھ ہرگز اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے نزدیک نہ جانا اور نہ اس کی بات سُننا، اس کے سائے سے بھاگنا، اس کا کلام ایسا ہے کہ آدمی اُسے سُن کر مفتون ہو جاتا ہے، اُس کے ہوش و حواس باقی نہیں رہتے۔ لیکن طفیل نے ان کی بات نہ سنی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُسے جب قرآن سُنا یا تو بے اختیار کہا۔ **وَاللّٰہِ مَا سَمِعْتُ قَوْلًا اَحْسَنَ مِنْہٗ**۔ خدا جانتا ہے میں نے تو اپنی عمر میں کبھی اس سے بہتر کلام کسی کا نہیں سُنا اور ایمان لے آیا یہ مکہ میں عیسائی آئے۔ رسولِ خدا نے اُن کو قرآن سُنا یا۔ جب اُنھوں نے قرآن سُنا بے اختیار اُس پر ایمان لے آئے یہ سوید بن صامت جس کا نام — عرب کے اہل کمال کی فہرست میں تھا اور اپنے عہد میں ہر اعتبار سے شہرت کے تحت کا مالک تھا جب مکہ آیا اور رسولِ خدا اس کے پاس آئے تو آپ سے کہا کہ جس طرح کا کلام تمہارے پاس ہے ویسا ہی میں جانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرے پاس کیا ہے۔ کہا لقمان کے نصائح۔ فرمایا پڑھو۔ جب اُس نے سُنا یا تو آپ نے اُس کی تحسین کی اور فرمایا۔ میرے پاس اس سے بھی اعلیٰ ہے جس کو خدا نے اُتارا ہے۔ سوید نے کہا سُنائیے۔ تب آپ نے سُنا یا۔ سوید نے کہا واقعی یہ عمدہ ہے اور ایمان لایا یہ اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ پر مصعب بن عمیر نے جب قرآن پڑھا تو وہ ایمان لے آئے یہ نابغہ جعفی جو عرب کے مشہور شعراء اور اربابِ کمال میں تھا جب مسلمان ہوا تو قرآن کی تعریف میں کہا۔ قرآن فصاحت و بلاغت کا چمکتا ہوا روشن ستارہ ہے۔ عمرو بن سلمہ نے سات سال کے سن میں جبکہ وہ کفر کی تاریکی میں چھپے ہوئے تھے اور ایک ایسے پانی کے چشمہ پر جو لوگوں کا گذر گاہ تھا، مفہیم تھے محض آنے والوں سے سُن کر کچھ قرآن یاد کر لیا تھا یہ کیا اس سات برس کے بچے کا قرآن یاد کرنا کسی جوشِ مذہبی اور حُسنِ عقیدت کا کرشمہ تھا۔ اس کی تصدیق تو اُن کے کفر کی حالت سے کر لو یا کسی دنیا کی طمع سے تھا۔ نہیں نہیں بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کی خوبی اور عمدگی نے اس بچہ کے دل پر اپنا خاص اثر کر کے اپنا شیدا اور فریفتہ بنایا اور اس کے دل میں اس قدر ذوق و شوق ہو گیا کہ جو اس راستہ سے گذرنا وہ اُس سے سُن سُن کر یاد کر لیتا جس طرح آجکل بھی چھوٹے چھوٹے بچے اچھے کلام کو سُن سُن کے اپنے شوق سے یاد کر لیتے ہیں۔

۱۵ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۱۱      ۱۴ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۱۱      ۱۳ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۱۱

۵۴ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۶ - تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۳۳ ۵۵ ابن ہشام ص ۱۵ ۵۶ آغانی ج ۴ ص ۸۸ ۵۷ بحاری مغازی .

الغرض کسی کلام اور کتاب کے یاد کرنے اور لکھنے اور پاس محفوظ رکھنے کے چار سبب ہو سکتے ہیں:

(۱) اُس کے یاد کرنے میں کوئی مذہبی ثواب ہو اور مذہب کی طرف سے اس کی تاکید ہو۔ اگر کسی کتاب میں یہ خصوصیت ہو تو تنہا اسی کی وجہ سے وہ کتاب مرغوب اور پسندیدہ ہو جاتی ہے اور لوگ اُسے لکھتے ہیں اور محفوظ رکھتے ہیں۔

(۲) کسی کتاب یا کلام کی یاد میں دنیاوی نفع یا عہدہ کی اُمید دلائی جائے تو اس وجہ سے بھی وہ یاد کی جاتی ہے جیسے آج کل نصاب امتحان کی کتابوں کی یاد میں طلبہ کس قدر محنت شاق اٹھاتے ہیں۔

(۳) کسی کے متعلق دنیاوی ضرورت ہو یا اخلاقی یا مذہبی یعنی وہ قانون تمدن ہو یا مذہبی تو اُس کو بھی یاد کر لیتے ہیں اور اُس کی نقلیں کرتے ہیں۔

(۴) جو کلام نہایت عمدہ اور خوب ہو خصوصاً جبکہ وہ زبان اور مضمون دونوں کے حُسن سے آراستہ ہو اور بلاغت و فصاحت کے اعلیٰ ترین پر ہو تو ایسا کلام بھی عام و خاص کی زبان پر ہوتا ہے اور عالمگیر شہرت اور قبولیت عام کی وجہ سے ہر شخص کے کانوں تک پہنچ جاتا ہے اور ملک کے ہر کس کس کو یاد ہو جاتا ہے۔

یہ چار وجہ ایسی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کلام کے یاد کرنے اور لکھنے کے لئے مستقل اور کافی دلیل ہے اور اس وقت اس کی ہزاروں مثالیں شہادت میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اب جس کلام اور کتاب میں یہ چاروں باتیں جمع ہو جائیں یعنی عہدِ مبارک میں قرآن پاک دنیاوی عہدوں کے لئے سندِ تمدن مذہبی ثواب میں کوئی عمل اس کا ہمسرہ تھا۔ اخلاقی، تمدنی، مذہبی قانون ہی فصاحت و بلاغت میں بھی اعلیٰ ہے۔ تو کیا ان تمام وجوہ کا ایک جگہ جمع ہو جانا قرآن کے لکھنے اور یاد کرنے کے لئے روشن دلیل نہیں اور کیا اتنے اسباب کے جاننے کے بعد بھی اُس وقت میں قرآن کے لاکھوں حفاظ کے ہونے میں شبہ ہو سکتا ہے اور کیا یہ قطعی نہیں کہ اس سے بہت زیادہ تعداد میں اس وقت اس کے نسخے ہونگے جن واقعات کی تصدیق کے لئے اُن کے علل اور اسباب کی شہادت ہو تو ایسے واقعات کے یقین کے لئے اور ان کے یاد کرنے اور ماننے کے لئے ہر قلبِ سلیم اور ہر فہمِ مستقیم مستعد اور آمادہ پایا جاتا ہے اور ان واقعات کی بنیاد ایسے بلند مضبوط پہاڑ کی چٹان پر قائم ہے جہاں کسی قسم کی تاریکی، بطلان، کجروی کے شک و شبہ کا گرد و غبار بھی نہیں پہنچ سکتا اور نہ کسی قسم کا زلزلہ اس میں پیدا کر سکتا ہے بلکہ یہ مشبہات اور توہمات جب اس چٹان سے ٹکراتے ہیں تو خود ہی پاش پاش ہو کر تار و عنکبوت کی طرح اڑ جاتے ہیں۔ عہدِ مبارک میں قرآن کی یاد کرنے اور لکھنے کے ثبوت میں ان اسباب کی شہادت کے بعد اگرچہ اس امر کی ضرورت نہیں رہتی کہ اُن حفاظِ قرآن کا نام نامی بتایا جائے جن کو عہدِ اول میں قرآن یاد تھا اور اسی طرح قرآن کے جو نسخے اُس وقت میں مرتب

لکھے ہوئے تھے اُن کے بتلانے کی بھی حاجت نہیں لیکن مزید اطمینان اور اظہارِ واقعہ کے لئے ہم یہاں مناسب سمجھتے ہیں کہ اول حفاظِ قرآن کی فہرست دیں اُس کے بعد قرآن کے اُن نسخوں کا پتہ بتائیں جو آپ کے عہد میں لکھے گئے تھے۔

## حفاظِ قرآن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علاوہ اُن ترغیبات کے جو قرآن کے تلاوت اور پڑھنے کے متعلق فرمائیں حفاظِ قرآن کے متعلق خصوصیت سے کیں۔

کتاب بخاری کی تفسیر میں ہے، جو شخص قرآن کا حافظ ہو اور وہ قرآن تلاوت کرے وہ ملائکہ کرام کے ہم پلہ ہے۔ آپ کے اس ارشاد کی تعمیل اور اپنی تکمیل کے لئے صحابہ میں اکثر کو قرآن کے حفظ کا خیال تھا اور قرآن کا جو حصہ نازل ہوتا تھا اُسے وہ حفظ کر لیتے تھے۔ زبدۃ البیان فی رسوم مصاحف عثمان میں ہے۔ كَانَ دَابُّ الصَّعَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ مِنْ أَوَّلِ نَزُولِ الْوَحْيِ إِلَى آخِرِهِ الْمَسَارَعَةُ إِلَى حِفْظِهِ یعنی تمام زمانہ نزولِ وحی میں اول سے لے کر اخیر تک صحابہ کرام کی یہ عادت اور معمول رہا ہے کہ وحی اور قرآن کا جو حصہ نازل ہوتا اُس کو فوراً حفظ کر لیتے۔ اسی وجہ سے صحابہ میں ہزاروں کی تعداد تھی جن کو قرآن حفظ تھا۔ چونکہ آپ کے مقدس عہد میں بہت کثرت سے حفاظِ قرآن تھے اور مسلمانوں میں اس کا عام رواج تھا۔ ہر مسلمان کے لئے قرآن کا حفظ لازم تھا اور مسلمان اور حافظِ قرآن ان دونوں کے ایک ہی معنی تھے۔ یہ دونوں بمنزلہ الفاظ مترادف کے ہو گئے تھے۔ اس لئے اُس وقت کے رواج کے موافق کسی مسلمان کی حالت کے بیان میں یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ وہ حافظِ قرآن ہے بلکہ حفظِ قرآن کے لئے محض مسلمان ہونا کافی تھا یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے حالات میں اُن کے حفظ کی صفت کو اکثر میں چھوڑ دیا ہے حالانکہ اُن میں اکثر بلکہ تمام ہی قرآن کے حافظ تھے۔ اس کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ غزوہٴ اُحد میں شہداءِ اُحد کو آنحضرت نے جب دفن کیا تو چونکہ ایک قبر میں کئی شہید آپ دفن کرتے تھے اس لئے آپ دفن سے پہلے دریافت فرماتے کہ ان میں زیادہ قرآن کس کو یاد ہے۔ ترمذی میں ہے۔ فَكَثُرَ الْقَتْلُ وَقَلَّتِ الثِّيَابُ قَالَ فَكَفَّنَ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَالثَلَاثَةُ فِي الْخُوبِ الْوَاحِدِ ثُمَّ يَدْفَنُونَ فِي قَبْرِ وَاحِدٍ قَالَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ عَنْهُمْ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ قُرْآنًا فَيَقْدِمُهُ إِلَى الْقَبْلَةِ (ج ۱ ص ۱۲۱) یعنی شہداء زیادہ تھے اور کفن کم اس لئے ایک ایک کپڑے میں دو دو اور تین تین بھی رکھے گئے اور ایک قبر میں دفن کئے گئے۔ دفن کے وقت آنحضرت دریافت فرماتے کہ ان میں قرآن میں زیادہ کون ہے۔ جو زیادہ ہوتا اُسی کو قبہ کی جانب مقدم کرتے۔ یہاں سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:



(۱) آنحضرت کے اس دریافت فرمانے سے کہ ان میں قرآن کا زیادہ حافظ کون ہے معلوم ہوا کہ شہدائے اُحد میں قرآن سب کو یاد تھا مگر فرق صرف یہی تھا کہ کسی کو زیادہ کسی کو کم ورنہ آپ محض کمی زیادتی ہی کے دریافت فرمانے پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ یہ بھی دریافت کرتے کہ ان میں کس کو یاد ہے اور کس کو نہیں یاد ہے۔

(۲) دوسرے قرآن ایسا عام ہو گیا تھا اور اس طرح سے وہ اسے پڑھتے بڑھاتے تھے کہ آپس میں ایک دوسرے کی حالت سے پورے واقف تھے۔ آپ کے عہد میں محض بیر معونہ میں ستر حفاظ جو قرآن کی تعلیم کے لئے جارہے تھے شہید کئے گئے۔ یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت کی تعلیم کے لئے مسلمانوں سے ستر حفاظ کا جانا کیا اس امر پر روشن نشان نہیں کہ اُس وقت مسلمانوں میں حفاظ کی ایسی کثرت تھی جو ایک قبیلہ کے لئے ستر حفاظ تیار ہو گئے اور اسی کے ساتھ جب یہ خیال کیا جائے کہ اُس وقت میں اکثر قبیلوں اور ملکوں اور قریوں میں حفاظ تشرآن روزانہ روانہ کئے جاتے تھے اور ہر مسلمان قبیلہ اور شہر میں آپ تعلیم کے لئے حفاظ قرآن روزانہ روانہ فرماتے تھے تو ایسی حالت میں جب ایک مقام کو اس قدر حفاظ روانہ کئے گئے تو دیگر قبائل اور شہروں اور خود مدینہ میں کس قدر حفاظ ہوں گے اور پھر آئندہ کی ضرورت کے واسطے بھی ضرور ایک کافی تعداد میں ہوگی ورنہ کافی تعداد نہ ہونے پر ہرگز بیر معونہ کے موقع پر ستر حفاظ مدینہ سے روانہ نہ کئے جاتے اور نیز دیگر ممالک اسلام اور قبائل میں بھی ضرور اسی نسبت سے حفاظ کی تعداد ہوگی۔

اللہ میں سیدہ یامی اور مسلمانوں کا جب مقابلہ ہوا تو اس میں مدینہ کے مہاجرین اور انصار دونوں ملا کر تین سو شہید ہوئے جس میں ستر آدمی وہ تھے جو قرآن کے حافظ تھے یورضین اسلام نے تو صحابہ کے حالات میں اس بنا پر حفظ قرآن کو نہیں لکھا کہ اس وقت میں قرآن کا یاد کرنا بہت عام تھا اور یہ عام ہونے کی وجہ سے قابل ذکر و وصف ہی نہیں رہا تھا اور نہ یہ کوئی خاص اور امتیازی وصف سمجھا جاتا تھا۔ لیکن چونکہ بعض ناواقفوں کو اس سے یہ خیال ہوا کہ صحابہ میں حفاظ قرآن بہت کم تھے بلکہ اس قدر تھے جو انگلیوں پر شمار کئے جاسکتے ہیں اور نیز بعض روایات بھی ایسی ہیں جو اپنی ظاہری معنی کی رو سے اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔ اس لئے میں یہاں چند حفاظ صحابہ کا نام لکھتا ہوں تاکہ انھیں معلوم ہو کہ اُن کا یہ خیال سچائی اور واقعیت سے کس قدر دور ہے اور یہ روایات اپنے ظاہر معنی کی رو سے صحیح نہیں۔

(۱) عبداللہ بن عمرو بن العاص نے سلسلہ میں انتقال کیا۔ استیعاب میں ہے۔ كَانَ فَاضِلًا حَافِظًا عَالِمًا قَرَأَ الْكِتَابَ۔ عالم فاضل حافظاں۔ قرآن پڑھا تھا۔ ابو ہریرہ فرماتے ہیں صحابہ میں مجھ سے زیادہ ان کے سوا کسی کو حدیث یاد نہ تھی۔ اُن کو چونکہ رسول خدا نے احادیث کے لکھنے کی اجازت

دی تھی اس لئے یہ لکھتے تھے اور میں لکھتا تھا۔ یہ رات بھر عبادت کرتے دن کو روزہ رکھتے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ایک رات میں یہ ختم قرآن نمازیں کر لیتے تھے۔ اس سے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو منع کیا اور فرمایا کہ سات دن میں ختم کیا کرو۔ رات میں جس قدر اُن کو پڑھنا ہو تا وہ دن میں اُسے پڑھتے اور کسی کو سنا دیتے تاکہ رات کو سہولت ہو۔ انہیں عبد اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے حافظ کی شکایت کی تھی کہ مجھے آپ کی احادیث یاد نہیں رہتی ہیں بھول جاتا ہوں اگر اجازت ہو تو میں انہیں لکھ لیا کروں۔ آپ نے محض انہیں کو حدیث کے لکھنے کی اجازت دی۔ اس لئے ان کے سوا صحابہ میں کسی نے حدیث نہیں لکھی۔ عبد اللہ کو جو تمام میں ضعیف الحفظ تھے جب پورا قرآن یاد تھا تو کیا دوسرے صحابہ نے جن کا حافظ قوی تھا یاد کیا ہوگا اور جب کہ قرآن تھوڑا تھوڑا بتدریج ۲۳ سال میں اسی لئے نازل ہوتا کہ یاد میں آسانی ہو۔ چنانچہ قرآن کے بتدریج نازل ہونے اور ایک بار نہ نازل ہونے میں خود قرآن نے بھی یہی مصلحت بیان کی ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ **لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا** (فرقان۔ رکوع ۳ جز ۱۹) یعنی کافروں نے اعتراض کیا کہ تمام قرآن ایک دفعہ ہی کیوں نہ نازل ہوا تو خود قرآن ہی نے اس کے جواب میں کہا کہ تھوڑا تھوڑا اس لئے نازل ہوا تاکہ یاد ہو جائے۔ خیمہ ایک روز عبد اللہ کے یہاں گئے تو دیکھا کہ وہ قرآن شریف کھولے ہوئے اُس میں تلاوت کر رہے ہیں۔ دریافت کیا تو کہا کہ رات کو جو تہجد میں پڑھوں گا اُس کا ورد کر رہا ہوں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ان کے پاس پورا قرآن لکھا ہوا بھی تھا۔

(۲) قیس بن صعصعہ قیس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں کتنے روز میں قرآن ختم کیا کروں۔ فرمایا پندرہ راتوں میں۔ عرض کیا حضرت میں اس سے کم میں بلا مشقت پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا ہر ہفتہ میں۔ پھر عرض کیا کہ اس سے کم میں پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا بس اس سے کم میں نہیں ہے۔

(۳) سعد بن المنذر بن اوس۔ سعد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ تین روز میں قرآن ختم کرنے کی اجازت فرمائیے۔ فرمایا اگر ہو سکے تو بہتر ہے۔

(۴) عبد اللہ بن عمر بن الخطاب۔ نسائی میں ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ مجھے قرآن یاد تھا اور ایک رات میں اُسے ختم کیا کرتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ نے منع کیا اور ایک ماہ میں ختم کا حکم دیا۔ ۵۵

۱۔ بخاری فضائل قرآن ۲۵ طبقات ابن سعد ۴ ص ۱۳۵ استیعاب ج ۲ ص ۵۲۵۔ کنز العمال ج ۱ ص ۲۲۷۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۲۵۔ فتح الباری، اسد الغابہ۔ ۵۵ فتح الباری ج ۹ ص ۳۷۔

(۸۰) عقبہ بن عامر الجہنی - یہ فقہار صحابہ میں بڑے عالم اور فاضل تھے۔ انھوں نے تمام قرآن اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ ان کا لکھا ہوا قرآن مصر میں خردیونس نے دیکھا ہے۔ انھیں بھی پورا قرآن یاد تھا۔  
(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۶)

(۶۱) ابوالدردار - فقہار صحابہ میں تھے۔ بڑے عالم فاضل تھے۔ دمشق میں قرآن کا درس دیتے تھے۔ انھوں نے قرآن رسول خدا سے یاد کیا تھا۔ اَحَدُ الَّذِیْنَ جَمَعُوا الْقُرْآنَ حِفْظًا عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ ﷺ  
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِلاَ خِلَافٍ۔ (مفتاح السعادة ج ۱ ص ۳۵) قرآن کے اُن مافظوں میں سے جنہوں نے آنحضرت کے عہد میں قرآن حفظ کیا تھا، ابوالدردار بھی ہیں۔

(۷) تمیم داری - یہ اہل کتاب کے علماء میں سے تھے۔ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ خلیفہ دوم نے اپنے عہد میں رمضان میں مردوں کے لئے انھیں امام مقرر کیا تھا۔ تراویح بھی پڑھاتے تھے۔ تہجد میں ان کا معمول تھا کہ سات رات میں قرآن ختم کرتے تھے۔

(۸) معاذ بن الحارث الانصاری - یہ قاری ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ خلیفہ دوم نے انھیں بھی رمضان میں تراویح پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔

(۹) عبداللہ بن سائب - یہ بھی قاری کے نام سے مشہور ہیں۔ مکہ معظمہ میں قرآن کا درس دیتے تھے۔ اہل مکہ نے اُن سے قرآن پڑھا۔

(۱۰) سلیمان بن ابی حشمہ - یہ بھی حافظ قرآن تھے۔ خلیفہ دوم نے انھیں رمضان میں عورتوں کو قرآن سنانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور خلیفہ سوم نے اپنے عہد میں مرد اور عورتوں کا امام انھیں کو رمضان میں تراویح کا مقرر کیا تھا۔

(۱۱) ابی بن کعب - تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبی نے ان کے متعلق جو لکھا ہم بھی انھیں کے الفاظ لکھتے ہیں۔ اَقْرَأُ الْعَصَابَةَ وَسَيِّدُ الْقُرَّاءِ۔ قَرَأَ الْقُرْآنَ عَلٰی النَّبِیِّ ﷺ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ قاریوں کے سرپرست۔ صحابہ میں قرآن کے زیادہ واقف۔ رسول خدا سے قرآن پڑھا۔ انھیں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں قرآن کا قاری اُبی سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ آپ کے عہد میں قرآن کا درس دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں رمضان میں قرآن سنانے کے لئے انھیں بھی مقرر کیا تھا۔ تہجد میں آٹھ رات میں ختم کرتے تھے۔ (طبقات قسم ۲ ج ۳ ص ۵۹)

(۱۲) زید بن ثابت - ذہبی نے اپنے تذکرہ میں ان کے متعلق لکھا ہے۔ مِنَ الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ کَتَبَ الْوَحْیَ وَحَفِظَ الْقُرْآنَ وَانْقَضَ (ج ۱ ص ۱۲) یہ علماء راسخین سے ہیں۔ کاتب وحی تھے قرآن حفظ تھا۔

لہ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۲۱ لہ تذکرۃ الحفاظ ص ۱۲۱ لہ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۲۱  
لہ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۱ لہ طبقات قسم ۲ ج ۳ ص ۵۹ لہ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۲۱  
لہ استیعاب ج ۱ ص ۱۲۱ لہ طبقات ج ۱ ص ۱۲۱ لہ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۱

(۱۳) معاذ بن جبل - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں ان کو قرآن کا معلم مقرر کیا اور عوام طور سے یہ کہہ دیا کہ ان سے قرآن پڑھو۔ یمن میں قرآن کی تعلیم لینے ان کو بھیجا اور نیز وہاں کا قاضی بھی ان کو مقرر کیا اور چلتے وقت دریافت فرمایا کہ فیصلہ کس طرح کرو گے۔ معاذ نے عرض کیا۔ قرآن سے، اگر قرآن سے حکم نہ معلوم ہوگا تو پھر اپنے اجتہاد سے فیصلہ دوں گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن انھیں یاد تھا۔ ورنہ یہ کہنا کہ فیصلہ قرآن سے دوں گا اور اگر قرآن میں نہ ہو تو رائے سے کروں گا بلا قرآن یاد کئے کیونکر صحیح ہوگا۔ دوسرے ان کو قرآن کا مدرس بنا نا بھی اسی وقت صحیح ہوگا جبکہ انھیں قرآن یاد ہو۔ علاوہ اس کے ان کے حافظ ہونے پر تمام کا اتفاق ہے۔

(۱۴) سعد بن عبید بن نعمان انصاری۔ یہ بھی حافظ قرآن ہیں اور یہ قاری کے لقب سے مشہور ہیں ان کو سعد انصاری کہتے ہیں۔ اسد الثابتین ہے۔ دھواول من جمع القرآن من الانصار۔ یہ انصار میں پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قرآن یاد کیا۔ ۱۵

(۵) مسلمہ بن مخلد بن الصامت - مجاہد کہتے ہیں کہ میں سمجھا تھا کہ مجھے قرآن تمام سے اچھا اور بہتر یاد ہے۔ لیکن سلت نے جب صبح کی نماز میں پوری سورۃ بقرہ پڑھی اور اُس میں کسی قسم کی غلطی نہ کی تو میں سمجھا کہ اُن کو بھی عمدہ یاد ہے۔ ۴۵

(۱۶) عثمان بن عفان - ابن سیرین کا بیان ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیا کرتے تھے ۛ

أَحَدُ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَعَرَضَ عَلَيْهِ  
الْقُرْآنَ الْمُعَيَّزَةُ بْنُ إِبْنِ شَهَابٍ الْحَزْرِيُّ وَالْبُعَيْدِيُّ الرَّحْمَنِيُّ زَيْدُ بْنُ حُبَيْشٍ وَأَبُو الْأَسْوَدِ الدُّدِّيُّ  
(١) (مفتاح ج ١ ص ٢٤)

ترجمہ: منجملہ ان لوگوں کے جنہوں نے رسالت مآب کے زمانے میں قرآن جمع کیا تھا حضرت عثمانؓ بھی ہیں۔ اُن کو مغیرہ، ابو عبد الرحمن، زربن جیش اور ابوالا سودی نے قرآن سنایا۔

(۱۶) عبداللہ ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں ہی ان کو قرآن پڑھانے پر مقرر فرمایا تھا۔ یہ سخاوی کی دستورالاعلام میں ہے۔ ابن مسعودؓ والصحابی الجلیل الکثیر المناقب أحد القراء الأربعہ عشر وعلماء الصحابة یعنی ابن مسعود جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جو بڑے کمالات کے جامع ہیں منجملہ چودہ حفاظ قرآن کے ایک یہ بھی ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں قرآن کا جو دور کیا تھا یہ اس میں شریک تھے عرفات میں کوفہ کا ایک شخص خلیفہ دوم سے ملا اور کہا کہ کوفہ میں ایک شخص ہے جو اپنے یاد سے قرآن پڑھتا ہے

۱۵ استیعاب - ۱۶ استیعاب ج ۱ ص ۲۸۳ ۱۷ تهذیب التهذیب ج ۱ ص ۲۸۳ ۱۸ استیعاب ج ۱ ص ۲۸۳ ۱۹ بخاری مناقب -

یا نقل کرتا ہے اس پر خلیفہ دوم نے نہایت غضبناک ہو کر فرمایا وہ کون شخص ہے۔ اُس نے عرض کیا ابن مسعود اس نام کو سن کر خلیفہ دوم کا غصہ فرو ہو گیا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ خلیفہ دوم کے عہد میں قرآن کے یاد سے پڑھانے کا رواج نہ تھا بلکہ دیکھ کر پڑھا جاتا تھا یا محض یاد سے قرآن لکھنے کا رواج نہ تھا۔

(۱۸) سالم مولیٰ ابی مذیفہ۔ انھیں بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں قرآن کا معلم مقرر کیا تھا۔ مؤرخین نے حفاظ قرآن کی فہرست میں ان کا نام بھی لکھا ہے۔

(۱۹) أَبُو بَكْرٍ الصَّدِيقُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نَصَرَ الْأَمَامَ أَبُو الْحَسَنِ الْأَشْعَرِيَّ عَلَى حِفْظِ الْقُرْآنِ وَاسْتَدَلَّ عَلَى ذَلِكَ بِدَلِيلٍ لَا يُرَدُّ وَهُوَ أَنَّهُ صَحَّ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ يَوْمَ الْقَوْمِ أَفْرَأَهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ وَكَثْرَتِهِمْ قُرْآنًا وَتَوَاتُرَ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَدَّمَ لَهُ لِلْإِمَامَةِ وَلَمْ يَكُنْ لِيَا مَرْبَا مَرْتَمٌ يُخَالَفُهُ بِلَا سَبَبٍ۔

ترجمہ :- ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے امام ابو الحسن اشعری نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حافظ قرآن ہونے کی تصریح کی ہے کیونکہ آنحضرت نے قانون مقرر کیا تھا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہ نماز میں امام ہو۔ پھر آنحضرت نے دیگر ایسے صحابہ کی موجودگی میں کہ جنہیں قرآن یاد تھا حضرت ابو بکرؓ کو نماز کا امام مقرر فرمایا تو اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو پورا قرآن یاد تھا۔

(۲۰) عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَرَضَ الْقُرْآنَ عَلَى الشَّيْبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مِنَ الَّذِينَ حَفِظُوا الْقُرْآنَ أَجْمَعَ بِلَا شَكٍّ عِنْدَنَا وَقَدْ أَبْعَدَ الشَّعْبِيُّ فِي قَوْلِهِ أَنَّهُ لَمْ يَحْفَظْهُ قَالَ يَحْيَى بْنُ أَدَمَ قُلْتُ لَابِي بَكْرٍ بِنِ عِيَّاشٍ يَقُولُونَ أَنَّ عَلِيًّا لَمْ يَقْرَأِ الْقُرْآنَ فَقَالَ أَبْطَلَ مَنْ قَالَ هَذَا۔

ترجمہ :- علی ابن ابی طالب حضرت علی نے تمام قرآن آنحضرت سے پڑھا اور منجملہ ان کے جنہیں پورا قرآن یاد تھا یہ بھی ہیں۔ امام شعبی کو اُس شخص پر نہایت ہی حیرت ہے جو کہتا ہے کہ حضرت علی کو پورا قرآن یاد نہ تھا۔ یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ میں نے ابو بکر بن عیاش سے دریافت کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی کو قرآن یاد نہ تھا کہا کہ یہ قول باطل ہے۔

ترمذی کی جلد ثانی میں ہے کہ حضرت علی نے آنحضرت سے اپنے سورہ حفظ کی شکایت کی اور عرض کیا کہ قرآن مجھے یاد نہیں رہتا۔ آنحضرت نے ایک دُعا بتلائی۔ بعد میں حضرت علی پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ پہلے چار آیت بھی یاد نہیں ہوتی تھیں اور اب اس دُعا کے پڑھنے کے بعد سے چالیس آیات اس طرح سے نہایت عمدہ یاد ہو جاتی ہیں کہ گویا قرآن میرے سامنے رکھا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

حضرت علی نے قرآن یاد کیا تھا۔

(۲۱) تَمَرُّ بْنُ الْخَثَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ بَسَنَدٍ صَحِيحٍ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ عَلَى عُمَرَ أَرْبَعَ

مَرَّاتٍ لِيَ ابْنِ الْعَالِيَةِ كَيْتَ هِيَ فِي مِثْلِ هَذِهِ عُمَرُ كَوَاجِرَ بَارِئِ الْقُرْآنِ سُنَّيَا۔

(۲۲) طلحہ رضی اللہ عنہ (۲۳) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۲۴) حذیفہ بن الیمان رضی اللہ

عنہ (۲۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (۲۶) عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ (۲۷) ابو علیہ معاذ رضی اللہ عنہ

(۲۸) مجمع بن حارثہ رضی اللہ عنہ (۲۹) فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ۔

(۳۰) أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حَفِظَ الْقُرْآنَ وَعَرَضَهُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ (مفتاح ج ۱ ص ۳۵۵)

ابو موسیٰ الاشعریؓ۔ تمام قرآن حفظ کیا اور آنحضرت کو سنایا۔

(۳۱) عمر بن العاص رضی اللہ عنہ (۳۲) سعد بن عباد رضی اللہ عنہ (۳۳) عبد اللہ بن عباس رضی

اللہ عنہ (۳۴) ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ (۳۵) عبد اللہ بن ذوالجناہ رضی اللہ عنہ (۳۶) عبید

بن معاویہ بن زید بن ثابت (۳۷) ابو زید فہرست ابن ندیم۔

ان کے علاوہ اُس وقت کے حفاظ کا پتہ اس سے چلتا ہے اور صحابہ میں حفاظ قرآن کی تعداد پر

اس سے کافی روشنی پڑتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سرداران لشکر کو لکھا کہ ہر شخص اپنے

اپنے یہاں کے حفاظ قرآن کی فہرست مرتب کر کے بھیجے تاکہ میں اُن کے مرتبہ کے موافق بیت المال

سے اُن کا وظیفہ مقرر کروں اور بلاد اسلامیہ میں انھیں تعلیم قرآن کے لئے بھیجوں۔ حضرت موسیٰ اشعری

نے تنہا اپنے یہاں سے تین سو سے کچھ اوپر کی فہرست دی۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۱۷)

نساء (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۲) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (۳) ام سلمہ رضی اللہ

عنہا (۴) ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا۔ ابوداؤد میں ہے۔ وکان قد قرأ القرآن (باب

امامة النساء) یعنی ام ورقہ نے پورا قرآن پڑھا تھا۔

نمبر ۱۹ سے آخر تک کے نام۔ ابن حجر نے بخاری کی شریعت میں اور علامہ عینی نے شرح بخاری

میں اور اتقان میں علامہ سیوطی نے مع حوالہ نقل کئے ہیں۔ علامہ ذہبی طبقات القراء میں لکھتے ہیں۔

فَأَمَّا مَنْ حَفِظَهُ كُلَّهُ مِنْهُمْ وَعَرَضَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِئْرَةٍ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ

مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَدَبُوا لِإِقْرَائِهِ وَأَنْتَصَبُوا لِأَدَائِهِ فَكَانَ مِنْ جُمْلَتِهِمْ سَبْعَةٌ أُمَّةٌ

أَعْلَامٌ وَادَّتْ عَلَيْهِمْ أَسَانِيدُ الْقُرْآنِ۔ یعنی صحابہ میں جن کو پورا قرآن یاد تھا اور آنحضرت کو بھی

انھوں نے تمام سنایا تھا وہ جلیل القدر صحابہ کی ایک ایسی جماعت تھی جو قرآن کو پڑھاتی تھی منجملہ

اُن ہی کے قرار سے بھی ہیں جن کی سند سے آج تک قرآن تمام بلاد اسلامیہ میں پڑھایا جاتا ہے۔

علامہ ذہبی کے جو فن تاریخ خصوصاً رجال کے بڑے ماہر ہیں اور صحابہ کے حالات سے بڑے واقف ہیں اور تذکرۃ الحفاظ ان ہی کی ہے۔ اس کلام سے ثابت ہوا کہ صحابہ میں بہت سے صحابی وہ تھے جو قرآن کے حافظ تھے اور محض حافظ ہی نہ تھے بلکہ آنحضرت کو بھی پورا قرآن سنایا تھا اور پھر انہی سے تمام دنیا میں قرآن شائع ہوا آج جو قرآن پڑھایا جاتا ہے یہ وہی ہے جو ان صحابہ نے پڑھایا ہے اور ان کو آنحضرت نے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام قرآن آنحضرت ہی کے عہد میں مرتب تھا۔ امام بخاری وغیرہ نے جو انس سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ابی بن کعب، معاذ، زید، ابو زید۔ ان چار کے سوا کسی نے قرآن جمع نہیں کیا تھا اور دوسرا بیان انس سے یہ بھی ہے کہ ان چار نے قرآن جمع کیا اور بجائے ابی کے بعض نے انس سے ابوالدرداء کا نام نقل کیا ہے۔ یہ بیان ظاہر میں ذہبی کے اس بیان کے مخالف ہے کہ صحابہ میں علاوہ دیگر صحابہ کے ایک جماعت صحابہ کی ایسی تھی جنہیں پورا قرآن حفظ تھا اور انہوں نے آنحضرت کو پورا قرآن سنایا ہی تھا، جن میں سات قرار سے بھی ہیں اور نیز ہماری اس تحقیق کی بھی مخالف ہے کہ صحابہ میں حفاظ قرآن بہت تھے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ روایت انس کی صحیح ہے مگر یہ روایت اس تحقیق کے مخالف ہرگز نہیں ہے۔ ہاں اگر اس روایت میں، یہ ہوتا کہ ان چار نے قرآن حفظ کیا تھا تو البتہ مخالف تھے مگر اس روایت میں تو یہ ہے کہ ان چار نے جمع کیا تھا اور جمع کے معنی لنت میں یکجا اور اکٹھا کرنے کے ہیں۔ بخاری میں ہے۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ تَالَيْفُ بَعْضِهِ اِلَى بَعْضٍ فَاِذَا قُرِئَتْ فَاتَّبَعُوهُ قُرْآنَهُ فَاِذَا جَمَعْنَاهُ وَالْقُرْآنُ فَاتَّبَعُوهُ قُرْآنَهُ اَيَّ مَا جَمَعُوْهُ فِيْهِ وَيَقَالُ لَيْسَ لِيْشِعْرُهُ قُرْآنُ اَيَّ تَالَيْفٍ۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ یا حضرت ابوبکرؓ کو جامع القرآن مشہور کرتے ہیں۔ انس کے اس کلام کا حاصل صرف یہ ہے کہ ان چار نے عہد مبارک میں قرآن کو لکھ کر جمع کیا تھا۔ جیسا اسی حدیث میں انس کے اس کہنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوزید کے مرنے کے بعد چونکہ ان کی اولاد میں کوئی نہ تھا اور میں اُن کا رشتہ دار تھا اس لئے اُن کا قرآن مجھے ترک میں ملا اور میں اس کا وارث ہوا۔ حدیث بخاری کے الفاظ یہ ہیں :- قَالَ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَجْمَعْ الْقُرْآنَ غَيْرُ أُمِّ بَعَةَ ابْنِ الدَّرْدَاءِ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ. وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو زَيْدٍ. قَالَ دَفَعْنِي وَرِثَتَاهُ. یعنی آنحضرت کا انتقال ہوا اور ان چار کے سوا کسی نے قرآن جمع نہیں کیا تھا۔ ابوالدرداء، معاذ، زید، ابوزید۔ اور ابوزید کے قرآن کا وارث میں ہوا جو انس کے اس کلام سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان چار کے سوا کسی کو قرآن یاد نہ تھا اُن کا موروثی پر غور کرنا لازم ہے تاکہ وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہوں اور اس فحش غلطی سے محفوظ رہیں۔

(۱۱) جمع کے معنی ضم اور تالیف کے ہیں۔ جو کتابت کے ہم معنی ہے نہ حفظ اور یاد کے البتہ حفظ

پر جمع کا استعمال مجاز ہے نہ حقیقت اور اصل یہ ہے کہ ہر لفظ کے معنی اول حقیقی لیں گے۔ ہاں کسی وجہ سے حقیقی معنی کا لینا صحیح نہ ہو تو دوسرے مجازی معنی لے سکتے ہیں یہاں کوئی وجہ ایسی نہیں کہ معنی حقیقی جمع کے نہ لیں۔ بلکہ معنی حقیقی نہ لینے میں یہ روایت غلط ہوگی۔ کیونکہ حفاظ قرآن صحابہ میں چار کے سوا بہت تھے جیسا کہ علامہ ذہبی بیان کرتے ہیں۔

(۲) اگر جمع کے معنی یہاں حفظ کے لئے جائیں اور کہا جائے کہ حافظ قرآن چار تھے تو اس وقت میں انس کا یہ کہنا غلط ہوگا جیسا ہمارے اس بیان سے واضح ہے اور یہ خیال ممکن ہے کہ انس کو ان چار کے سوا کی یاد کا علم نہ ہو۔ اور انس نے اپنے علم کے مطابق ان چار کا نام لیا ہو تو اس کے متعلق صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ انس کے اس بیان میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ انس کو اپنی معلومات کی حکایت اور بیان مقصود ہے نہ ایک انجبات کا ظاہر کرنا مقصود ہے اور اگر اس قسم کے معنی کی مؤرخ کے کلام میں گنجائش ہو اور تاریخ کے یہی معنی ہوں کہ مؤرخ اپنے علم اور معلومات کو ظاہر کرے تو پھر کبھی کسی مؤرخ سے تاریخی غلطی ممکن نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ یہ روایت غلطاً عیسیٰ کی جاوے اس لئے کہ حفاظ قرآن کا چار سے زیادہ ہونا ایسا یقینی اور مضبوط ہے کہ اس میں کسی قسم کے احتمال اور شک شبہ کی راہ باقی نہیں۔

(۳) انس کا ابوزید کے متعلق یہ کہنا دَنَحْنُ دَرِشْنَاهُ یعنی ہم اُس کے قرآن کے وارث ہوئے اس امر کی روشن شہادت ہے کہ انس کی غرض یہ ہے کہ ان چاروں نے عہد مبارک میں تمام وکمال قرآن لکھ کر جمع کیا تھا اور ابوزید کے لکھے ہوئے قرآن کے انس وارث ہوئے۔ کیونکہ انس ابوزید کے ورثہ دا تھے۔ اس لئے ابوزید کا لکھا ہوا قرآن انس کو ملا اور ان کے ترکہ کے وارث انس ہوئے اور یہ اس لئے کہ ابوزید کے بعد کوئی اُن کا وارث انس سے قریب تر نہ تھا۔ انس کے اس کلام کے اگرچہ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ انس ابوزید کے مال کے وارث ہوئے نہ قرآن کے لیکن اس صورت میں انس کا یہ کلام پہلے کلام سے بے تعلق ہوگا اور اس جملہ کو پہلے کلام سے کوئی رابطہ نہ ہوگا اور وراثت قرآن اگر مراد ہو تو اس میں چاروں کے لکھنے پر شہادت ہوگی اور جمع کے معنی کی توضیح ہوگی کہ اس کے معنی لکھنے کے ہیں نہ یاد کے۔ اور انس کا یہ مقصود ہوگا کہ ان چاروں نسخوں میں سے ایک مجھ تک بھی پہنچا تھا جس کو میں نے بچشم خود دیکھا جس سے غرض روایت کی توثیق ہے۔ پھر ظاہر اور مرتبط کلام اور معنی سے گریز کر کے ایسے معنی لینا جو بے تعلق اور غیر مفید ہیں اس کی کوئی وجہ نہیں۔

(۴) ابی بن کعب، ابن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ اُن حفاظ میں ہیں جن کا نام حفاظ کی فہرست میں شہرے حرفوں میں مولے قلم سے سب فہرست تھا۔ مدینہ والوں میں کوئی ایسا نہیں ہو سکتا جو ان کے اس کمال سے ناواقف ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعلان



دے دیا تھا کہ پہلے انھیں سے لوگ قرآن پڑھیں اور اُقرأنا اُبی کا خطاب بھی آپ عہد فرمائیے تھے اور اُبی کے اس خطاب سے بھی کوئی ناواقف نہ تھا۔ انسؓ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم اور ہر وقت کے حاضر باش تھے تعجب ہے کہ اُبی سے واقف نہ ہوں اور ایسا کہیں کہ ان چاروں کے سوا کوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں حافظ قرآن نہ تھا۔

(۵) انسؓ کا یہ بیان مختلف ہے۔ قتادہؓ نے اپنی روایت میں چار شخصوں کا نام لیا ہے ان میں ابی ہیں لیکن ثابت کی روایت میں بجائے ابی کے، ابوالدرداء ہیں۔ دوسرے قتادہؓ نے اپنی روایت میں انھیں چار میں حصہ نہیں کیا؛ ثابت نے حصہ کیا ہے۔ دونوں روایتیں بخاری میں موجود ہیں۔ باقی انسؓ کا ان چار کو خاص کرنا اور یہ کہنا کہ انہی چار نے قرآن لکھا تھا حالانکہ اور بھی صحابہ ایسے تھے جنہوں نے پورا قرآن لکھا تھا۔ اس کی مفصل بحث آئندہ معلوم ہوگی۔

## قرآن کی کتابت

یہاں تین امر قابل بحث ہیں۔ (۱) قرآن کے لکھوانے میں جن امور کی ضرورت تھی وہ آلات اُس وقت تھے یا نہیں (۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ امر ضروری تھا یا نہیں کہ مسلمان قرآن کو تمام و کمال لکھتے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود تمام قرآن کو لکھواتے (۳) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اس وقت کے مسلمانوں نے قرآن کو لکھا یا لکھوایا تھا یا نہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آلات کتابت کا ہونا۔ کتابت میں دوام کا ہونا ضروری پہلا امر ہے۔ اول ایسے اشخاص جو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں دوسرے وہ شے جس پر لکھا جاسکے۔ عرب میں گو کتابت کا فن کم تھا اور اس کا زیادہ رواج نہ تھا لیکن اہل مکہ میں کچھ لوگ اس کو ضرور جانتے تھے اور اور جگہوں سے یہاں اس کا رواج زیادہ تھا۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۷۱ میں ہے کہ اہل مکہ کتابت جانتے تھے۔ اور اہل مدینہ واقف نہ تھے۔ علامہ شبلی کے الفاروق میں ہے کہ صرف قریش میں ۱۷ آدمی لکھنا جانتے تھے۔ غرض مسلمانوں میں بہت سے وہ لوگ تھے جو اسلام کے پہلے سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہاں طبقات ابن سعد سے بعض کے نام ہم بھی لکھتے ہیں۔

(۱) ابونیس بن حیر اسمہ عبدالرحمان یکتب بالعرَبیَّة قبل الاسلام وکانت الکتابۃ فی العرب قلیلاً۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص ۲۷۲۔ یہ اسلام کے پہلے ہی سے لکھنا جانتے تھے حالانکہ اُس وقت اس کا رواج کم تھا۔

(۲) وکان اُبی یکتب فی الجاہلیۃ قبل الاسلام وکانت الکتابۃ فی العرب قلیلاً۔ طبقات قسم ثانی ج ۳ ص ۵۹۔ اُبی، اسلام کے پہلے سے لکھنا جانتے تھے جبکہ اس کا رواج کم تھا۔

(۳) سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ يَكْتُبُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَتْ الْكِتَابَةُ قَلِيلًا طَبَقَاتِ قِسْمِ ثَانِي ج ۳ ص ۷۷  
سعد اسلام کے قبل سے لکھنا جانتے تھے جبکہ اس کا رواج کم تھا۔

(۴) شَهْرُ بْنُ سَعْدٍ يَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَتْ الْكِتَابَةُ فِي الْعَرَبِ قَلِيلًا...  
طبقات قسم ثانی ج ۲ ص ۸۳ شہر اسلام کے پہلے سے لکھتے تھے جبکہ اس کا رواج کم تھا۔

(۵) عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ يَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ قَبْلَ الْإِسْلَامِ طَبَقَاتِ قِسْمِ ثَانِي ج ۳ ص ۸۵ ابن زید اسلام  
کے پہلے سے لکھتے تھے۔

(۶) ادس بن خولی يَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ قَبْلَ الْإِسْلَامِ طَبَقَاتِ قِسْمِ ثَانِي ج ۳ ص ۱۰۱ ادس اسلام  
کے قبل سے لکھنا جانتے تھے۔

(۷) الْمُنْذِرُ بْنُ عَمْرٍو يَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ قَبْلَ الْإِسْلَامِ طَبَقَاتِ قِسْمِ ثَانِي ج ۳ ص ۱۰۲ منذر  
اسلام کے قبل سے لکھنا جانتے تھے۔

(۸) أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ يَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ طَبَقَاتِ قِسْمِ ثَانِي ج ۳ ص ۱۰۳ -  
اسید کفرہی کے وقت میں لکھنا جانتے تھے۔

(۹) سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ طَبَقَاتِ قِسْمِ ثَانِي ج ۳ ص ۱۰۴  
سعد کفرہی میں لکھ لیتے تھے۔

(۱۰) رَافِعُ بْنُ مَالِكٍ مِنَ الْكَلْبَةِ وَكَانَ الْكَامِلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ الَّذِي يَكْتُبُ وَيُحْسِنُ الْعُومَ  
وَالرَّحْمَى وَكَانَ رَافِعٌ كَذَلِكَ وَكَانَتْ الْكِتَابَةُ فِي الْقَوْمِ قَلِيلًا طَبَقَاتِ قِسْمِ ثَانِي ج ۳ ص ۱۰۵

علاوہ ان دس کے اور بھی صحابہ میں بہت سے تھے جو لکھنا اسلام کے پہلے سے جانتے تھے جن میں خلفاء  
اربعہ بھی ہیں۔ اب اس کے بعد پیام بھی قابل لحاظ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر سب میں اول جو  
نازل ہوا تھا اس میں یہ بھی ہے۔ اِقْرَأْ وَذُرْكَ الْاَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ  
یعنی خدا ایسا کریم ہے جس نے تحریر کے ذریعہ سے وہ باتیں بتلائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔ یہاں  
مسلمانوں کو سب میں پہلے اس انعام پر توجہ دلائی گئی کہ اُن کو لکھنا بتلایا جس سے صاف ظاہر ہے  
کہ انسان کے تمام کمالات میں یہ اعلیٰ اور مقدم ہے اور اسی آیت سے یہ بھی قطعاً ثابت ہے کہ  
مسلمانوں کو سب میں پہلے اسی کو حاصل کرنا چاہیے اور وہ تحریر کو اوروں سے پہلے حاصل کریں۔  
ہجرت کے قبل مکہ میں مسلمانوں نے اس حکم کی تعمیل کی یا نہیں اگرچہ تاریخی صفحات اس کے جواب  
میں ساکت ہیں لیکن جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ لکھنا پڑھنا ایسا کمال ہے کہ ہر انسان میں فطرتی اس کا  
ذوق اور میلان ہے اور مکہ میں ایسے آدمی خود اہل اسلام میں بھی تھے جو اس کو جانتے تھے۔ پھر ایسی صورت

سے رافع اہل کمال سے تھے اور اس وقت کامل وہ شخص شمار کیا جاتا تھا جو لکھنا جانتا ہو اور تیر اندازی میں کمال رکھتا ہو۔

میں مذہب کی طرف سے بھی جب مسلمانوں کو اس کا حکم ملے تو اب ہمارے پاس کوئی سنا ایسی نہیں ہے جس کی رو سے یہ کہا جائے کہ مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہیں کی خصوصاً جبکہ خود تاریخ ہی ہمیں بتاتی ہے کہ مسلمانوں نے باوجود کشاکشی اور سخت رکاوٹ اور مصائب برداشت کرنے کے اپنی مذہبی امور کی کامل پابندی کی۔ جو لوگ واقعات پر ان کے اسباب و علل کی راہ سے پہنچتے ہیں اور فی الحقیقت یہ راستہ نہایت پُر امن اور بلا خوف و خطر ہے جس سے منزل مقصود بہت قریب ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے یہاں یہ راستہ کھلا ہوا ہے اور یہاں سے وہ اس امر پر نہایت آسانی سے پہنچ سکتے ہیں کہ اسلام نے اپنے مکہ کی زندگی میں ضرور ایک جماعت ان لوگوں کی تیار کی جن کو لکھنا پڑھنا آتا ہو۔ مکہ کی زندگی کو اسلام کے لئے نہایت بے اطمینانی اور خطرے کی تھی جس میں ایک لمحہ کے لئے بھی وہ بخوف اور امن میں نہ تھے اس لئے وہ اس کو اگرچہ پوری ترقی نہیں دے سکتے تھے اور نہ کسی ضابطے میں اس کو لایسکتے تھے۔ مگر یہ بھی ناممکن ہے کہ بالکل وہ اس سے غافل رہے ہوں اور اس کی جانب سے بے اعتنائی کی ہو۔ اس کا پتہ ہمیں اس سے بخوبی چلتا ہے کہ مکہ میں ابتدا ہی میں یہ رواج ہو گیا تھا کہ مسلمان قرآن کی تعلیم لکھ کر دیتے تھے اور لکھے ہوئے قرآن کو لوگ پڑھتے تھے۔ دیکھو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے میں موزعین لکھتے ہیں کہ ان کے بہن اور بہنوئی کو ایک صحابی لکھے ہوئے قرآن سے تعلیم دے رہے تھے۔ مگر جس وقت سے اسلام نے اپنی جگہ بدلی اور بجائے مکہ مدینہ میں اپنا دار الخلافہ قرار دیا اُس وقت سے چونکہ بتدریج اس نے امن اور اطمینان کی زندگی میں قدم رکھا۔ اور رفتہ رفتہ ان کا خوف و اندیشہ اطمینان اور امن سے بدلتا گیا اسی لئے صاحب شریعت اسلام نے یہاں پہنچ کر تعلیم کتابت کا بھی باضابطہ انتظام فرمایا اور عبداللہ بن سعید بن العاص کو جن کا خط اچھا تھا اور عمدہ لکھتے تھے اس کام پر مقرر کیا کہ لوگوں کو لکھنا بتائیں۔

غزوہ بدر میں کفار مکہ سے جن کو مسلمانوں نے گرفتار کیا تھا کچھ نے تو اپنی طرف سے فدیہ دیا اور اس طرح انھوں نے رہائی حاصل کی لیکن جن کے پاس کچھ دینے کو مال نہ تھا ان کی رہائی کے لئے یہ قرار پایا کہ ان میں جو عمدہ لکھنا جانتے ہیں ان میں سے ہر ایک مسلمانوں کے دس دس لڑکوں کو اپنے ذمہ لے اور انھیں لکھنے کی تعلیم دے اور خطاطی سکھائے۔ چنانچہ اسی تجویز کے مطابق ہر ایسے شخص نے جسے اس فن میں کمال اور ملکہ تامہ تھا اپنے ذمہ دس دس لڑکوں کو لیا اور اس کی انھیں تعلیم دی اور انھوں نے اپنے متعلقہ کام کو انجام کو پہنچایا تو رہا کر دئے گئے۔ منجملہ ان لڑکوں کے جنھوں نے اُس وقت میں خطاطی سیکھی تھی زید بن ثابت بھی ہیں۔ اور اس وقت مسلمانوں نے اس درجہ اس میں ترقی کی کہ عورتوں کو بھی لکھنے کی تعلیم دینے لگے۔ ابو داؤد میں ہے۔ عَنِ الشَّعَاءِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عِنْدَ حَفْصَةَ فَقَالَ لِي أَلَا تَعْلَمِينَ هَذِهِ رُقِيَّةٌ لِمَلِكَةٍ كَمَا عَلَّمْتُمَا الْكِتَابَةَ۔  
 (کتاب الطب) شفا عبد اللہ کی لڑکی کہتی ہیں کہ آنحضرت میرے پاس تشریف لائے اور میں حضرت حفصہ  
 کے پاس تھی اور مجھ سے فرمایا کہ تو نے اس کو نہ لکھ کر زخیم کا رقیہ یعنی دعا کیوں نہ بتادی جس طرح  
 کہ اس کو لکھنا سکھایا ہے۔ اب خیال کرو کہ آپ کے عہد ہی میں اس قدر اس میں ترقی ہوئی کہ مردوں  
 کے علاوہ عورتیں بھی اس کو جانتی تھیں اور ان میں بھی اس کا رواج ہو گیا تھا۔ اور عربی کے علاوہ بھی ...  
 دوسری زبانوں میں لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔ چنانچہ انہیں زید کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنی  
 کے لکھنے پڑھنے کے سیکھنے کو فرمایا اور سو ان لوگوں کے جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دلائی  
 اور لکھنا سکھایا تھا اور بہت سے ایسے لوگ بھی مسلمان ہوئے تھے جو پہلے سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔  
 مثل علماء یہود اور نصاریٰ کے غرض کہ اس وقت مسلمانوں میں بہت بڑی جماعت وہ تھی جو بخوبی لکھ  
 پڑھ سکتی تھی اور اس میں پوری مہارت تھی۔ ابن عبد البر نے استیعاب کی پہلی جلد ص ۲۱ میں ایسے جوہر  
 لوگوں کے نام لکھے ہیں جن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے پڑھنے کا کام لیتے تھے۔ ابی بن کعب،  
 زید بن ثابت، عبد اللہ بن سعد، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، زبیر بن العوام، خالد، آبان، سعید،  
 حنظلہ، علاء، خالد بن ولید، عبد اللہ بن رواحہ، محمد بن مسلمہ، عبد اللہ بن عبد اللہ بن سلول، مغیرہ بن  
 شعبہ، عمرو بن العاص، معاویہ بن سفیان، جہم بن الصلت، معقیب بن فاطمہ، شریک بن حسنہ،  
 عبد اللہ بن ارقم الزہری۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا کام لیا کرتے تھے  
 اور کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کے علاوہ بھی ایسے ہوں جو لکھنا جانتے ہوں۔ اب قرآن نہ لکھنے کے لئے یہ عذر  
 نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص اس وقت لکھنا نہیں جانتا تھا کیونکہ اس وقت اُن کی کافی تعداد تھی۔ رہا  
 آلات کتابت میں سے دوسری شے یعنی وہ چیز جس پر قرآن لکھا جاتا وہ بھی اُس وقت میں تھی یا نہیں اس  
 میں شک نہیں کہ کاغذ اُس وقت عرب میں رائج نہ تھا۔ کاغذ کے ایجاد کی ابتدا تاریخ سے معلوم نہیں  
 ہوتی مگر زیادہ مؤرخین کا خیال ہے کہ عیسوی سال کے دو سال قبل چین میں اس کا رواج پا گیا ہے اس  
 کے بعد چین ہی سے تمام دنیا میں پہنچا۔ سب سے پہلے چین سے عرب میں آیا اور فضل بن یحییٰ برمکی یا  
 حجاج بن یوسف کی رائے سے عرب میں بنایا گیا اور پھر عرب سے دیگر بلاد میں گیا۔ بہر حال کاغذ زمانہ  
 نبوت اور خلافت راشدہ میں نہ تھا اور یہ جو فہرست ابن ندیم میں ہے کہ محمد بن اسحاق نے اپنے  
 ایک دوست کے کتب خانہ میں یحییٰ بن یعمر کے ہاتھ کے کچھ نحوی مسائل کاغذ پر لکھے ہوئے دیکھے اور یہ  
 وہ مسائل تھے جن کو ابوالاسود دہلی نے جمع کیا تھا۔ اس کی نسبت اول تو محمد بن اسحاق کا یہ خیال ہے کہ  
 وہ چینی کاغذ پر تھا۔ دوسرے یہ صحابہ کے بعد میں ہے کیونکہ یحییٰ بن یعمر صحابی نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اگر

لے لکھ پڑیا میں ہے کہ سندھ میں کاغذ عرب میں آیا اور یہ زمانہ حجاج بن یوسف کا ہے۔

۱۵. بخاری کتاب الاذان و فضائل القرآن -

عبداللہ بن عمروؓ اور حفصہ ام المومنین کے پاس بھی تھا یہ حنظلہ کہتے ہیں کہ میں طاؤس کے ہمراہ اُس قوم پر گزرا جو قرآن کو بیچتے تھے۔ اس پر طاؤس نے انا اللہ پڑھا۔ فاروق اعظم کے پاس بھی قرآن تھا۔ ۴۵ ناجیۃ الطفا دی صحابی کا یہی کام تھا کہ وہ مصحف لکھا کریں ۴۶ ایک شخص نے قرآن میں ہر ایک آیت کے ہمراہ اُس کی تفسیر بھی لکھی۔ خلیفہ دوم نے اس مصحف کو ضائع کر دیا۔ خلیفہ موصوف نے نیز ایک اور دوسرے شخص کو دیکھا کہ قرآن ہر ایک قلم سے لکھا ہے اُسے تنبیہ کی اور فرمایا کہ قرآن کی غطت چاہیے۔ عقبہ بن عامر صحابی کا لکھا ہوا قرآن ابن یونس نے مصر میں دیکھا ہے ۴۷ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ایک مصحف مطلقاً دیکھا تو فرمایا قرآن کی بہتر زینت تلاوت ہے ۴۸ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مصاحف لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمایا تمہیں یہ فریب نہ دیں خدا ایسے شخص کو عذاب نہ دے گا جسے قرآن یاد ہو ۴۹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا مصحف کو ہر ایک قلم سے لکھ کر چھوٹا نہ کرو۔ عبداللہ بن نافع سے حضرت ام سلمہؓ نے قرآن لکھوایا۔ ابوالدرداء صحابی کے ہمراہ خلافت عمری میں دمشق سے ایک گرو آیا تاکہ وہ اپنا اپنا لکھا ہوا قرآن، ابی، زید، علی وغیرہ اہل مدینہ کو دکھائیں ۵۰

اب اگر کوئی شے کاغذ کے سوا عرب میں نہ ہوتی تو پھر اس قدر کثرت سے مصاحف کا لکھا جانا کیونکر ممکن تھا۔ اصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں چمڑے یا کپڑے پر روغن دے کر بجائے کاغذ کے استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ علامہ ابن خلدون مغربی نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ اب اس امر میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے کہ عہد نبوت میں لکھنے والے اور وہ شے جس پر لکھا جائے موجود تھی اور لکھنے والے بھی ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں کی تعداد میں تھے اور وہ مصحف بھی جن پر لکھتے تھے بکثرت ملتے تھے۔ اور یہ خیال کہ صحف اگرچہ اس وقت میں تھے لیکن عرب میں ان کا رواج نہ تھا۔ خلفاء کے زمانے میں جب فتوحات ہوئیں اور مسلمان دوسرے ملکوں میں گئے تو وہاں سے صحف لائے اور عرب میں ہوں بھی تو ممکن ہے کہ وہ اس قدر قیمتی ہوں جسے مسلمان اپنے افلاس کی وجہ سے استعمال نہ کرتے ہوں۔ گو ایک ناواقف کو یہ خیال ہو لیکن جس نے تاریخ دیکھی ہے وہ کبھی ایسا الغو خیال نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ خلیفہ اول نے اپنے عہد میں ابتداء ہی میں قرآن کو صحیفوں میں لکھوایا اور اُس وقت تک مسلمان کسی ایسے نئے ملک میں داخل نہیں ہوئے تھے جہاں پہلے سے اُن کی آمد و رفت نہیں تھی بلکہ اُس وقت

۱۵ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۱۶ طبقات قسم ۲ ج ۵ ص ۲۵۰ ۱۷ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۱۸ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۱۹ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۲۰ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۲۱ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۲۲ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۲۳ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۲۴ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۲۵ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۲۶ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۲۷ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۲۸ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۲۹ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۳۰ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۳۱ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۳۲ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۳۳ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۳۴ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۳۵ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۳۶ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۳۷ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۳۸ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۳۹ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۴۰ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۴۱ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۴۲ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۴۳ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۴۴ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۴۵ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۴۶ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۴۷ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۴۸ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۴۹ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰ ۵۰ طبقات قسم ۲ ج ۴ ص ۲۵۰

تک انہیں ملکوں میں داخل ہوتے تھے جن میں قبل سے عربوں کی آمدورفت اور تجارت وغیرہ تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہجرت کے بعد سے بہت سے ملک اسلامی سایہ میں پناہ لے چکے تھے اور اب مسلمانوں کی ایسی حالت نہیں رہی تھی کہ وہ صحیفوں کی قیمت نہ رکھتے ہوں بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ صحابہ میں بعض وہ بھی تھے جو بڑے مالدار تھے اور ابتدا ہی سے اسلام کے حامی اور ناصر تھے جنہوں نے تنہا مسلمانوں کی ایسی امداد کی کہ اس وقت بھی بڑے سے بڑے مالدار سے ناممکن ہے۔

**دوسرا امر** | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ ضروری تھا یا نہیں کہ رسول خدا اور نیز مسلمان قرآن کو پورا لکھتے۔

قرآن مسلمانوں کے اعتقاد میں آسمانی کتاب ہے جس پر ان کے مذہب کی عمارت قائم ہے۔ اسلام کا دار و مدار اور اس کی بنیاد قرآن ہے۔ یہی قرآن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا زندہ نشان ہے اور اسلام کی حقانیت کا روشن آفتاب۔ اسلام کے احکامات اور ہدایات کا سرچشمہ اور منبع قرآن ہی ہے اور اسی کی تبلیغ کے واسطے آپ دنیا میں بھیجے گئے اور اسی کی اشاعت اور تعلیم آپ کا اصلی منصب اور کام تھا۔ اس لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز ہر ایک مسلمان کا فرض اولیٰ یہ تھا اور جو کہ قرآن کی پوری اور کامل حفاظت کرے۔ کیونکہ اسلام کی موت و حیات اور اس کا بقا صرف قرآن کی حفاظت پر منحصر ہے۔ قرآن کی حفاظت اسلام کی حفاظت ہے اور قرآن کی موت اسلام کی موت ہے اور مسلمان دنیا میں جس قدر پھلے پھولے وہ قرآن کی وجہ سے۔ اگر وہ اپنے مذہب کی اشاعت کر سکتے ہیں تو قرآن کی وجہ سے اگر ان کے ہاتھ میں صداقت کا کوئی نشان ہے تو وہ قرآن ہے۔

اب ایسی صورتیں یہ ناممکن ہے کہ عہدِ اول کے مسلمانوں نے قرآن کی حفاظت میں کسی قسم کی کمی کی ہو اور قرآن کی حفاظت کے جواہر دوسرائیں ہیں ان میں سے کسی کو چھوڑا ہو۔ کیونکہ موافق اور مخالف دونوں کو یہ اقرار ہے اور تاریخ بھی اس پر گواہ ہے کہ اپنے مذہب کی حفاظت اور حمایت میں جو کار نمایاں مسلمانوں کے ہیں اور جان و مال، راحت و آرام کی جس قدر قربانیاں مسلمانوں نے کیں اور مزاحمت کرنے والوں کا جو مقابلہ اہل اسلام نے کیا کوئی مذہب اس کے مقابلہ میں اپنے فرزندوں میں کسی کو ایسا پیش نہیں کر سکتا جس نے مسلمانوں کی طرح سے اپنے مذہب کے لئے ایثار کیا ہو۔ اور کوئی اہل اسلام کے سامنے اس میدان میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔

بانی اسلام کے تمام اقوال و افعال کا مجموعہ مسلمانوں نے جس طرح تیار کیا اور اس کی تنقید اور تصحیح کی کیا کوئی مذہب اسلام کے سوا بھی اپنے بانیوں کی ایسی مکمل اور منضبط تاریخ لاسکتا ہے۔ پس جس مذہب نے اپنے مذہب کے بانی کے اقوال اور افعال کی اس درجہ حفاظت کی ہو کہ اس میں وہ خود بھی ہرگز ہلکا ہونے کا خطرہ کے طور پر بھی یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ اس نے آسمانی

کتاب کی حفاظت میں کسی قسم کا قصور کیا ہوگا یا اس کا ایک حرف یا نقطہ بھی ضائع ہونے دیا گیا ہوگا۔

اب یہ امر البتہ متفق طلب ہے کہ کسی کتاب یا کلام کی کامل حفاظت اور پوری حمایت کا کیا ایسا ذریعہ ہے جو لائق اعتبار ہو اور جس پر ایسا وثوق اور اعتماد ہو سکے جس میں تمام شک و شبہات کے راستے بند ہو جائیں اور عین الیقین کے اول درجہ پر ہو۔

کتابوں وغیرہ کی حفاظت کے دو طریقے ہیں۔ اول یہ کہ ان کو سینہ کے صفحات میں جگہ دی جائے اور اس میں ان کو بند کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ قرطاس میں انھیں جمع کر کے محفوظ رکھا جائے۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ پہلی صورت بھی (یعنی یہ کہ کتاب لوگ یاد کر لیں) حفاظت کا ذریعہ ہے۔ لیکن انسان خواہ وہ کیسا ہی حافظ قوی اور مستحکم رکھتا ہو مگر بھول چوک سے جو انسان کے لوازمات سے اور اس کے خواص سے ہے کبھی پاک اور بالکلید جدا نہیں ہو سکتا اور اس میں کسی کی کوئی تفصیص نہیں بلکہ تمام انسان اس میں یکساں شریک ہیں خواہ وہ نبی ہو یا ولی یا فلاسفر ہو یا عامی۔ اب میں یہاں چند واقعات ایسے لکھتا ہوں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سہوا درنسیان کا ہونا ظاہر ہو۔ اور نیز اس سے یہ نتیجہ بھی بسہولت حاصل ہوتا ہے کہ جب آنحضرت کو خود سہوا درنسیان ہوا تو ایسی حالت میں آنحضرت وحی الہی اور قرآن کو محض حافظ کے حوالے نہیں فرما سکتے تھے یہ تو ایک معمولی شخص سے بھی بعید ہے۔ اور آپ کی شان تو نہایت ہی اعلیٰ اور ارفع ہے۔

ابوداؤد میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بھول ہوئی۔ ایک صحابی کے یاد دلانے پر آپ نے سجدہ سہو کرنے کے بعد فرمایا۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُوْنِی۔ تمہیں جس طرح بھول ہوتی ہے مجھ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ میں بھی انسان ہوں۔ جب مجھ سے بھول ہوا کرے یاد دلادیا کرو۔

ایک بار صبح کی نماز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آیتیں درمیان سے چھوڑ دیں اور انھیں بھول گئے۔ نماز کے بعد کسی صحابی نے عرض کیا کہ فلاں فلاں آیات آپ نے نہیں پڑھیں۔ فرمایا یاد کیوں نہ دلایا۔

بخاری میں ہے کہ ایک شخص کو مسجد میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھتے سنا تو فرمایا خدا اس کو جزائے خیر دے اس نے مجھے فلاں سورت کی فلاں آیت یاد دلادی جس کو میں بھول گیا تھا۔ (کتاب الشہادت)

اس کے علاوہ بے انتہا واقعات گذشتہ اور موجودہ ایسے ہیں جو انسان کی بھول چوک اور خطا کی بقیں شہادت ہیں اور جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اب جبکہ انسان کی یاد اور حافظہ متہم ہے اور پورے



اعتماد اور وثوق کے لائق نہیں ہے تو کوئی فہمیدہ انسان محض اسی کو سند نہیں بنا سکتا اور کسی کتاب کی حفاظت کا ذریعہ تنہا اسے قرار نہیں دے سکتا۔ ہاں اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قرطاس سے بھی کام لیا جائے اور جو نقش سینہ کے صفحوں پر کیا جائے وہی قرطاس پر بھی جمایا جائے۔ یہ نقش واقعی قابل وثوق اور معتبر اور یقینی ہوگا۔ اس لئے دنیا میں ہر ملک و ملت میں عام طور سے اس کا رواج ہے کہ جب کسی شے کا زیادہ اہتمام ہوتا ہے اور اس کو زیادہ مستحکم اور مضبوط اور قابل اطمینان کرنا منظور ہوتا ہے تو اس کو لکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن نے بھی ایسے معاملات کے لکھنے کا حکم دیا ہے جن کا یاد رکھنا ضروری ہے اور ان کو محض یاد پر نہیں چھوڑا۔ قرآن میں ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ آخِي مِمَّا تَمْتَنُونَ فَاذْكُرُوا** اے مسلمانو! اگر تم اُدھار کا معاملہ کرو اور اس کے ادا کے لئے ایک وقت مقرر کرو تو اس معاملے کو لکھ لو۔ اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) یہ کہ مسلمان لکھنا پڑھنا آنحضرتؐ کے عہد میں جانتے تھے۔ (۲) ایسی اشیاء پر اس وقت موجود تھیں جن پر لکھ پڑھ سکیں۔ (۳) جن چیزوں کی حفاظت اور یاد رکھنے کی ضرورت ہے اس میں محض یاد پر بھروسہ نہ کرو بلکہ اسے لکھ لیا کرو۔ اب مسلمانوں کو خدا ہی نے یہ حکم دے دیا کہ حفاظت کی چیزوں کو لکھو اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے یہاں معاملات دنیاوی سے بہت زیادہ دین کے معاملات کی حفاظت کی ضرورت ہے خصوصاً قرآن کی۔ تو اس سے صاف یہ نتیجہ نکلا کہ خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ قرآن کو ضرور لکھو۔ اس کے سوا بھی لکھنے میں چند فائدے ہیں۔

(۱) اول یہ کہ جب انسان سے بھول چوک اور خطا ممکن کیا بلکہ واقع ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام انسان حافظ اور یاد میں یکساں نہیں بلکہ مختلف ہیں بعض کا حافظہ نہایت قوی اور مضبوط ہے اور بعض کا نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور بعض کا متوسط۔ اب اگر کوئی چیز محض یاد ہی پر چھوڑ دی جائے اور لکھی نہ جائے تو یاد کرنے والے کسی وقت اگر اس میں اختلاف کریں اور ہر ایک کو اپنی یاد پر پورا بھروسہ ہو تو اس اختلاف میں حکم اور اس کا فیصلہ بجز تحریر کچھ نہیں ہو سکتا۔ یا کسی شخص کو خود کسی وقت اپنی یاد میں شبہ ہو جائے تو تحریر سے وہ اپنے شبہ کو رفع کر سکتا ہے اس لئے بھی تحریر نہایت ضروری ہے۔

(۲) دوسرے حفظ اور یاد ایسا خزانہ اور سرمایہ ہے جس سے انسان خود فائدہ اٹھا سکتا ہے یا وہ لوگ جو اس کے پاس ہوں اور جو اس سے جدا ہیں یا بعد میں ہوں وہ اس سے نفع نہیں اٹھا سکتے۔ کیا آج دنیا میں بے انتہا ایسے واقعات نہیں ہیں جو یاد اور حافظہ کے ساتھ ہی زمین میں مدفون ہیں اور واقعیت کے تمام ذرائع وہاں بیکار و معطل ہیں۔ اگر وہ سینہ سے نکل کر سیاہ لباس میں صفات پر متمکن ہوتے جس پر ہر شخص کی نگاہ پڑ سکتی اور ان کو دیکھتا تو آج کیوں وہ گناہی کے ایسے تاریک غار میں ہوتے جس

سے نکانا انسان کی قدرت سے باہر ہے اور وہاں کسی قسم کی روشنی پہنچ سکتی ہے اس لئے بھی انسان کو تحریر کی سخت ضرورت ہے۔ اگر انسان کا حافظہ اور یاد ہی کامل کفالت کرتی اور اس بار کی متحمل ہوتی اور امانت کا پورا پورا حاح ادا کرتی تو پھر بھی تحریر کی اس لئے ضرورت پڑتی اگر غور سے دیکھا جائے تو خط اور تحریر کی موجودہ ہی ضرورت ہے۔

اب جب یہ معلوم ہو گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ پر یہ امر نہایت ضروری اور اُن کا پہلا فرض یہی تھا کہ وہ قرآن کی حفاظت کریں اور چونکہ بلا تحریر یقینی اور کامل حفاظت ناممکن ہے اس لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز صحابہ پر فرض تھا کہ وہ قرآن کو پورا اس طرح پر لکھواتے جس سے اُس کا ہر لفظ اور نقطہ محفوظ ہو جاتا۔ اور نیز جو امور قرآن میں داخل ہیں مثلاً الفاظ یا اعراب کی صحت آیتوں کی ترتیب سورتوں کی ترتیب یہ تمام بھی اُسی طرح محفوظ رہیں جس طرح اس میں داخل ہیں۔ اب اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد میں تمام قرآن کو کامل اُسی ترتیب سے جیسا وہ منہ لکھواتے تو ضرور سمجھا جاتا کہ انھوں نے اپنے کام میں تقصیر کی۔ اور چونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں روز قیامت تک آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں اور آپ کی رسالت عائد ہے اور تمام کے لئے ہے خواہ وہ آپ کے عہد میں ہوں خواہ بعد میں ہوں۔۔۔ قیامت تک جو ہوں گے اُن تمام کے لئے آپ کی نبوت ہے قرآن میں ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ (پارہ بائیس سورہ سبار کو ع ۳) یعنی ہم نے تم کو تمام خلق کے لئے نبی ٹھہرایا اور یہ اسی وقت ہوگا کہ آپ اپنے عہد کے اور نیز تمام اُن لوگوں کے لئے جو آپ کے بعد قیامت تک ہوں نبی ہوں در نہ آپ کے بعد میں کوئی نبی ہو تو پھر اس نبی کے عہد کے لوگوں کے آپ نبی نہ ہوں گے یعنی تمام خلق کے نبی نہ ہوں گے۔ اب ضرور آپ کی تبلیغ بھی عام ہونی چاہیے۔ اور آپ پر فرض ہے کہ قیامت تک کے لوگوں کو آپ تبلیغ کریں اور خدا کا حرف حرف اُن تک پہنچاویں اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ قرآن بعینہ اپنے بعد محفوظ چھوڑیں چونکہ قرآن کا تمام و کمال لکھوا کر اپنے بعد میں چھوڑنا بھی تبلیغ کا جز تھا اس لئے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ اس کام کو ویسے ہی چھوڑا ہو اور انجام نہ دیا ہو اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ قرآن کا لکھوانا واقعی اُس کی حفاظت کی بہتر صورت ہے لیکن رسول خدا کو اس کا خیال نہ ہوا ہو تو اس کے متعلق یہ کہنا کافی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معاملہ فہمی اور دُرُوراندیشی اور فہم و فراست ایسی نہ تھی جو آپ ایسی موٹی اور کھل ہوئی بات کو بھی نہ سمجھتے بلکہ یہ امر مخالفین کو بھی مسلم ہے کہ آپ اعلیٰ درجہ کے فلاسفر اور مصلح اور دُرُوراندیش تھے۔ اس کے سوا بھی ہم آپ کے عہد کی بہت سی ایسی مثالیں پیش کر سکتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اُن امور کو لکھوا یا جن کی احتیاط اور استحفاظ آپ کو مقصود تھا۔ جس طرح صدقہ کے احکام حضرت علیؓ کو لکھوا دیئے عمال کو جب کسی جگہ روانہ فرماتے تو ضروری

ہدایات لکھوادیتے۔ آخر وقت میں بھی آپ نے کچھ لکھوانا چاہا تھا تو کیا قرآن کو آپ فردی خیال نہیں فرماتے تھے۔

**تیسرا امر** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز آپ کے عہد میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے پورا قرآن لکھا تھا یا نہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُمتی تھے لکھنا پڑھنا آپ کو نہیں آتا تھا اس لئے یہ یقینی ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے قرآن نہیں لکھا اور نہ خاص اپنے لئے قرآن کا کوئی نسخہ لکھوایا۔ آپ اگر کوئی نسخہ لکھواتے تب بھی آپ اُس سے مستمتع نہیں ہو سکتے تھے۔ لکھے ہوئے سے منتفع وہ ہو سکتا ہے جو پڑھ سکتا ہو۔ اب ایسی صورت میں اگر آپ اپنے لئے قرآن لکھواتے وہ بیکار ہوتا جس سے آپ کی شان ارفع تھی۔ تاریخ سے بھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد مترکات میں قرآن کا کوئی نسخہ چھوڑا ہو، یا آپ کے پاس کوئی قرآن لکھا ہوا تھا۔ مگر اسی کے ساتھ آپ کا یہ خیال ضرور تھا کہ قرآن جو آسانی کتاب ہے اور قیامت تک کے لئے تمام لوگوں کا دستور العمل اور چشمہ ہدایت ہے اس کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ محفوظ رہے اور اُس کی یہی صورت تھی کہ جس وقت جو آیت نازل ہو اُسی وقت آپ اُسے بعینہ لکھا دیں اور اس آیت کو اسی جگہ لکھائیں جہاں کی وہ آیت ہے اور جو لکھے پڑھے ہیں وہ اُسے اُسی طور سے لکھیں جس طرح سے آپ فرمائیں قرآن اور تاریخ اور تمام کتب احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا اُسی وقت آپ صحابہ سے اُن افراد کو طلب فرماتے جو لکھنا جانتے تھے اور اُن کو وہ آیت لکھا دیتے اور جب وہ لکھ لیتا تو دوبارہ بھی پھر اُسے اُس سے سُن لیتے اور وہ صحابی دوسروں کو لکھا دیتا اور اس طرح اکثر صحابہ اُس سے نقل کر لیتے بلکہ یہ بات قرآن ہی سے ثابت ہے کہ آنحضرت نے تمام قرآن لکھوایا اور مخالفین کو بھی اس کا اقرار تھا۔ قرآن پاک میں ہے۔ قَالُوا سَاطِرُ الْأَوَّلِينَ اُكْتُبَهَا فَيَسْمَعُ عَلَيْهِ بُكْرَةً دَاصِلًا۔ (سورہ فرقان۔ رکوع ۱۹)۔ یعنی یہ قرآن اگلوں کے تھے ہیں جس کو کو آنحضرت نے لوگوں کو لکھوایا ہے اور صبح و شام لوگ آپ سے لکھتے ہیں اور پھر اُس کو سناتے ہیں۔ مجمع الزوائد میں ہے :-

عَنْ زَيْدِ بْنِ ذَايَبٍ قَالَ كُنْتُ أَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ أَخَذَتْهُ بَرَحَاءُ شَدِيدَةً وَعَرَفَى عَرَقًا شَدِيدًا مِثْلَ الْجَمَانِ ثُمَّ سَرَى عَنْهُ فَكُنْتُ أَدْخُلُ عَلَيْهِ بِقِطْعَةِ الْكِتَابِ أَوْ كِسْرَةٍ فَأَكْتُبُ وَهُوَ يَمْلِكُ عَلَيَّ فَمَا أَفْرُغُ حَتَّى تَكَادُ رَجُلِي تَنْكَسِرُ مِنْ ثِقَلِ الْقُرْآنِ حَتَّى أَقُولَ لَا أَشِئُ عَلَى رَجُلِي أَبَدًا فَإِذَا فَرَغْتُ قَالَ أَفْرُغْ فَأَفْرُغُ فَإِنْ كَانَ فِيهِ سَقَطٌ أَقَامَهُ ثُمَّ أَخْرَجَنِي إِلَى النَّاسِ۔ (مجمع الزوائد۔ ج ۱ ص ۶۱)

ترجمہ :- زید بن ثابت کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کو مجھ سے لکھاتے تھے۔ نزول وحی کے وقت آپ کو نہایت گرانی ہوتی۔ موتی کی طرح پسینہ چہرے سے نوڈار ہوتا اور بہت پسینہ آتا۔ جب وحی ختم ہو جاتی میں شائد کی ہڈی لے کر حاضر ہوتا۔ آپ بتلاتے جاتے اور میں لکھتا۔ مجھے بھی اس کی اس قدر گرانی محسوس ہوتی جس سے معلوم ہوتا کہ میرا پیر ٹوٹنا جا رہا ہے اور میں اپنے پیروں سے اب پل نہ سکوں گا۔ جب میں لکھ لیتا تو آپ فرماتے کہ اسے سناؤ میں پڑھتا اگر اس میں کوئی غلطی ہوتی اس کی اصلاح فرماتے۔ پھر اسے میں لوگوں میں لاتا۔

زید کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وحی لکھواتے اور اس میں اس قدر اہتمام کرتے کہ دوبارہ سنیتے۔ اگر اس میں غلطی ہوتی اصلاح کرتے پھر اسے زید صحابہ میں لے جاتے اور چونکہ زید کا یہ لکھنا محض یادداشت کے لئے ہوتا تھا نہ حفاظت اور جمع کے لئے اس لئے وہ اُس وقت ہڈی وغیرہ پر یادداشت کے طور سے لکھ لیتے البتہ حفاظت کے لئے جو صحابہ لکھتے تھے وہ قرطاس پر لکھتے تھے۔

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْعُوا فُلَانًا فِجَاءَةً وَمَعَهُ الدَّوَاةُ وَاللُّوحُ أَوِ الْكِتَفُ فَقَالَ الْكُتُبُ. (بخاری)

بخاری میں برابر سے روایت ہے جب قرآن کی یہ آیت (الایستوی القاعدون الخ) نازل ہوئی تو آنحضرت نے فرمایا۔ فلاں لکھنے والے کو بلاؤ وہ شخص مع دوات اور شانے کی ہڈی یا تختی کے حاضر ہوا۔ فرمایا اس آیت کو لکھو۔

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی نازل ہونے کے بعد اسے یادداشت کے طور پر لکھا دیتے تھے جسے وہ تختی وغیرہ پر لکھ کر یادداشت قائم کر لیتے تھے۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ جس شے کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اور ہمیشہ کے لئے لکھتے ہیں وہ تختے پر نہیں لکھتے۔

قَالَ عُمَانُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الشُّرُودَاتُ الْعَدَدُ فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الشَّيْءُ دَعَى بَعْضَ مَنْ يَكْتُبُ فَيَقُولُ ضَعُوا هَذَا فِي الْآيَاتِ فِي السُّورَةِ الَّتِي يُذَكَّرُ فِيهَا كَذَا كَذَا. (اتقان۔ عن احمد۔ ابی داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن حبان۔ حاکم)

ترجمہ :- اتقان میں اسناد امام احمد۔ سنن ابی داؤد۔ جامع ترمذی۔ سنن نسائی۔ ابن حبان۔ مستدرک حاکم سے نقل ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر سورتیں قرآن کی نازل ہوا کرتی تھیں جب کوئی آیت نازل ہوتی آپ اُن لوگوں سے جو قرآن لکھتے تھے بعض کو بلا کر فرماتے۔ ان آیتوں کو فلاں سورت میں لکھو۔

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن برابر صحابہ لکھتے تھے اور جس وقت قرآن نازل ہوتا رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو طلب فرماتے جو قرآن لکھتے تھے اور اسی وقت انھیں لکھا دیتے اور یہ بھی بتلا دیتے کہ یہ آیت فلاں سورت کی فلاں مقام کی ہے اور حسب ارشاد صحابہ اُسے اسی ترکیب سے لکھ لیتے تھے۔ حضرت عثمان کے بیان سے معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت ستمرہ تھی کہ قرآن کا جب کوئی حصہ یا آیت نازل ہوتی فوراً بلا توقف اُسے لکھا دیتے اور اس کی ترتیب - بھی بتاتے اور صحابہ میں جو قرآن لکھتے تھے وہ اُسے اُسی وقت لکھ لیتے اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ میں ایک ایسی جماعت تھی جو قرآن لکھتے تھے اور اس طریقہ سے آپ نے پورا مرتب قرآن لکھا دیا اور صحابہ نے اُسے لکھا اور یہ پورا مرتب قرآن اُن صحابہ کے پاس موجود تھا جو قرآن کو تھوڑا تھوڑا حسب نزول لکھتے جاتے تھے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَكْتُبُوا عَنِّي شَيْئًا إِلَّا الْقُرْآنَ فَمَنْ كَتَبَ عَنِّي شَيْئًا غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَحْمِلْهُ (دارمی و مسلم عن ابن مسعود)

ترجمہ:- دارمی میں ابو سعید اور مسلم میں ابن مسعود سے روایت ہے۔ آنحضرت نے فرمایا قرآن کے سوا مجھ سے کچھ نہ لکھو۔ اگر کسی نے قرآن کے سوا مجھ سے کچھ لکھا ہو تو بٹا دے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو قرآن لکھواتے تھے اور صحابہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے لکھتے تھے اور یہ لکھا ہوا اُن کے پاس محفوظ تھا۔ اور یہاں سے یہ امر بھی بخوبی روشن ہو گیا کہ وحی کے کاتب وہی لوگ کہلاتے تھے جو قرآن کو اپنے لئے التزام سے لکھتے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اس قدر احتیاط فرمائی کہ قرآن کے سوا آپ سے اور شے کے لکھنے کی عام طور سے مانعت فرمادی۔ یہ اس لئے کہ ممکن تھا کہ غیر قرآن کو غلطی سے لوگ قرآن سمجھ لیں اور اس طرح وہ قرآن سے مخلوط ہو جائے اور غیر قرآن کو بھی قرآن سمجھ کر قرآن میں لکھ لیں اور اس میں پوری احتیاط اسی وقت ہو سکتی تھی جب قرآن کے علاوہ اُسے لکھنے کی اجازت ہی نہ ہو اور لوگ اس کے سوا آپ سے لکھیں ہی نہیں۔ چنانچہ مزید احتیاط اور دور اندیشی آپ نے ایسا ہی کیا کہ قرآن کے سوا لکھنے کی مانعت فرمادی اور اس میں اس قدر سختی اور تاکید فرمائی کہ اگر کسی نے کچھ قرآن کے علاوہ لکھا ہو تو وہ اُسے بٹا دے۔

عَنْ أَبِي لُفْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَكَلْتُ لَنَا خِافًا لَا نَحْفَظُ فَقَالَ لَا وَلَنْ نَحْفَظُ قُرْآنًا وَلَكِنْ احْفَظُوا عَنَّا كَمَا حَفِظْنَا نَحْنُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (دارمی)

ترجمہ:- ابو لفرہ نے ابو سعید صحابی سے کہا جو روایت کرو اُسے لکھا دیا کرو کیونکہ ہمیں یاد نہیں رہتا۔ ابو سعید نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کیا میں اسے قرآن بنا دوں یعنی قرآن لکھا جاتا ہے اُسے بھی قرآن کی طرح لکھاؤں تم بھی یاد کرو جس طرح ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا۔

یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ قرآن لکھتے تھے اور قرآن کے سوا کے لکھنے کا صحابہ میں رواج نہ تھا۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

قرآن کے لکھانے میں کبھی تو یہ ہوتا کہ جو آیت نازل ہوتی آپ لکھنے والوں سے کسی کو بلا کر بادشاہ کے طور سے اُسے لکھا دیتے اور وہ دوسروں کو لکھا دیتا اور کبھی خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے اور لکھنے والے آپ کے گرد حلقہ کئے ہوتے اور لکھتے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ غُبَرٍ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ حَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكْتُبُ إِذْ سَلَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّ الْمَدِينَةِ تَفْتَحُ أَوَّلًا قُسْطَنْطِينِيَّةَ أَوْ رُومِيَّةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَلْ مَدِينَةُ هَرَقْلَ - (دارمی مشہد)

ترجمہ :- دارمی میں ابن عمرو سے ہے وہ کہتے ہیں ایک وقت ہم لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے لکھ رہے تھے۔ اس میں ایک نے دریافت کیا کہ قسطنطنیہ اور رومیہ سے پہلے کون فتح ہوگا۔ فرمایا پہلے ہرقل کا شہر فتح ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی صحابہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ جاتے اور آپ قرآن بتاتے اور صحابہ لکھتے کیونکہ قرآن کے سوا تو لکھنے کی ممانعت تھی اب لامحالہ حلقہ باندھ کر قرآن ہی لکھتے ہوں گے نہ دوسری شے۔ طبقات القراء میں علامہ فتویٰ لکھتے ہیں:

اعْلَمَنَّ كَلَامَ اللَّهِ بَلَّغَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا سَمِعَهُ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ وَلَا نَقْصٍ وَأَمْلَاهُ عَلَى كِتَابِ الْوَحْيِ لَفْظًا وَمَعْنَى فَنِعِمَّتِ الرِّسَالَةُ فَمِنْ الصَّعَابَةِ مَنْ حَفِظَ سُورًا مِنْ نَبِيِّ اللَّهِ تَلْقَيْنًا وَمِنْهُمْ مَنْ حَفِظَ أَمْلَاءَ وَمِنْهُمْ مَنْ حَفِظَهُ مِنْ رَفِيقِهِ ثُمَّ عَرَضَهُ عَلَى الرَّسُولِ وَمِنْهُمْ مَنْ حَفِظَ مِنْ رَفِيقِهِ وَلَمْ يَعْضُ أَوْ عَرَضَ بَعْضَ ذَلِكَ فَأَمَّا مَنْ حَفِظَهُ كُلَّهُ مِنْهُمْ وَعَرَضَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَجَاعَةٌ مِنْ مُجْبَاءِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ اُنْتُدِبُوا لِإِقْرَائِهِ وَانْتَصَبُوا لِادَائِهِ فَكَانَ مِنْ جَمَلَتِهِمْ بَدْعُ أُمَّةٍ أَعْلَامُ دَارَتْ عَلَيْهِمْ أَسَانِيدُ الْقُرَآتِ وَذَكَرُوا فِي صُدُورِ الْكُتُبِ وَالْإِجَازَاتِ -

علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، ابی بن کعب، عبد اللہ ابن مسعود، زید بن ثابت، ابو موسیٰ الاشعری، ابوالدرداء۔

ترجمہ :- قرآن جس طرح سے نازل ہوا بلا کمی زیادتی کے بعینہ اسی طرح سے آنحضرت نے اُسے لوگوں تک پہنچایا اور جو قرآن لکھتے تھے انہیں لکھا یا صحابہ نے بعض قرآن کی سورتیں آنحضرت سے زبانی یاد یا دیکیں اور بعض کو آپ نے لکھا یا انہوں نے لکھ کر یاد کیں بعض نے اپنے ساتھ والوں سے یاد کیا۔ اور پھر آنحضرت کو سنا دیا اور بعض نے نہیں سنا یا جن صحابہ نے پورا قرآن یاد کیا اور آنحضرت کو

سنایا وہ صحابہ کی ایک جماعت ہے جنہوں نے قرآن پڑھایا انہیں میں وہ سات قاری بھی ہیں جن کی مسندوں سے لوگ قرآن پڑھتے ہیں۔ یعنی حضرت علی، عثمان بن عفان، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری، ابو الدردار۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں جب اس قدر احتیاط فرماتے اور اس کی حفاظت میں سعی کرتے کہ جس وقت قرآن کا کوئی حصہ یا آیت نازل ہوتی اُسی وقت اُسے لکھا دیتے اور محض یاد کے حوالے نہ فرماتے اور یہ نہ کرتے کہ اُس وقت محض یاد پر اعتماد اور وثوق کرتے اور دوسرے وقت یاد سے لکھا دیتے اور تعلیم دیتے۔ حالانکہ ایک روایت کا یاد رکھنا اور اُن کی ترتیب کا خیال رکھنا تمام قرآن کے یاد رکھنے اور تمام آیتوں کے ترتیب کے خیال رکھنے سے بہت زیادہ آسان تھا مگر جب اس میں بھی آپ نے محض اپنی یاد پر وثوق نہیں کیا تو اب کیا یہ ممکن تھا کہ آپ تمام قرآن اور اُس کی ترتیب میں جو کہ اول سے بہت زیادہ دشوار ہے محض اپنی یا کسی دوسرے کی یاد پر وثوق کرتے اور تمام قرآن کو نہ لکھواتے۔ اس بات سے ایک معمولی فہم والا بھی یہ اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا شک تمام قرآن مرتب لکھوایا اور محض یاد کے حوالے نہیں کیا۔ جن کتاب وحی کے نام کی فہرست کتب حدیث یا تاریخوں میں ہے یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے سے قرآن لکھتے تھے اور جنہوں نے پورا قرآن لکھا تھا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا الْقُرْآنَ وَمَا فِي هَذِهِ الضَّعِيفَةِ (بخاری)

بخاری میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ہے ہم نے بجز قرآن کے اور اُس کے جو اس صحیفہ میں ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں لکھا۔

یہ روایت صحیح بخاری کی ہے جس سے ثابت ہوا کہ بعض صحابہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن لکھا تھا۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَجْمَعْ الْقُرْآنَ غَيْرَ أَرْبَعَةٍ أَبُو الدُّدَّاءُ وَ مُعَاذُ وَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو زَيْدٍ وَنَحْنُ وَرِثْنَاهُ۔ (بخاری فضائل القرآن)

ترجمہ :- بخاری میں انسؓ سے ہے۔ عہد نبوی میں ان چار یعنی ابو الدردار، معاذ بن جبل، زید بن ثابت۔ ابو زید کے سوا کسی نے پورا قرآن نہیں لکھا اور ابو زید کے قرآن کا وارث میں ہوا۔

انسؓ کی اس روایت سے جسے بخاری نے روایت کیا ہے ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ان چار صحابہ نے پورا قرآن لکھا تھا اور ابو زید کا لکھا ہوا قرآن انسؓ کو ترکہ میں ملا تھا۔ ترمذی میں بھی اسی کی مؤید یہ روایت ہے۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَلَّفَ الْقُرْآنَ مِنَ الرِّقَاعِ - یعنی ہم (صحابہ) آنحضرت کے روبرو قرآن کو ترتیب سے لکھ رہے تھے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت کے امر کے موافق قرآن کو مرتب کر رہے تھے جن میں زید بھی ہیں۔

اگرچہ ظاہر میں انسؓ کے اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان چار کے سوا کسی صحابی نے پورا قرآن نہیں لکھا۔ لیکن اگر انسؓ کا بیان محض اسی قدر ہوتا تو واقعی یہ امر ثابت ہوتا کہ ان چار کے سوا قرآن کسی نے نہیں لکھا تھا لیکن اصل میں انسؓ کا یہ بیان ایک مقام خاص پر ہوا تھا جس کو ابن عبد البر نے استیعاب ج اصناف میں نقل کیا ہے کہ انصار کے قبائل سے اوس، خزرج میں ایک بار گفتگو ہوئی۔ قبیلہ اوس نے خزرج سے فخر اُکھا ہمارے قبیلہ میں حنظلہ بن عسیل اللہاکہ ہے اس کے جواب میں خزرج نے فخر اُکھا۔ ہمارے قبیلہ سے چار شخصوں نے پورا قرآن لکھا یعنی تمہارے قبیلہ میں کوئی ایسا نہیں ہوا۔ اس جگہ نفی سے مقصود صرف قبیلہ اوس ہے نہ عام مسلمان ورنہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ بہت سے صحابہ نے قرآن لکھا چنانچہ ان میں سے بعض کے نام ہم پہلے لکھ آئے ہیں منجملہ ان کے عبادہ بن الصامت نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پورا قرآن لکھا تھا۔ تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۱۲ میں ہے۔ هُوَ أَحَدُ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسْرَسَهُ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ لِيُعَلِّمَ أَهْلَهَا الْقُرْآنَ فَأَقَامَ بِهِمَا إِلَى أَنْ مَاتَ - اور نیز حدیثوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ جہاد میں جب کفار کی طرف سفر کرتے تو اس وقت میں بھی قرآن اپنے ہمراہ رکھتے تھے اور جبکہ ایسے سفر میں قرآن کو ساتھ رکھتے اور نہ چھوڑتے تو دوسرے سفروں میں ضرور ساتھ رکھتے ہوں گے۔ اس لئے کہ جو لوگ قرآن کے حافظ ہیں ان کو بھی اس لئے ضروری ہے کہ اگر تلاوت میں کسی جگہ متشابہ ہو یا بھول تو قرآن دیکھ کر اطمینان کیا جائے ورنہ اگر قرآن لکھا ہوا نہ ہو تو پھر متشابہ اور بھول سے اطمینان حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ صفحات تاریخ کے دیکھنے سے یہ صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایسے مقامات میں تنہا ایک ہی صحابی کو قرآن کی تعلیم کے لئے روانہ فرمایا جہاں کوئی دوسرا قرآن کا حافظ نہ تھا۔ پھر ایسی حالت میں اگر قرآن لکھ کر ہمراہ نہ لیا جاتا تو متشابہ اور بھول سے نجات اور رہائی کی کیا صورت ہوتی کیونکہ وہاں کوئی دوسرا حافظ قرآن بھی نہیں جو اسے بتائے اور اگر ان لیا جائے کہ دوسرا حافظ بھی ہو تب بھی اگر ان دونوں کے مابین اختلاف ہو جائے تو اس کے فیصلہ کے لئے بھی قرآن کی ضرورت ہوگی اس لئے بھی صحابہ پر ضروری تھا کہ وہ قرآن کو لکھ کر اپنے ہمراہ رکھتے۔ اسی وجہ سے صحابہ کفار کے ملک میں جلتے وقت بھی قرآن ساتھ رکھتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مانعت فرمادی۔



عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُسَافَرِيَ الْقُرْآنُ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ - (بخاری کتاب الجہاد)

بخاری میں ابن عمرؓ سے ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں (کفار) کے سرزمین میں قرآن لے جانے کی ممانعت فرمائی۔

بخاری کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کفار کی سرزمین پر سفر کرتے وقت بھی قرآن ہمراہ لے جاتے تھے جس کی اُن کو ممانعت کی گئی اور نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کے پاس قرآن لکھا ہوا رہتا تھا اور جو لوگ قرآن کے حافظ نہیں تھے وہ تلاوت کے لئے قرآن ہمراہ رکھتے تھے۔ کیونکہ صحابہ میں قرآن کا ورد مقرر تھا جس کو وہ روزانہ پڑھتے تھے۔ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہفتہ میں صحابہ کے ختم کا معمول تھا۔ پہلے روز عین سورت (بقرہ، آل عمران، نساء)، دوسرے روز پانچ (مائیدہ سے بقرہ تک) تیسرے روز سات (یونس سے نحل تک) چوتھے روز نو (بنی اسرائیل سے فرقان تک) پانچویں روز گیارہ (شعرا سے یسین تک) چھٹے روز تیرہ (صافات سے حجرات تک) ساتویں روز تمام مفصل (ق سے آخر تک)۔

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَبِي حَذِيفَةَ الثَّقَفِيِّ قَالَ كُنْتُ فِي الْوَيْلِ الَّذِينَ أَسْلَمُوا مِنْ ثَقِيفٍ الْحَدِيثُ فِيهِ فَقَالَ لِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَأَ عَلَيَّ حِزْبِي مِنَ الْقُرْآنِ فَأَرَدْتُ أَنْ لَا أَخْرُجَ حَتَّى أَقْضِيَهُ فَسَأَلْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا كَيْفَ تَحْزِبُونَ الْقُرْآنَ قَالُوا نَحْزِبُهُ ثَلَاثَ سُورٍ وَخَمْسَ سُورٍ وَتِسْعَ سُورٍ وَاحِدَى عَشْرَةَ سُورَةً وَثَلَاثَ عَشْرَةَ سُورَةً وَحِزْبَ الْمَفْصَلِ مِنْ قَى حَتَّى يُخْتَمَ - (اتقان) عن احمد وابن داود

اتقان میں علامہ سیوطی نے مسند امام احمد اور ابن ابی داؤد سے نقل کیا ہے طائف سے قبیلہ ثقیف جو مسلمان ہو گیا تھا آیا اس میں ابو حذیفہ ثقفی بھی تھا وہ کہتا ہے۔ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معمولی وقت سے باہر تشریف لانے میں تاخیر ہوئی آپ نے فرمایا۔ آج اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ قرآن کا ورد روزانہ مجھ سے رہ گیا تھا اُسے پڑھنے میں دیر ہو گئی۔ تب اُس نے صحابہ سے دریافت کیا کہ قرآن پڑھنے میں تمہارا کیا معمول ہے۔ صحابہ نے کہا ازل روز عین سورۃ پھر پانچ پھر نو پھر گیارہ پھر تیرہ پھر تمام مفصل یعنی ق سے آخر تک۔

اس حدیث کو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور ابن سعد نے بھی طبقات میں ج ۵ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء کے بعد اس وفد کے پاس تشریف لاتے تھے ایک روز معمول سے زیادہ دیر ہو گئی۔ وفد والوں نے عرض کیا کہ آج کس وجہ سے حضور کو تاخیر ہوئی فرمایا قرآن کے روزانہ ورد سے آج کچھ رہ گیا تھا اس لئے میں نے یہ پسند نہ کیا کہ بلا پڑھے اس کے مسجد

سے بکلوں۔ اوس کہتے ہیں صبح کو میں نے صحابہ سے دریافت کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کی شب میں یہ فرمایا کہ میرا ورد قرآن کا باقی رہ گیا تھا تو تم روزانہ کتنا پڑھتے ہو۔ صحابہ نے جواب دہی دیا جو اتقان سے ابھی نقل کیا گیا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے روزانہ قرآن کی تلاوت کا التزام کیا تھا اور ہر روز کے لئے جدا جدا اس کی منزل قائم کر لی تھی اور ایک خاص وقت اُس کی تلاوت کا مقرر تھا جس میں روزانہ اُس روز کی مقررہ تلاوت کرتے اور اگر کسی عذر سے اُس وقت میں چھوٹ جاتی تو دوسرے وقت اس کو کر لیتے اور ظاہر ہے کہ تمام صحابہ حافظ قرآن نہ تھے اب جو حافظ نہ تھے وہ ضرور دیکھ کر تلاوت کرتے ہونگے اور اُن کے پاس لکھا ہوا قرآن ہوگا۔ اسی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے عہد میں قرآن مرتب اور جمع ہو گیا تھا جیسا روزانہ کی گئی ورد کی مقدار سے صاف ظاہر ہے اور جو ترتیب اس ورد میں بیان کی گئی ہے یہ بعینہ وہی ترتیب ہے جو قرآن کی آج بھی ہے۔ یہاں یہ خیال کرنا کہ تمام صحابہ یا دہی سے تلاوت کرتے تھے لکھا ہوا اُن کے پاس نہ تھا یہ وہ بات ہے جس کو کوئی سمجھ دار باور نہیں کر سکتا۔ اول تو یاد سے پڑھنے میں بھی اس کی ضرورت ہے کہ لکھا ہوا قرآن پاس ہو جیسا کہ اوپر ہم لکھ آئے ہیں۔ دوسرے یہ ثابت ہونا نہایت مشکل ہے کہ تمام صحابہ حافظ قرآن تھے۔ تیسرے بہت سے واقعات ہیں جو بتلاتے ہیں کہ آپ کے عہد میں محض یاد سے ہی پڑھنے کا رواج نہ تھا بلکہ لکھ کر بھی پڑھتے تھے یہاں منجملہ اُن واقعات کے چند واقعات ہم ایسے لکھتے ہیں جن سے اس امر کی شہادت ملے گی کہ آپ کے مبارک عہد میں لکھ ہوئے سے دیکھ کر بھی قرآن پڑھنے کا رواج تھا۔

**پہلا واقعہ** | کمال ابن اثیر میں ہے۔ اسلام لانے کے قبل فاروق اعظم جب اپنی بہن فاطمہ کے مکان پر پہنچے تو اُس وقت خباب بن الارت صحابی اُن کی بہن اور بہنوئی کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ جب ان کو فاروق اعظم کے آنے کی آہٹ ہوئی خباب تو چھپ گئے اور فاطمہ نے اس صحیفہ کو اپنی ران کے نیچے چھپایا جس پر قرآن لکھا ہوا تھا اس میں سورہ ط لکھی ہوئی تھی۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتدائے اسلام ہی سے مسلمانوں میں قرآن کو لکھ کر پڑھنے کا رواج ہو گیا تھا۔

**دوسرا واقعہ** | عَنْ مَنِئِلِ السَّاعِدِيِّ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ جُئْتُ أَهْبُ لَكَ نَفْسِي قَالَ فَنَظَرُ إِلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَعَدَ النَّظَرُ فِيهَا وَصَوَّبَهُ ثُمَّ طَاطَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ فَلَمَّا رَأَتْ الْمَرْءُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ

لَمْ تَكُنْ لَكَ حَاجَةٌ فَرَزَ وَجْنَهُمَا فَقَالَ وَهَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ قَالَ لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ أَذْهَبَ إِلَى أَهْلِكَ فَأَنْظُرْ شَيْئًا فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللَّهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْظِرُوا لَوْ خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ وَلَكِنْ هَذَا إِذَا رَأَى قَالَ سَهْلٌ مَالُهُ رِوَاءٌ فَلَمَّا نَصَفَهَا فَقَالَ مَا تَصْنَعُ يَا زَارِكُ إِنْ لَبِستَ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِستِ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ شَيْءٌ فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتَّى إِذَا طَالَ مُجْلِسُهُ قَامَ فَرَأَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوَلِّيًا فَأَمَرَّ بِهِ فَنَدَّيْنِ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ مَعِيَ سُورَةُ كَذَا سُورَةٌ كَذَا أَعَدَّهَا فَقَالَ اتَّقِرْ أَهْنُ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَذْهَبَ فَقَدْ مَلَكْتُكُمْ بِهَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ - (كتاب النكاح بخاری)

ترجمہ :- بخاری میں سہل سے ہے کہ ایک عورت نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں اپنے کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتی ہوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دیکھ کر سر جھکایا عورت کو جب کچھ جواب نہ ملا تو بیٹھ گئی۔ صحابہ میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ آپ نہ کریں تو مجھ سے نکاح کر دیجئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیرے پاس کچھ مال ہے۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا گھر جا کر دیکھ تو وہ گھر جا کر واپس آیا اور عرض کیا کچھ نہیں ملا۔ فرمایا دیکھ تو، لوہے کی انگوٹھی ہی ملے تو لے آ۔ پھر وہ گیا اور واپس آیا اور عرض کیا کہ انگوٹھی بھی نہیں ملی ہاں میرا یہ بے بند ہے۔ سہل کہتے ہیں کہ اُس پر چادر نہ تھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انار کا کیا ہوگا اگر تو استعمال کرے گا تو عورت محروم رہے گی اور اگر عورت استعمال کرے گی تو تم محروم رہو گے یہ شخص یہ سن کر بیٹھ گیا دیر تک بیٹھا رہا پھر اٹھ کر چلا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر فرمایا۔ تو قرآن پڑھ سکتا ہے۔ عرض کیا میں فلاں فلاں سورت پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا کیا حفظ سے پڑھ سکتے ہو۔ عرض کیا ہاں۔ تب آپ نے اُس کا نکاح اس عورت سے کر دیا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دریافت فرمانا اَتَقْرَأُھُنَّ عَنْ ظَہْرِ قَلْبِکَ یعنی ان سورتوں کو حفظ پڑھ سکتا ہے اس امر کی کافی دلیل ہے کہ عہد نبوی میں دونوں طرح پڑھنے کا رواج تھا یاد سے اور دیکھ کر درنہ اگر محض یاد ہی سے رواج ہوتا تو پھر یہ سوال فضول تھا کہ یہ سورتیں یاد ہیں۔

كَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا يَوْمَئِذٍ عَبْدًا كَوَانِ مِنَ الْمُصَصِّفِ -

(بخاری کتاب الاذن)

## تیسرا واقعہ

ترجمہ :- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام و کوان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا امام ہوتا اور قرآن کو دیکھ کر پڑھتا۔

چوتھا واقعہ ابن خلدون میں ہے۔ عمرو بن حزم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عین کا امیر

بنا کر جب روانہ فرمایا تو ان کو کچھ احکام لکھ دیئے منجملہ اُن احکام کے یہ بھی تھا۔ وَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْقُرْآنَ وَأَنْ يَنْهَى النَّاسَ فَلَا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِنْسَانٌ إِلَّا دُحُوا طَاهِرٌ۔ یعنی قرآن کی تعلیم دیں اور لوگوں کو بلا طہارت قرآن کو ہاتھ لگانے سے اور بلا طہارت چھونے سے منع کریں۔ اس ممانعت سے کہ بلا طہارت قرآن لینا نہ چاہیئے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن لکھا ہوا تھا۔ بسید جوعب کے مشہور اور نامی شعراء میں تھا جب مسلمان ہوا تو قرآن لکھا اور شعر کہنا چھوڑ دیا۔ اُمّ خالد جو خالد بن سعید بن العاص کی بیٹی ہیں وہ کہتی ہیں کہ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔۔۔ میرے باپ نے لکھی خالد یا نجوین مسلمان ہیں۔ ان کے پہلے چار آدمی مسلمان اور ہوجکے تھے یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن لکھنے کا سلسلہ اسلام کے ساتھ ساتھ شروع ہوا اور اول ہی سے لوگوں نے اس کا انتظام کیا تھا۔ عرفات میں ایک شخص نے فاروق اعظم سے بل کر کہا۔ میں کوفہ سے آیا ہوں اور وہاں ایک ایسے شخص کو چھوڑا ہے جو قرآن کو اپنی یاد سے لکھا رہا تھا۔ یہ سن کر فاروق اعظم نہ سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا وہ کون شخص ہے۔ جواب دیا ابن مسعود۔ یہ سن کر غصہ فرو ہو گیا اور اپنی حالت پر آگئے۔ یہ اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت میں یاد سے قرآن لکھنا پسندیدہ نہ تھا اس لئے فاروق اعظم نے کو اس پر غصہ ہوا۔ لیکن ابن مسعود جو نہ قابل و ذوق تھے اس لئے اُن کا نام سن کر آپ کو اطمینان ہوا۔ ورنہ عام طور سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو قرآن سے نقل کرتے تھے نہ کیا دے۔ اور نیز احتیاط اور یقین اس میں ہے اور نیز اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ لکھ ہوئے قرآن سے تلاوت کرنے کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب خصوصیت دلائی اور اس کی فضیلت کو بیان کیا اور حفظ پڑھنے سے اس کو جراتیاز اور شرف تھا اس کو ظاہر کیا۔ میں یہاں ایسی چند اس کے متعلق حدیثیں لکھتا ہوں جس سے ثابت ہوگا کہ قرآن کو دیکھ کر تلاوت کرنا حفظ تلاوت کرنے سے افضل ہے۔

(۱) قِرَاءَتُكَ نَظَرًا نَضَائِعُ عَلَى قِرَاءَتِكَ ظَهَرَ أَكْفَضِلِ الْمَكْتُوبَةِ عَلَى النَّافِلَةِ۔ (کنز العمال ج ۱۹)

ترجمہ: یاد سے تلاوت پر دیکھ کر تلاوت کو یہی فضیلت ہے جو فرض نماز کو نفل پر ہے۔

(۲) مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ نَظَرًا مَتَّعَ بَصَرَهُ۔ (کنز العمال ج ۱۷ ص ۱۲۹)

ترجمہ: دیکھ کر جو قرآن پڑھے گا اُس کی بینائی قائم رہے گی۔

(۳) مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّهُ اللَّهُ دَسَّ سَوْلُهُ فُلَيْقَرَةٍ فِي الْمُصَنَّفِ۔ (کنز العمال ج ۱۷ ص ۱۲۹)

ترجمہ: جسے خدا اور رسول کی محبت خوش کرے وہ قرآن دیکھ کر تلاوت کرے۔

جناب سرور کائنات کے یہ ارشادات ایسے نہیں ہیں جن کے بعد کسی مسلمان قرآن تلاوت کرنے

دلنے کی یہ خواہش اور کوشش نہ ہو کہ وہ قرآن میں تلاوت کرے خصوصاً صحابہ کرام تو اس صورت میں ضرور اس پر مجبور تھے کہ وہ قرآن کو لکھتے خواہ و حافظ ہوں یا ناظر۔

الحاصل اس میں شبہ نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارک میں قرآن کا حرف حرف لکھا یا اور صحابہ نے اُسے لکھا جو صحابہ وحی لکھنے والوں کی فہرست میں ہیں اور جن کو محدثین اور مورخین نے کاتب وحی کہا ہے اور ان میں ان کا شمار ہے یہ وہی لوگ ہیں جو قرآن کو اپنے لئے لکھتے جاتے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو خود انہیں لکھاتے اور کبھی ایک شخص کو لکھا دیتے اور وہ دوسروں کو لکھاتا اور یہ خیال کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے ان کاتبوں سے لکھواتے اور لکھا کر اپنے پاس رکھتے جاتے تھے اس کے باور کرنے میں اس لئے کلام ہے کہ تاریخ اور نیز احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت کے پاس لکھا ہوا قرآن رہتا تھا اور نہ آپ کے بعد آپ کے متروکات میں قرآن برآمد ہوا۔ اب جبکہ یہ امر ثابت ہے کہ قرآن جب نازل ہوتا آپ اُسے لکھاتے تو اگر آپ اپنے لئے قرآن لکھاتے تو ضرور تمام قرآن لکھا ہوا آپ کے پاس ہوتا خواہ وہ متفرق ہوتا یا مجتمع لیکن کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا کہ آپ کے پاس قرآن تھا ورنہ یہ قرآن زیادہ قابل حفاظت ہوتا اور مسلمان اس کو محفوظ رکھتے اور خلیفہ اول کو جمع کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی اور نہ زید بن ثابت کو جمع قرآن میں اُس کی تلاش اور جستجو کی مشقت اٹھانی پڑتی بلکہ تمام لکھا ہوا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سے ملتا اور اسے زید نقل کر لیتے اور ابو خزیمہ کے پاس سے آیتوں کی نقل کی ضرورت نہ ہوتی اور نیز تمام مورخین اور محدثین اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع نہیں کیا یعنی لکھا لکھا کر تمام کو اپنے پاس نہیں رکھا البتہ آپ نے تمام قرآن لکھا یا اور صحابہ نے اُسے اول سے آخر تک لکھا اور جس جس نے لکھا اس کا لکھا ہوا اُسی کے پاس تھا اور ان لکھنے والوں میں دو قسم کے تھے۔ اول وہ جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتلایا اور آپ سے سن کر انہوں نے لکھا جیسا کہ پہلے معلوم ہوا کہ قرآن جب نازل ہوتا آپ اُن لکھنے والوں میں سے کسی کو بلا کر لکھا دیتے۔ دوسرے وہ جو آپ کے لکھائے ہوئے سے نقل کر لیتے۔ جیسا زید بن ثابت کہتے ہیں کہ آپ مجھے بتلاتے اور قرآن کی وہ آیات جو نازل ہوتیں لکھا دیتے میں لکھنے کے بعد پھر آپ کو سناتا اگر اُس میں اصلاح کی ضرورت ہوتی تو آپ اصلاح کرتے۔ اُس کے بعد میں اپنے اس لکھے ہوئے کو لوگوں کے پاس لاتا۔ چنانچہ زید نے اپنے اس لکھے ہوئے قرآن کو آخر وقت میں پھر آنحضرت کو سنایا اور اس قرآن کی ترتیب بعینہ یہی ہے جو ہمارے قرآن کی ہے (معارف ابن قتیبہ) اب جبکہ یہ معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قرآن لکھا یا تو ضرور صحابہ نے اُسی ترتیب سے لکھا اور یاد کیا جس ترتیب سے کہ آپ نے لکھا یا تھا۔ کیونکہ جس طرح کسی مسلمان خصوصاً

صحابہ کرام سے یہ ناممکن ہے کہ قرآن کی کسی آیت یا حرف کو بدل دیں اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ اس ترتیب کو بدل دیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھی دیکھو:

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمٍ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى غَيْرِ مَا أَقْرَأَهَا دَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأْنِيهَا وَكَذَلِكَ أَنْ أُعْمَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَهْمَلْتُهُ حَتَّى انْصَرَفَ ثُمَّ لَبَّيْتُهِ بِرِدَائِهِ فَجِئْتُ بِهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - (بخاری کتاب النسخ)

ترجمہ:- بخاری میں ہے۔ فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ ہشام نماز میں سورہ فرقان اُس کے خلاف پڑھتے تھے جس طور سے میں پڑھتا تھا اور سورہ فرقان مجھے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی میں یہ سن کر ایسا بخود ہو گیا کہ نماز ہی میں انہیں گرفت کرتا مگر تھوڑا تامل کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تب اُن کے گلے میں چادر ڈال کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور تمام فقہ سنا یا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو قرآن میں کسی قسم کی تغیر اور تبدل کو اپنی طرف سے رد کر دیتا یا ایسا ہونے پر سکوت کرتا۔ دیکھو ہشام نے ذرا اُس قراۃ میں اختلاف کیا تھا جو حضرت عمرؓ کو معلوم تھی تو حضرت عمرؓ اُس کے سننے کی تاب نہ لاسکے۔

إِنَّ الْحَاجَّ خَطَبَ فَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَبْدِلُ كَلَامَ اللَّهِ فَقَامَ ابْنُ عُمَرَ فَقَالَ كَذِبٌ لَمْ يَكُنْ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَسْتَطِيعُ أَنْ يُبْدِلَ كَلَامَ اللَّهِ وَلَا أَنْتَ - (تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج ۱ ص ۳۲)

ترجمہ حاج نے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ ابن زبیر نے قرآن بدل دیا فوراً یہ سن کر ابن عمر نے کھڑے ہو کر کہا کہ قرآن بدلنے کی نہ تجھے طاقت ہے نہ ابن زبیر کو۔

قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ عَفَّانَ ذَلِكَ يَنْتَوِقُونَ مِنْكُمْ الْإِقَالَ قَدْ نَسَخْتُمَا الْآيَةَ الْآخِرَى فَلَمْ تَكْتُبْهَا قَالَ نَدَّعُمَا ابْنُ أَبِي — لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْهُ مِنْ مَكَانِهِ - (بخاری مفرد)

ترجمہ:- بخاری میں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر کے جواب میں کہا میں قرآن سے کچھ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔

ان واقعات سے مہر نیمروز کی طرح روشن ہے کہ صحابہ کرام اپنی طرف سے قرآن میں کسی قسم کے تصرف کو رد و انہیں رکھتے تھے اور نہ کسی کے امکان میں یہ تھا کہ اپنی طرف سے قرآن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کر سکتا۔ اب خیال کرو کہ قرآن میں یہ دو امر بھی ہیں۔

(۱) اول ہر سورت کی آیتوں کی ترتیب (۲) دوسرے قرآن کی سورتوں کی ترتیب۔ کیونکہ قرآن محض الفاظ مفردہ کا نام نہیں بلکہ آیات مرتبہ اور سور مرتبہ کا نام ہے۔ جس طرح قرآن کے الفاظ کی جگہ دوسرے اس کے ہم معنی کا نام قرآن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر اس کے جملوں اور آیتوں کی ترتیب بدل دی جائے یا سورتوں کی ترتیب بدل دی جائے تو وہ بھی قرآن نہیں ہو سکتا اس لئے کہ خصوصیت الفاظ کو جس طرح ہر



کتاب میں دخل ہے اسی طرح ترتیب الفاظ اور اس کے حصص کی ترتیب کو بھی بڑا دخل ہے۔ دیکھو کسی مصنف کی کتاب کی ترتیب کو اگر بدل دیا جائے تو وہ بعد اس تبدل کے اس مصنف کی کتاب نہیں کہی جاسکتی اور ہر مصنف جس طرح اپنی کتاب کے لئے خاص الفاظ اور مضامین تجویز کرتا ہے اسی طرح اس میں باہم جملوں اور مضامین کا ایک خاص سلسلہ قائم کرتا ہے پس جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے احکام اور خلق کی ہدایت کے لئے ایک کتاب تجویز کی تو اس کتاب کے لئے جس طرح خاص خاص الفاظ تجویز کئے اسی طرح اس کے مضامین اور اس کے حصص کا سلسلہ بھی خود ہی قائم کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی سلسلہ اور ترتیب سے خود بھی یاد کیا۔ اور دوسروں کو بھی تعلیم دی اور لکھایا۔ ہمیں ایسے خیال پر نہایت ہی تعجب ہوتا ہے جو سورتوں کی آیتوں کو کہتے ہیں کہ ان کی ترتیب آسمانی نہیں انسانی ہے کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ قرآن معجز کلام ہے یعنی ایسا کلام ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ کلام معجز وہی ہے جہاں انسان کی پرواز ممکن نہ ہو اور اس سے بالاتر ہو۔ اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ ان آسمانی جملوں کی ترکیب کسی انسان کا کام مانا جائے اس لئے کہ جملوں کا ترکیب دینا اور ان میں مناسبت اور مقام کا لحاظ رکھنا ہی تو اعجاز کی روح ہے اور جب یہ ہی کسی انسان کا کام ہوا تو اس کے بعد اعجاز کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا اور ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ہر سورت میں جس قدر آیتیں اور جملے ہیں ان میں ضرور کوئی ایسا ارتباط ہے جس کی وجہ سے وہ ایک جدا سورت قرار دی گئی ہے ورنہ اگر ایک سورت کی تمام آیتوں میں کوئی ایسا مستحکم رشتہ جس نے ان تمام آیتوں کو ایک جگہ منسلک کر لیا ہے، نہ ہو تو ایسی صورت میں ان آیات کے مجموعہ کو علیحدہ سورت بنانے کی کوئی وجہ نہ ہوگی اور قرآن میں مختلف سورتیں قرار دینا لغو فعل ہوگا اور ان سورتوں میں بھی یہ فرق کہ ایک سورت ڈھائی پارے کی ہو اور ایک سورت ایک سطر کی بلا کسی ارتباط اور تعلق کے ناممکن ہے تو ضرور ہر سورت کی تمام آیات میں ایک خاص رشتہ ہے اور ہر سورت کے لئے موضوع جدا جدا ہے اور غرض اور غایت میں بھی فرق ضرور ہے۔ ہاں ہر سورت کے موضوع کو سمجھنا ہی البتہ مشکل ہے تا وقتیکہ موضوع ہر سورت کا معلوم نہ ہو اس وقت تک ان آیات میں ارتباط کا دریافت کرنا ناممکن ہے اور اسی اشکال کی وجہ سے بعض علمائے اسلام نے تو منہ یہ اقرار کیا ہے کہ آیات میں باہم ہر جگہ ارتباط اور تعلق نہیں ہے اور ایک دوسرے سے جدا ہیں اور بعض نے ارتباط کو تسلیم کیا ہے اور یہ کہہ ہے کہ باہم تمام آیات اور سورتیں مربوط ہیں لیکن جو ربط وہ بیان کرتے ہیں اس میں اس قدر تکلف کرنا پڑتا ہے اور آسمان و زمین کے قلابے بٹلانے ہوتے ہیں کہ یہ ربط خوب بے ربطی کے لئے کافی ضمانت ہے اور یہ تکلف یا بے ربطی محض اس وجہ

سے ہے کہ سورت کے موضوع اور مبحث کی پہلے تعین نہیں کی گئی اور وہ نہیں معلوم کیا گیا ہاں موضوع معلوم ہونے کے بعد تمام آیات میں رشد اتحاد مستحکم نظر آئے گا اور اس میں کسی تکلف کی ضرورت نہ ہوگی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک موضوع کے احکامات کا انتخاب اور ان احکامات کے بیان میں ترتیب اور ان کی مناسبت ہر شخص کی قابلیت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک ہی موضوع پر مختلف لوگوں کے بیان میں نمایاں امتیاز اور فرق اور دلوں پر اس کا اثر جدا جدا ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایک موضوع کے احکام اور لواحقات میں آسمانی ترتیب کا مقابلہ کوئی انسانی ترتیب نہیں کر سکتی اور اس کے جذب اور اثر اور گرویدہ کرنے کا جو افسون اور تسخیر آسمانی ترتیب میں ہوگا وہ کسی دوسرے کی ترتیب میں ناممکن ہے اس لئے بھی یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ہر سورت کی آیتوں کی ترتیب آسمانی ہے۔ چنانچہ احادیث سے بھی اس امر کی کافی اور کامل اور نہایت مستحکم ناقابل حرج شہادت ملتی ہے اور اس شہادت میں دو قسم کی حدیثیں ہیں۔ اول ایسی حدیثیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیتوں کی ترتیب آسمانی ہے اور ہر سورت کی ترتیب خود اس کے نازل کنندہ کی طرف سے دی گئی ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی طرف سے۔ دوسری حدیثیں وہ ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان سورتوں کو صحابہ کو سنایا اور جس طرح آپ نے سورتوں کو سنایا اسی طرح صحابہ نے یاد کیا اور لکھا نہ یہ کہ آپ نے محض آیات سنائیں اور ان میں ترتیب صحابہ نے دی اور جدا جدا سورتیں قائم کیں بلکہ جدا جدا سورتیں آنحضرت ہی نے قائم کی ہیں۔

اب میں یہاں چند احادیث دونوں قسم کی بیان کرتا ہوں

## قسم اول کی حدیث

(۱) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ خَمْسَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَالِ۔ (مسلم)

ترجمہ :- ابو درداد سے ہے۔ آنحضرت نے فرمایا جس نے سورہ کہف کے اول سے دست آہیں یاد کیں وہ دجال سے محفوظ رہے گا۔

(۲) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَافٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِينَ يُفْجَأُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَقَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْحَشْرِ وَكَلَّ اللَّهُ بِهِ سَبْعِينَ أَلْفَ قَلْبٍ يُصَلُّونَ عَلَيْهِ حَتَّى يُمَيِّسَ وَإِنْ مَاتَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ مَاتَ شَهِيدًا۔ (ترمذی)

ترجمہ :- معقل بن یساف سے روایت ہے۔ آنحضرت نے فرمایا جس نے صبح کو تین بار اَعُوذُ



يَا لَللَّهِ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھ کر سورہ حشر کے اخیر کی تین آیتیں پڑھیں تو ستر ہزار فرشتے اُس پر ایسے مقرر ہونگے جو شام تک اس کے لئے دُعاے رحمت کریں گے اور اگر وہ اُس دن میں مر جائے گا تو شہید مرے گا۔

(۳) عَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفِي عَامٍ أَنْزَلَ مِنْهُ آيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا تُقْرَأُ فِي دَارِ فُلْكَ لَيْلًا فَيَقْرَهُمَا الشَّيْطَانُ۔ (ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ فضائل قرآن)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں ہے ترمذی ابوداؤد میں نعمان سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے دو ہزار سال قبل ایک کتاب لکھی اسی کتاب سے وہ دو آیتیں اتاری ہیں جس نے سورہ بقرہ کو ختم کیا۔ جس گھر میں یہ دونوں پڑھی جائیں وہاں شیطان نہیں پھٹک سکتا۔

(۴) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ خَتَمَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ بِآيَتَيْنِ أُعْطِيَتْهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوهُنَّ وَعَلِّمُوهُنَّ نِسَاءَكُمْ فَإِنَّهُمَا صَلَوةٌ وَقِرْبَانٌ وَدُعَاءٌ۔ (دارمی مشکوٰۃ فضائل القرآن)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں ہے دارمی میں جبیر سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ نے سورہ بقرہ کو ایسی دو آیت پر ختم کیا جو مجھے اُس کے عرش کے خزانہ سے ملی ہیں تم انہیں خود بھی سیکھو اور اپنی عورتوں کو بھی سکھاؤ کیونکہ یہ رحمت ہے اور دُعا ہے اور عبادت ہے۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ سورہ بقرہ، کہف، حشر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مرتب تھیں جسے صحابہ جانتے تھے۔ اور ان سورتوں کی ترتیب آسمانی ہے اس لئے کہ آخر کی حدیثوں میں لفظ (ختم) جو فعل ماضی ہے اس کا فاعل خدا تعالیٰ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی آخر کی دو آیتوں کو آخر میں رکھنے والا خدا تعالیٰ ہے جس سے ہر ذی فہم کے لئے یہ امر نہایت روشنی میں آجاتا ہے کہ سورہ بقرہ کی ترتیب آسمانی ہے اس لئے کہ جب ان دو آیتوں کا آخر میں رکھنا خدا کا فعل ہے تو بقیہ آیتوں کو بھی اپنے مقام پر ذکر کرنا اور لانا خدا ہی کا فعل ہوگا اور ترتیب آیات اگر آسمانی نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ختم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ فرماتے اور جب بقرہ، کہف، حشر کی ترتیب آسمانی ہوتی تو قرآن کی تمام سورتوں کا یہی حال ہوگا۔

اس میں دو طرح کی حدیثیں ہیں۔ بعض وہ احادیث ہیں جن میں سورتوں کا نام نہیں بلکہ نام کی سورتوں کا بیان ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں جن میں سورتوں کا نام بنام ذکر ہے۔ اول میں پہلے طرح کی حدیثوں

دوسری قسم کی حدیث

کو لکھتا ہوں پھر دوسری طرح کی حدیثوں کو۔

(۱) قَالَ تَحْطَبْنَا عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَقَدْ أَخَذْتُ مِنْ فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضْعًا وَسَبْعِينَ سُورَةً۔ (بخاری، فضائل قرآن)

ترجمہ :- راوی کہتا ہے کہ ابن مسعود نے ایک روز خطبہ میں کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ اوپر ستر سورتیں یاد کیں۔

(۲) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا ابْنُ عَشَرَ سِنِينَ وَقَدْ قَرَأْتُ الْمُحْكَمَ وَفِي رِوَايَةٍ جَمَعْتُ الْمُحْكَمَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (بخاری، فضائل قرآن)

بخاری میں ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں محکم کو یعنی وہ سورتیں جو مفصل کہلاتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پڑھ لیا تھا اور اُس وقت میں دس سال کا تھا۔

(۳) قَالَ زَيْدُ ابْنِ أَبِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ وَقَدْ قَرَأْتُ سَبْعَ عَشَرَ سُورَةً فَقَرَأْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْجَبَهُ ذَلِكَ وَهُوَ ابْنُ أَحَدَى عَشَرَ سَنَةً۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج ۱ ص ۲۷)

تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں ہے زید بن ثابتؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف میں جب تشریف فرما ہوئے اس وقت میں ستر سورتیں پڑھ چکا تھا جن کو میں نے آنحضرتؐ کو سنایا آپؐ سن کر بہت خوش ہوئے زید اس وقت گیارہ سال کے تھے۔

(۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الرِّسْتَخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا مَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ (بخاری، تہجد)

بخاری میں جابرؓ سے ہے۔ رسول خداؐ ہم کو تمام کاموں میں استخارے کی دعا اسی طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے۔

(۵) سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَقَدْ أَذَكَّرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً اسْقَطْنَهَا مِنْ سُورَةٍ كَذَا وَكَذَا۔ (بخاری، کتاب الشہادت)

بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور فرمایا اُس پر اللہ رحم فرمائے۔ اس کے پڑھنے سے مجھے قرآن کی فلاں سورت کی فلاں آیات یاد آگئی جن کو میں بھول گیا تھا۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ ہر سورت کی تمام آیات اور اُن کی ترتیب آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی میں متعین تھیں اس لئے آپؐ کا یہ فرمان صحیح ہوگا کہ فلاں سورت کی فلاں آیت میں بھول گیا تھا ورنہ اگر سورت کی آیات مقرر نہ ہوتیں تو آپؐ کا یہ کہنا صحیح نہ ہوتا کہ فلاں سورت کی فلاں

آیت یہ جب ہی درست ہوگا جب آیتوں کو سورتوں کے لئے مقرر کر دیا ہو۔

(۶) قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفَى بَيْنَ كَفِّيهِ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ الْخ (بخاری کتاب الاستیذان)  
بخاری میں ہے۔ راوی کہتا ہے ابن مسعود کہتے تھے رسول خدا نے مجھے التحیات کی اسی طرح تعلیم دی جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔

(۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ لَصْرًا نَبِيًّا فَأَسْلَمَ وَقَرَأَ الْبَقْرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ فَكَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَادَ لَصْرًا نَبِيًّا الْخ (بخاری کتاب المناقب)

بخاری میں ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک عیسائی اسلام لایا اور سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھی یہ وحی لکھتا تھا پھر مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا۔

(۸) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْبَدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْآيَاتُ مِنَ آخِرِ سُورَةِ الْبَقْرَةِ مَنْ قَرَأَهَا فِي لَيْلَةٍ كَفَّاهُ (بخاری مناقب)

ترجمہ: بخاری میں ابو مسعود سے ہے رسول خدا نے فرمایا۔ آخر سورہ بقرہ سے دو آیت جو رات میں پڑھے گا وہ اس کو کافی ہوں گی۔

(۹) قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ قَدْ عَلِمْتُ لَتَظَاهِرَ الْآيَاتُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ هُنَّ اثْنَتَيْنِ اثْنَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَامَ عَبْدُ اللَّهِ وَدَخَلَ مَعَهُ عُلُقَمَةُ وَخَرَجَ عُلُقَمَةُ فَسَأَلَاهُ فَقَالَ عَشْرُونَ سُورَةً مِنْ أَوَّلِ الْمَفْصَلِ عَلَى تَأْلِيفِ ابْنِ مَسْعُودٍ آخِرُهُنَّ مِنَ الْخَوَارِجِ مِنْ لَحْمِ الدَّخَانِ وَغَمٍّ يَتَسَلَكُونَ (بخاری فضائل)

ترجمہ: بخاری میں ہے ابن مسعود نے کہا میں ان ماضی سورتوں کو جانتا ہوں جس میں کی دو سورتیں آنحضرت ایک ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔ لوگوں نے علقمہ سے ان سورتوں کو دریافت کیا تو علقمہ نے جواب دیا کہ ابن مسعود کی ترتیب کے موافق اول مفصل سے بیس سورتیں ہیں ان میں آخر حم دغان اور غم بیمار لون ہے۔

(۱۰) عَنْ الْبَرَاءِ قَالَ آخِرُ سُورَةٍ نَزَلَتْ كَامِلَةٌ بَرَاءَةٌ وَآخِرُ سُورَةٍ نَزَلَتْ خَاتِمَةٌ سُورَةُ النَّسَاءِ يَسْتَفْتُونَكَ الْخ (بخاری مغازی)

ترجمہ: بخاری میں براء سے ہے کہ پوری سورتوں میں آخر میں سورہ براءہ نازل ہوئی اور سورہ نساء کا آخر نازل ہوا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض سورتیں ایسی بھی ہیں جو ایک بار پوری مرتب نازل ہوئیں اور انہیں میں سورہ براءہ ہے جو کہ سب کے آخر میں نازل ہوئی اور سورہ نساء کے آخر کی آیت بھی آخر میں

نازل ہوئی ہے۔

(۱۱) عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالْمَثَلَاتِ عُرْفًا. (متفق عليه) (مشکوٰۃ قراءۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں بخاری، مسلم سے ہے۔ ام فضل کہتی ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں سورۃ مرسلات پڑھتے ہوئے سنا۔

(۱۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْبُحَيْرِيقِ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَنَحْوَهَا. (مشکوٰۃ قراءۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں بخاری، مسلم سے ہے جابر کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں سورہ ق اور اس کے مثل سورۃ پڑھتے تھے۔

(۱۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْبُحَيْرِيقِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْمَثَلَاتِ السَّجْدَةِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَىٰ وَفِي الثَّانِيَةِ هَلْ آتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ. (مشکوٰۃ قراءۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں بخاری، مسلم سے ہے ابو ہریرہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کو صبح کی پہلی رکعت میں الم تنزل السجدۃ اور دوسری رکعت میں هل آتی علی الانسان پڑھتے تھے۔

(۱۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرِافٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِينَةِ وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَأَ سُورَةَ الْجُمُعَةِ فِي السَّجْدَةِ الْأُولَىٰ وَفِي الْآخِرَةِ إِذَا جَاءَ الْمُنَافِقُونَ. فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ. (مسلم مشکوٰۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے عبید اللہ کہتے ہیں مروان نے ابو ہریرہ کو مکہ جانے وقت مدینہ میں اپنا قائم مقام کیا۔ ابو ہریرہ نے جمعہ میں اول رکعت میں سورۃ جمعہ اور دوسری رکعت میں

اِذَا جَاءَ الْمُنَافِقُونَ پڑھی اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے جمعہ میں انھیں پڑھتے سنا ہے۔

(۱۵) عَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَهَلْ آتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ. (مسلم مشکوٰۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے نعمان کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اور هل آتاك حديث الغاشية پڑھتے تھے۔

(۱۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَضْحَىٰ وَالْفِطْرِ فَقَالَ يَقْرَأُ فِيهِمَا بِقِ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ. (مسلم مشکوٰۃ)

ترجمہ: مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے عبید اللہ کہتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے ابو واقد سے پوچھا کہ آنحضرت



عیدین میں کیا پڑھتے تھے کہا، سورہ ق اور سورہ اقربت الساعۃ۔

(۱۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُورَةِ الْأَعْرَافِ فَرَقَنَاهَا فِي الرَّكَعَتَيْنِ۔ (مسلم، مشکوٰۃ)

ترجمہ :- مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی دو رکعت میں پوری سورہ اعراف پڑھی۔

(۱۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ بِحَمْدِ الدَّخَانِ۔ (نسائی، مشکوٰۃ)

ترجمہ :- مشکوٰۃ میں نسائی سے ہے ابن عتبہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں حمد الدخان پڑھی۔

(۱۹) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُحَيْرُ فَلَمْ يُجِدْ فِيهَا مَتَفَقَ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ - سجود القرآن)

ترجمہ :- مشکوٰۃ میں بخاری، مسلم سے ہے زید کہتے ہیں میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ البقرہ سنائی مگر آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

(۲۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَجَدَ نَامَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ وَأَقْرَأَ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ (مسلم، مشکوٰۃ)

ترجمہ :- مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے ابو ہریرہ کہتے ہیں ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورہ اذا السماء انشقت اور اقرا باسم ربك میں سجدہ کیا۔

(۲۱) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدَ مَنْ لَيْسَ مِنْ عَزَائِدِ السُّجُودِ وَقَدْ رَأَتْ آيَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيهَا۔ (بخاری، مشکوٰۃ)

ترجمہ :- مشکوٰۃ میں بخاری سے ہے ابن عباس کہتے ہیں سورہ ص میں سجدہ ضروری نہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے میں نے دیکھا ہے۔

(۲۲) عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيهِمُ الْبَقْرَةَ دَالَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ أَوِ الْآحَامَ۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ، مطاوع)

ترجمہ :- مشکوٰۃ میں ابوداؤد سے ہے حذیفہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شب کی نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ نے چار رکعت پڑھیں جن میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء، سورہ مائدہ یا النعام کو پڑھا۔

(۲۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِي بِلَاكٍ يَقْرَأُ فِيهِمْ بِسُورَةِ

سُورَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلَاثِ سُورٍ آخِرُهُنَّ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ. (ترمذی مشکوٰۃ الوریٰ)  
ترجمہ:- مشکوٰۃ میں ترمذی سے ہے۔ علی رضی نے فرمایا رسول خدا و ترکی تین رکعت پڑھتے جن میں مفصل کی نو سورتیں ہر ایک میں تین تین پڑھیں اور آخر سورۃ قل ہوا اللہ تہی۔

(۲۳) عَنْ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُورَةَ الْكَهْفِ وَإِلَى جَانِبِهِ حِصَانٌ مَرْبُوطٌ بِشَظَنَيْنِ فَتَغَشَّاهُ سَحَابَةٌ فَبَعَثَتْ تَدْنُو وَتَذْنُو وَجَعَلَ قَرْنُهُ يَنْفَرُ كَمَا أَصْبَحَ أَنَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ. متفق علیہ (مشکوٰۃ فضائل القرآن)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں بخاری، مسلم سے ہے برابر کہتے ہیں ایک آدمی سورۃ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے بازو میں گھوڑا بندھا ہوا تھا اتنے میں ابرنمودار ہوا جس نے گھوڑے کو گھیر لیا اور قریب ہونا شروع ہوا گھوڑا دیکھ کر کودنے لگا۔ صبح کو اس نے یہ واقعہ رسول خدا سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا یہ رحمت تھی جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔

(۲۵) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِّنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَالِ. (مسلم مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں مسلم سے ہے ابو دردار کہتے ہیں آنحضرت نے فرمایا جو سورۃ کہف کی اول سے دس آیت یاد کرے دجال سے محفوظ رہے۔

(۲۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْآنِ نَبَأٌ. (ترمذی۔ دارمی۔ مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں دارمی، ترمذی سے ہے انس کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شے کے لئے قلب ہے اور قرآن کا قلب سورۃ یس ہے۔

(۲۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ قَرَأَ طَهُ وَ يَسَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفِ عَامٍ. (دارمی۔ مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں دارمی سے ہے ابو ہریرہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے ایک ہزار قبل سورہ طہ اور سورہ یس پڑھی۔

(۲۸) عَنْ جَابِرِ بْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ اللَّهُ تَنْزِيلَ وَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ. (احمد۔ دارمی۔ ترمذی۔ مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں احمد، دارمی، ترمذی سے ہے۔ جابر کہتے ہیں آنحضرت جب تک سورہ الم تنزل اور سورہ تبارک الذی نہیں پڑھ لیتے تھے سوتے نہیں تھے۔

(۲۹) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقُرُّ سُورَةَ هُودٍ - أَوْ سُورَةَ يُوسُفَ قَالَ لَنْ تَقْرَهُ شَيْئًا أَبْلَغَ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ قُلِّ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ - (احمد، دارمی، نسائی، مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں احمد، دارمی، نسائی سے ہے عقبہ کہتے ہیں میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: سورۃ ہود اور سورۃ یوسف پڑھا کروں فرمایا قل اعوذ برب الفلق اس سے زیادہ بلیغ ہے۔

(۳۰) عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِكُلِّ شَيْءٍ عَرُوسٌ وَعَرُوسُ الْقُرْآنِ الرَّحْمَنُ - (مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں ہے علی رضی اللہ عنہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ ہر شے کے لئے زینت ہے اور قرآن کی زینت سورۃ رحمن ہے۔

(۳۱) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَدًا - (مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں ہے ابن مسعودؓ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہر رات میں سورۃ واقعہ پڑھے محتاج نہ ہوگا۔

(۳۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا قَالُوا أَسْمَانِي قَالَ نَعَمْ فَبَكَى - (مشکوٰۃ)

ترجمہ:- مشکوٰۃ میں بخاری، مسلم سے ہے انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ابی سے فرمایا خدا کا حکم ہے کہ میں سورۃ لم یکن اللہین تمہیں سناؤں ابی نے عرض کیا خدا نے کیا میرا نام یا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس پر ابی پر گریہ کی حالت طاری ہو گئی۔

ان کے سوا اور بہت ایسی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی سورتیں آپ کے عہد مبارک میں مرتب پڑھی جاتی تھیں اور صحابہ اُس سے واقف تھے لیکن طوالت کے خوف سے محض اسی قدر حدیثوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ انصاف پسند اور حق پسند کے لئے اس قدر حدیثیں بھی کافی ہیں البتہ جن کے دل میں فہم کا نور اور انصاف کا ذوق اور حق کی لذت نہیں وہ آفتاب کی روشنی میں بھی راستہ نہیں دیکھ سکتے گو یہ بعض حدیثیں جن میں قرآن کی چند سورتوں کا بیان ہے۔ قرآن کے تمام سورتوں کی ترتیب کے لئے شاہد ہیں مگر مزید اطمینان کے لئے ایسی حدیثیں بھی لکھتا ہوں جن سے قرآن کی تمام سورتوں کی ترتیب پر روشنی پڑے۔

(۱) عَنْ زُرَّارَةَ بْنِ أَبِي أُوَيْسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَ أَحَدَ الْعَمَلِ أَفْضَلَ قَالَ الْحَالُ الْمُرْتَجِلُ قَبْلَ مَا الْحَالُ الْمُرْتَجِلُ قَالَ صَاحِبُ الْقُرْآنِ يَقْرَأُ عَنْ أَوَّلِ الْقُرْآنِ إِلَى آخِرِهِ وَمِنْ آخِرِهِ إِلَى أَوَّلِهِ كُلَّمَا حَلَّ أَرْتَجِلُ - (دارمی ص ۴۴)

ترجمہ :- داری میں زرارہ سے ہے آنحضرت سے دریافت کیا گیا کہ نسا عمل تمام میں بہتر ہے یا سہرا یا اترنا اور سفر کرنا۔ پوچھا گیا کس طرح۔ فرمایا قرآن دان جو قرآن کو اول سے آخر تک پڑھے پھر آخر سے اول قرآن کی طرف عود کرے یعنی دوبارہ شروع کر دے۔

یہ حدیث اس فیصلہ اور تصدیق کے لئے کافی ضمانت ہے کہ قرآن آپ کے زمانہ میں مرتب تھا۔ کیونکہ اول و آخر کی تعیین بلا ترتیب اور غیر مرتب میں ناممکن ہے۔

(۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ مَا مِنْ الْمَفْصَلِ سُورَةٍ صَغِيرَةٍ وَلَا كَبِيرَةٍ إِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَمِّرُ بِهَا النَّاسَ (مالک)  
(مشکوٰۃ باب القراءۃ)

ترجمہ :- مشکوٰۃ میں مالک سے ہے کہ عمرو کے باپ نے اپنے دادا سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں مفصل میں کوئی ایسی چھوٹی بڑی سورت نہیں جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے نماز میں نہ سنی ہو۔ یعنی مفصل کی تمام سورتیں آپ سے سنیں۔

(۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ أَقَرُّنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِي الْقُرْآنِ مِنْهَا ثَلَاثٌ فِي الْمَفْصَلِ وَفِي سُورَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ۔ (ابن ماجہ ابوداؤد، مشکوٰۃ)  
ترجمہ :- مشکوٰۃ میں ابوداؤد، ابن ماجہ سے ہے عمرو کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قرآن میں مجھے پندرہ سجدے پڑھائے جس میں سے مفصل میں تین اور سورۃ حج میں دو ہیں۔  
ان عمرو بن العاص (جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھایا۔ اور قرآن میں پندرہ سجدے بتائے) کے بیٹے عبداللہ پورے قرآن کے حافظ تھے اور ہر روزرات میں تمام قرآن تہجد میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ عبداللہ کے پاس پورا قرآن لکھا ہوا بھی تھا جیسا میں پہلے لکھ آیا ہوں۔  
عمرو عبداللہ۔ ابوالدرداء وغیرہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ترتیب سے تمام قرآن پڑھایا وہی ترتیب قرآن کی آسمانی تھی اور اسی ترتیب سے صحابہ نے لکھا اور یاد کیا۔ اور آج تک اسی طرح سے مسلمانوں کے ہاتھ میں محفوظ ہے۔

(۴) وَصَحَّ عَنْ عَائِشَةَ أُعْطِيتُ مَكَانَ التَّوْرَةِ السَّبْعُ الطُّوَالُ وَأُعْطِيتُ مَكَانَ الزَّبُورِ الْمِثْنَيْنِ وَأُعْطِيتُ مَكَانَ الْإِنْجِيلِ السَّبْعُ الْمَثَانِ وَفُضِّلْتُ بِالْمَفْصَلِ۔ وَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ الْقُرْآنَ كَانَ مُوَلَّغًا مِنْ ذَلِكَ الْوَقْتِ وَإِنَّمَا جُمِعَ فِي الْمَصْنُوعِ عَلَى شَيْءٍ وَاحِدٍ وَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ سُورَةَ الْأَنْفَالِ سُورَةٌ مُسْتَقِلَّةٌ وَلَيْسَتْ مِنْ بَرَاءَةِ وَالسَّبْعُ الطُّوَالُ الْبَقَرَةُ وَالْأَمْرَانِ وَالنَّسَاءُ وَالْمَائِدَةُ وَالْأَنْعَامُ وَالْأَعْرَافُ وَالْيُونُسُ وَالْمُتُونِ مَا كَانَ فِيهِ مِائَةُ آيَةٍ أَوْ قَرِيبَ مِائَةٍ بِزِيَادَةٍ يَسِيرَةً أَوْ نَقْصَانٍ يَسِيرٍ مِمَّا مَرَّ بِالْهَدْيِ۔



ترجمہ :- منار الہدیٰ میں ہے۔ یعنی حضرت عائشہ سے صحیح طور سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بجائے قرئت کے مجھے قرآن میں سات بڑی سورتیں دی گئیں اور بجائے زبور میں دئے گئے۔ اور بجائے انجیل سبع مثانی اور مفصل ان سے زائد دیئے گئے۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ قرآن آنحضرتؐ کے عہد میں مرتب تھا۔ کیونکہ جو ترتیب اس حدیث میں ہے وہی ترتیب قرآن کی اس وقت ہے اور پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ سورہ انفال مستقل سورت ہے اور سورہ براءۃ کا حصہ نہیں ہے۔ صاحب منار الہدیٰ نے تو اس حدیث کو حضرت عائشہؓ سے روایت کیا۔ اور امام احمد نے اپنی مسند میں واثلہ بن الاسقع سے روایت کیا ہے جیسا کہ اتفاق سینوطی میں ہے۔

الغرض بانی اسلام نے سورتوں کی آیات میں اور سورتوں میں جو ترتیب قائم کی اور ہزار صحابہ نے آپؐ سے جس ترتیب سے سنا اور آپؐ نے پڑھایا لکھا یا اُسی ترتیب سے صحابہ نے یاد کیا اور لکھا۔ اور ان کے بعد تابعین نے بھی صحابہ سے جو ترتیب سنی یا لکھی وہ وہی ترتیب تھی جو بانی اسلام کے مبارک عہد میں قائم ہو چکی تھی اور نسلاً بعد نسل اُسی طرح سے اس وقت تک محفوظ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں اکثر ملک عرب کی سرزمین آفتاب اسلام سے منور ہو چکی تھی۔ مغرب میں بحر احمر سے یمن کے کنارے کنارے خلیج فارس تک پہنچ گیا تھا۔ بحرین، نجد، عمان، یمن، طائف، مکہ، مدینہ۔ ان تمام بڑے بڑے شہروں اور ان کے اطراف دیہاتوں اور تمام قبائل میں اُسی وعدہ لا شریک لہ کی پانچوں وقت باواز بلند منادی کی جاتی تھی۔ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ پچیس ہزار مسلمانوں کو آنحضرتؐ کی ہر کابی کا فخر حاصل تھا اور ان کے بھولا کھوں کی تعداد میں تمام عرب میں مسلمان پھیلے ہوئے تھے۔ ہر مسلمان پر پانچ وقت نماز میں قرآن پڑھنا لازمی تھا جن میں ایسے مسلمان بھی کثرت سے تھے جو رات کے آخر حصہ میں جاگتے، قرآن پڑھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزاروں مسلمانوں نے نماز میں قرآن بار بار سنا بلکہ اس کثرت سے سنا گیا کہ بعض کو سنتے سنتے پوری سورتیں یاد ہو گئی تھیں۔ ہر رمضان میں پورے قرآن کا آپؐ دور کرتے جس میں صحابہ بھی شریک ہوتے۔ ہزاروں صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی قرآن پڑھایا اور نیز یہ بھی عام طور سے فرمادیا۔

إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ مَا عَمِلَهُ وَنَشَرَهُ  
وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ أَوْ مَصْصَفًا وَرَكَّهُ أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا لَابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ أَوْ نَهْرًا  
أَجْرَاهُ أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ تَلَقَّاهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ۔

(مشکوٰۃ۔ کتاب العلم عن ابی ہریرہ)

ترجمہ :- یعنی مسلمان کو مرنے کے بعد بھی اس کے اعمال سے ان اعمال کا ثواب ملتا رہتا ہے (۱) وہ علم جس کو لوگوں میں شائع کرے اور تعلیم دے (۲) اولاد صالح (۳) لکھائے ہوئے قرآن کو اپنے مال متروکہ میں چھوڑے (۴) مسجد بنائے (۵) مسافر خانہ بنائے (۶) نہر نکلوئے (۷) اپنی صحت میں صدقہ نکالے۔

آنحضرتؐ کے اس فرمان کے بعد کون ایسا مسلمان ہوگا جس نے قرآن کے لکھانے کی کوشش نہ کی ہوگی اور کیا اس کے بعد بھی صحابہ نے قرآن نہ لکھائے ہوں گے۔ الفرض آپ کی زندگی کا اعلیٰ مقصد صرف قرآن کی تعلیم تھی۔ ہزاروں کی تعداد میں تمام سرزمین عرب پر آپ کی طرف سے قرآن کے معلمین اور مبلغین بھیجے ہوئے تھے اور تمام عرب گھر گھر اور بچہ سے لے کر بوڑھے تک مرد سے لے کر عورت تک ہر شخص کی زبان پر قرآن کا ذکر اور اس کا ذوق تھا اور اس کی دلچسپی اور دلکش عجیب و غریب طرز نے ہر شخص کو اپنا فریفتہ اور گرویدہ بنا لیا تھا۔ ہر مسلمان کو کم و بیش قرآن یاد تھا۔ اور ہزاروں ایسے تھے جن کو قرآن تمام و کمال حفظ تھا اور ہزاروں کی تعداد میں لکھا ہوا قرآن بھی ان میں تھا اور ان حفاظ کے دل اور اوراق کے صفحات پر اسی ترتیب سے منقش اور لکھا ہوا تھا جو معلم اول اور اسلام کے داعی سے انھوں نے سیکھا اور سنا تھا۔ آخری رمضان میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے دوبارہ ختم کئے اور اس میں ابن مسعود اور زید بن ثابت بھی برابر موجود رہے اور تمام و کمال قرآن آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، ابن قتیبہ نے معارف میں زید بن ثابت کے احوال میں لکھا ہے۔

كَانَ آخِرُ عَرْضِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ عَلَى مُصَحِّفِهِ وَهُوَ أَقْرَبُ الْمُصَاحِفِ مِنْ مُصَحِّفِنَا وَقَدْ كَتَبَ زَيْدُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

زیدؓ نے اخیر میں اپنا لکھا ہوا قرآن آنحضرتؐ کو سنایا اور زید کے اس قرآن کی ترتیب ہمارے قرآن کی تھی۔ اور زید نے حضرت عمرؓ کے لئے بھی ایک قرآن لکھا تھا۔

صحیح بخاری کی کتاب فضائل القرآن کے باب ثانی جبریلؑ یُعَارِضُ الْقُرْآنَ میں ہے۔

عَنْ فَاطِمَةَ، أَسْتَرِ ابْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ جِبْرِيلَ يُعَارِضُنِي بِالْقُرْآنِ كُلِّ سَنَةٍ وَإِنَّهُ عَارِضُنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَا أَرَاهُ إِلَّا خَصْرًا جَلِيلًا۔

فاطمہؓ نے فرمایا، آنحضرتؐ نے مازداری کے طور سے مجھ سے یہ فرمایا کہ جبریلؑ ہر سال قرآن کا ایک بار مجھ سے دُور کرتے تھے مگر اس سال دوبار کیا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ آفتاب نبوتؐ غروب ہوا چاہتا ہے۔

جس ترتیب سے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ سے اس آخر وقت میں دُور کیا تھا وہی ترتیب قرآن کی آج تک مسلمانوں میں ہے اور تمام اہل اسلام اس پر متفق ہیں۔ چنانچہ مولانا بحر العلوم شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔

(۱) وَأَيْضًا ظَهَرَ مِنْ هَذَا أَنَّ التَّرْتِيبَ الَّذِي يُقْرَأُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ ثَابِتٌ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ الْقُرْآنَ الْعَشْرَةَ بِأَسَانِيدٍ هِيَ الصَّحَاحُ الْمُجْتَمِعُ عَلَى صَحَّتِهَا نَقَلُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَاءَتَهُمْ وَقَرُّوْا عَلَى هَذَا التَّرْتِيبِ وَنَقَلُوا أَنَّ شَيْئُوهُمْ أَقْرَأَهُمْ هَكَذَا أَوْ شَيْئُوهُمْ شَيْئُوهُمْ أَقْرَأَهُمْ هَكَذَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (شرح مسلم بحر العلوم مصر ص ۷)

ترجمہ :- یہاں سے معلوم ہوا قرآن کی یہ ترتیب جس پر وہ آج ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس لئے کہ وہ دس قاری جن کی قرارت اسلامی دنیا میں باتفاق مقبول ہے انہوں نے اپنی ایسی صحیح سندوں سے جس کی صحت پر تمام امت کا اتفاق ہے قرآن کو اسی ترتیب سے آنحضرت سے نقل کیا اور ان کے استادوں نے انہیں اسی طرح سے پڑھایا اور بتایا ہے۔ اسی طرح سے برابر یہ سلسلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

مولوی سید محمد صاحب فاضل شیعہ تنزیہ القرآن میں مولوی سید مرتضیٰ علم الہدی سے ناقل ہیں۔  
(۲) إِنَّ الْقُرْآنَ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُجْمُوعًا مُوَلَّفًا عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ الْآنُ وَكَانَ يُدْرَسُ وَيُحْفَظُ جَمِيعُهُ فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ وَإِنَّهُ كَانَ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُنْتَلَى عَلَيْهِ وَإِنَّ جَمَاعَةً مِنَ الصَّحَابَةِ كَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي بَكْرٍ كَعْبٍ وَغَيْرُهُمْ خَتَمُوا الْقُرْآنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِدَّةً خَتَمَاتٍ وَكُلُّ ذَلِكَ بِأَدْنَى تَأَمُّلٍ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ كَانَ مُجْمُوعًا مُرْتَبًّا غَيْرَ مُتَبَوِّرٍ وَلَا مُبْتَوِّثٍ. (تنزیہ الفرقان ص ۴۹ و تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۷۷)

ترجمہ :- قرآن جس ترتیب پر آج ہے آنحضرت کے مبارک عہد میں بھی وہ اسی طرح مرتب تھا اور اسی طرح سے اُس وقت پڑھایا جاتا تھا اور اسی طرح سے یاد کیا گیا۔ اور رسول خدا کو اسی طرح سے سنا تے اور آپ کے سامنے پڑھتے تھے اور صحابہ کی بڑی جماعت نے (جس میں ابن مسعود اور ابی بن کعب وغیرہم ہیں) اکثر بار آنحضرت کو پورا قرآن سنا یا جس سے صاف روشن ہے کہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرتب تھا نہ متفرق غیر مرتب۔

(۳) عَنْ ابْنِ وَهَبٍ قَالَ سَمِعْتُ مَالَكًا يَقُولُ اِسْمَاءُ الْفَقْرَانُ عَلَى مَا كَانُوا يَسْمَعُونَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (اتقان)

ترجمہ :- اتقان میں ابن وہب سے ہے کہ انھوں نے امام مالک سے سنا قرآن جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا گیا ویسے ہی ترتیب دیا گیا ہے۔

(۴) قَالَ الْبَغَوِيُّ فِي شَرْحِ السُّنَنِ الصَّحَابَةُ جُمِعُوا بَيْنَ الدَّقَتَيْنِ الْقُرْآنَ الَّذِي أَنْزَلَهُ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ فَكُتِبَتْهُ كَمَا سَمِعُوهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ أَنْ قَدْ مَوْأَشِيًا أَوْ

آخِرُوا اَوْضَعُوْهُ تَرْجِيْبًا لَمْ يَأْخُذْهُ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلٰهٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلْقِنُ اَصْحَابَهُ وَيُعَلِّمُهُمْ مَا نَزَلَ عَلَيْهِ مِنَ الْقُرْآنِ عَلَى التَّرْتِيْبِ الَّذِي هُوَ اِلَّا فِي مَصَاحِفِنَا اَنْتَهَى مُلَخَّصًا. (اتقان)

ترجمہ :- اتقان میں ہے امام بغوی شرح السنہ میں لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن آنحضرت پر نازل کیا صحابہ نے اُسے ویسے ہی لکھا جیسا آنحضرت سے سنا بلا تقدیم و تاخیر کے اور نہ اپنی طرف سے کوئی ایسی ترتیب قائم کی جو رسول اللہ نے قائم نہ کی تھی اور نہ آپ سے سنی تھی آنحضرت نے اپنے صحابہ کو خدا کا نازل کردہ قرآن اُسی ترتیب سے بتایا اور سکھلایا جو ترتیب قرآن کی اس وقت ہے۔ (۵) قَالَ ابْنُ الْحَصَارِ تَرْجِيْبُ السُّوْرَةِ وَوَضْعُ الْاَيَاتِ مَوَاضِعَهَا اِنَّمَا كَانَ بِالرَّسُوْلِ اِلٰهٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ضَعُوْا اَيَةً كَذَا فِي مَوْضِعٍ كَذَا وَقَدْ حَصَلَ الْيَقِيْنُ مِنَ النَّقْلِ الْمُتَوَاتِرِ بِهَذَا التَّرْتِيْبِ مِنْ تِلَاوَةِ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِمَّا لَا يَجْمَعُ الصَّاحِبُ عَلَى وَضْعِهِ هَكَذَا فِي الْمَصْصِفِ۔

ترجمہ :- اتقان میں ہے ابن حصار کہتے ہیں۔ سورتوں میں آیتوں کی اپنے اپنے موقع پر ترتیب اور قرآن میں سورتوں کی اپنی اپنی جگہ پر ترتیب کی بھی آنحضرت پر وحی ہوتی اور آنحضرت اسی وحی کے موافق ہر آیت اور سورت کا موقع بیان فرمادیتے تھے اور اسی کے موافق صحابہ لکھتے پڑھتے۔ تو اتر سے، میں اس کا یقین ہے کہ آنحضرت قرآن کو اُسی ترتیب سے پڑھتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے تمام صحابہ نے اُسی ترتیب پر اجماع کیا۔

(۶) قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ الْخَاسُّ الْمُخْتَارُ أَنَّ تَالِيْفَ السُّوْرِ عَلَى هَذَا التَّرْتِيْبِ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (اتقان)

ترجمہ :- اتقان میں ہے۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ یہ ترتیب قرآن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہے۔

(۷) قَالَ الشَّيْخُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ فِي كِتَابِ التَّبْيَانِ فِي آدَابِ حَمَلَةِ الْقُرْآنِ اَنَّ الْقُرْآنَ الْعَزِيْزَ كَانَ مُؤَلَّفًا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَا هُوَ فِي الْمَصَاحِفِ الْيَوْمَ. (تاریخ ابن الوردي)

ترجمہ :- امام نووی نے تبیان فی آداب حملہ القرآن میں لکھا ہے جس طرح قرآن اس وقت مرتب ہے اُسی ترتیب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا۔

(۸) ولیم میور صاحب لائف آف محمد آج ۱۷۵۷ء مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء میں لکھتے ہیں :- اور عرب کا حافظہ کیسا ہی دیر پا کیوں نہ ہوتا ہم ان تحریروں کو جو صرف یاد ہی سے لکھی جائیں ہم بے اعتبار سمجھ لیتے۔ لیکن اس امر کے باور کرنے کی وجہ معقول ہے کہ بہت سی مجزی نقلیں جن میں

مکمل قرآن شامل تھا یا جو تقریباً کل پر محتوی تھیں مسلمانوں نے پیغمبر کی حیات میں لکھ لی تھیں۔ جب کہ ان لوگوں کو لکھنے کی استعداد حاصل تھی تو مجمع نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جو چیز ایسی حفاظت شدید سے یاد کی جاتی تھی وہ اسی طرح بکمال احتیاط لکھی بھی جاتی ہوگی۔ (تاریخ محمدی مولفہ مولوی فیروز الدین) اور اس کے بعد پھر آنریبل فاضل موصوف لکھتے ہیں: علاوہ ان تصریحات کے جو قرآن ہی میں خود اس کے مکتوب ہونے پر پائی جاتی ہیں۔ ایک صحیح روایت میں جس میں عمرؓ کے مسلمان ہونے کی کیفیت مروی ہے قرآن کی بیسویں سورۃ کی نقل کا تذکرہ ہے جو عمرؓ کی بہن کے گھر میں ان کے ذاتی مصرف کے لئے تھی یہ اس زمانے کا ذکر ہے جو ہجرت سے تین یا چار برس پیشتر گذرا۔ تو اگر اس قدر قدیم زمانے میں قرآن کی نقلیں لکھی جاتی تھیں اور عام تھیں۔ درآنحالیکہ مسلمان کم اور مظلوم تھے تو یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب پیغمبر کو قوت ہوئی اور یہ کتاب اکثر ملک عرب کے لئے شریعت قرار پائی تو اس وقت قرآن کے نسخے کثرت سے بڑھ گئے ہوں گے۔

(۹) فاضل محمد بن الحسن حرطالی شیعہ لکھتے ہیں: ہر کسے کہ تتبع اخبار و شخص تواریخ و آثار نمودہ بعلم یقینی میداند کہ قرآن در غایت داعی درجہ تو اتر بودہ و آلاٹ صحابہ حفظ و نقل می کردند۔ ان در عہد رسول خدا مجمع مولف بود۔

ان کے سوا بھی اگر یہ خیال کیا جائے کہ علمائے اسلام نے جبکہ قرآن کے سوا آنحضرتؐ کی حدیث میں بھی یہ احتیاط کی ہے کہ کوئی قرآن و حدیث کی تعلیم اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک وہ قرآن اور حدیث کسی ایسے فاضل و عالم کو سنا کر سند حاصل نہ کرے۔ جس نے اپنے استاد سے اس نے اپنے استاد سے سند حاصل کی ہو۔ اسی طرح سے آنحضرتؐ پر اس زنجیر کی آخری کڑی منتهی ہو۔ اور جو شخص بلا اس زنجیر کی کڑی کی گرفت کے محض اپنی علمی قابلیت کے اعتماد پر تعلیم دینا چاہے تو ہرگز کوئی مسلمان اس کے آگے زانوئے تلمذ نہ کرے گا تا وقتیکہ وہ اپنے قرآن اور حدیث کے سماع کو معتبر شخص سے ثابت نہ کرے اور اس میں اور آنحضرتؐ میں جو واسطے ہیں ان کی پرہیزگاری اور دینداری ثابت نہ ہو۔ اسلامی دنیا میں اس وقت جس قدر حفاظ اور قرآن کے قاری ہیں وہ تمام اسی قرآن کی سماعت کے مختلف واسطوں سے آنحضرتؐ تک پہنچاتے ہیں اور ہر ایک قاری اور حافظ کی سند کا آخری شخص اسی قرآن مرتب کی بلا تغیر و تبدل اور کمی بیشی کے اپنی سماعت آنحضرتؐ سے بیان کرتا ہے۔ تو اب جب یہی قرآن اس سلسلہ سے ہمارے حفاظ اور قراء تک پہنچا ہے اور تمام حفاظ اور قاری اسی قرآن کی سند کو بعینہ اسی ترتیب اور الفاظ سے آنحضرتؐ تک پہنچاتے ہیں۔ اور ہر ایک کی سند کا منتهی آنحضرتؐ پر ہے۔ اور محض لکھے ہوئے پر اعتماد نہیں کیا گیا اور یہ سلسلے اور سندیں جو آنحضرتؐ تک پہنچتے ہیں اس کثرت سے ہیں جو تواریخ و حدود سے



بہت زیادہ اور آگے بڑھ جاتے ہیں تو تنہا تمام حفاظ اور قراء اسی قرآن مرتب کو آنحضرت سے روایت کرنا اس امر کے لئے کافی شہادت ہے کہ یہ ترتیب سرور کائنات کی دی ہوئی ہے اور اب اس فیصلہ اور یقین کے لئے اس کے سامنے کسی خارجی شہادت کی احتیاج نہیں اور تنہا یہی دوسری دلیلوں سے بے نیاز اور مستغنی بنا دیتی ہے۔ پس جب اس دلیل سے یہ ثابت ہوا کہ یہ قرآن وہی ہے، جو آنحضرت نے اپنے بعد چھوڑا اور اپنی امت کو تعلیم کیا اور جس ترتیب اور طریقہ سے آپ نے تعلیم کیا وہ بلا کسی تغیر کے بعینہ وہی ہی موجود ہے۔ اور اس موجودہ قرآن کی ترتیب بلاشبہ انوار نبوت کی روشنی میں انجام کو پہنچی ہے۔ پس علم اور یقین کی یہ عمارت جو تواتر کے بلند پہاڑ کی مضبوط چٹان پر قائم ہو اس سے وہ آبگینہ جس کا خمیر خبرِ آحاد سے ہوا اگر ٹکرائے تو بجز اس کے کہ خود پاش پاش ہو جائے اس مضبوط عمارت کو کسی قسم کا صدمہ نہیں پہنچا سکتا۔ تواتر کی روشنی ایسی صاف اور لطیف اور تیز ہے جس کے روبرو خبرِ آحاد کی ٹمٹماقی روشنی مامد ہو جاتی ہے۔ اور اس آفتابِ قلوب تاب کے طلوع ہوتے ہی خبرِ آحاد کے کواکب تاریکی کی چادر میں پوشیدہ اور تمام کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور بے نیازی کی وجہ سے کسی کی اس پر نظر نہیں پڑتی بلکہ کسی شہادت اور خبر کا تواتر کے خلاف ہونا ہی اس کے کمزور اور بے وقعت ہونے پر نہایت ہی معتبر تمسک ہے جیسا کہ اصول فقہ میں ہے۔

اب بہت سے واقعات بے اختیار ہمیں اس پر مائل کرتے ہیں کہ آنحضرت نے اپنے عہد میں قرآن کو مرتب کیا اور تعلیم دیا۔ بہت سے صحابہ نے آپ سے پورا لکھا اور نیز اس قدر اخبار کی اس بے شہادت ہے جو متواتر سے بھی زیادہ ہیں اور پھر قرآن کے حفاظ اور قراء کی وہ سندیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں اور درجہ تواتر پر ہیں۔ ان تینوں باتوں سے اگرچہ ہر ایک تنہا ہمارے دعوے پر کافی روشنی ڈالتا ہے مگر بعد ان تینوں باتوں (یعنی واقعات، اخبار، سندت) کے ہمارا یہ دعویٰ کہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مرتب تھا۔ جو ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اسی ترتیب سے صحابہ نے لکھا، یاد کیا۔ بہت سے نسخے قرآن کے اسی ترتیب سے لکھے ہوئے تھے اور بہت سے اس کے پورے حفاظ آپ کے عہد میں موجود تھے، ایسا روشن اور مستحکم ہو جاتا ہے کہ اس کے سامنے مشکوک اور شبہات کی تاریکی کا پردہ خود بخود اٹھ جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کی دریافت اور سمجھنے کے آلات ایسے ضعیف ہوں کہ اس روشنی کی تاب سے ان کی خیرگی اور بڑھ جائے، یا ان میں یہ آلات ہی نہ ہوں یا کسی اندرونی تاریکی اور عناد نے ان کے حواس کو معطل کر دیا ہو۔

اب میں یہاں علامہ ابن حزم کی وہ تحریر نقل کرتا ہوں جو علامہ موصوفی کتاب الفصل میں اس کے متعلق لکھی ہے :-

مَنْ قَالَ إِنَّ تَقْسِيمَ آيَاتٍ وَتَرْتِيبَ مَوَاضِعِ سُورَةٍ فَعَلَهُ النَّاسُ لَيْسَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَلَا مِنْ أَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ كَذَّبَ هَذَا الْجَاهِلُ ذَاكَ أَتَاهُ مَا سَمِعَ قَوْلَ اللَّهِ تَعَالَى مَا تَنْسَخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا أُنْزِلَتْ بِهَا خَيْرٌ مِنْهَا أَوْ مِثْلُهَا وَقَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ فِي آيَةِ الْكُرْسِيِّ وَآيَةِ الْكَلَالَةِ وَالْخَبْرَانَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْمُرُ إِذَا نُزِلَتْ الْآيَةُ أَنْ تَجْعَلَ فِي سُورَةٍ كَذَا فِي مَوْضِعٍ كَذَا وَلَوْ أَنَّ النَّاسَ رَتَبُوا سُورَةَ لَمَّا تَعَدَّ وَاحِدًا وَجُوهَ فَلَاخِةٍ إِمَّا أَنْ يَرْتَبُوهَا عَلَى الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ نَزُولًا وَالْأَطْوَلِ فَمَادِدُهُ أَوِ الْأَقْصَرَ فَمَادِدُهُ فَإِذَا لَيْسَ ذَلِكَ كَذَلِكَ فَقَدْ صَحَّ أَنَّهُ أَمْرُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي لَا يَعَارِضُ عَنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَجُوزُ غَيْرُ ذَلِكَ أَصْلًا (ص ۲۴ جلد ۳)

ترجمہ :- جو کہے کہ قرآن میں آیتیں خدا اور رسول کے سوا کسی انسان نے قرار دی ہیں اور اسی طرح سورتوں کی ترتیب کو کہے تو ایسا شخص جاہل ہے اور جھوٹا ہے اور مغتری ہے کیا اُس نے قرآن پاک کی یہ آیت مَا تَنْسَخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا أُنْزِلَتْ بِهَا خَيْرٌ مِنْهَا أَوْ مِثْلُهَا اور کالہ اور آیت الْكُرْسِيِّ کے بارے میں حدیثیں نہیں سنیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی آیات اور سورتیں تمام خدا تعالیٰ کی ٹیڑھی ہوئی ہیں اور ترتیب دی ہوئی ہیں اور کیا اس جاہل کو یہ بھی معلوم نہیں کہ آنحضرت پر جب کچھ نازل ہوتا تھا تو فوراً فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں مقام پر لکھو۔ اس کے سوا بھی یہ خیال کرو کہ سورتوں میں ترتیب اگر انسان کی دی ہوئی ہوتی تو اُس کی تین صورتیں تھیں۔ اول یہ کہ بڑی سورتوں سے شروع کرتے اور سب سے چھوٹی پر ختم کرتے یا اس کا اُلٹا یعنی پہلے تمام سے چھوٹی پھر اُس سے بڑی اسی طرح تمام سے بڑی پر ختم کرتے یا شانِ نزول کے موافق رکھتے اور جبکہ قرآن کی موجودہ ترتیب میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ ترتیب انسان کی دی ہوئی نہیں بلکہ آنحضرت نے خدا کے حکم سے دی ہے۔

اس موقع پر مجھے اُن روایات کے حال کا بیان اور تنقیح کرنا بھی ضروری ہے جس کی وجہ سے عوام اور نادانوں کو خصوصاً مخالفین کو بہت کچھ شکوک اور شبہات کا موقع ملتا ہے۔ اور جن کی وجہ سے آج اُسی واقعہ پر ایسا تاریخی کا پردہ بڑھ گیا کہ اُس سے عوام تو کیا خواص بھی منالطہ میں پڑ گئے۔

**اشتباہ کی ایک روایت** وہ روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود کے مصحف میں قرآن کی آخر کی دوسورت یعنی مؤمنین لکھی ہوئی تھیں اور ابن مسعود قرآن سے ان دونوں سورتوں کو ہٹا دیتے اور کہتے کہ یہ قرآن کی سورتیں

نہیں۔ اور جو قرآن نہیں اُسے قرآن میں لکھنا چاہیے۔ لہ

چونکہ ان روایات سے ظاہری یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تمام قرآن مرتب لکھا ہوا نہ تھا اور صحابہ کو اس ترتیب سے پورا یاد نہ تھا۔ ورنہ ابن مسعود جو صحابہ میں بڑے ذی فضل و کمال اور جلیل القدر عالم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خلوت اور جلوت میں ابتدا بر نبوت سے آخر تک رہے اس سے ناواقف نہ ہوتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس قسم کی تمام روایتوں پر کافی روشنی ڈالی جائے۔

معوذتان کے متعلق ابن مسعود سے تین شخصوں کی روایات ہیں (۱) عبدالرحمن بن یزید (۲) علقمہ (۳) زربن جیش۔

## عبدالرحمن بن یزید کی روایت

(۱) عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ أَحْمَدَ مِنْ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُحْكُمُ الْمُعَوَّذَتَيْنِ مِنْ مَصَاحِفِهِ وَيَقْرُلُ إِنِّهِنَّ لَيْتَا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ، اتقان میں ابن حجر سے من مَصَاحِفِهِ کی جگہ من المصحف کا لفظ ہے۔

ترجمہ :- (نخعی کی پہلی روایت) عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ابن مسعود قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کو اپنے قرآنوں سے پھیل دیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ یہ قرآن میں نہیں ہیں یعنی یہ قرآن کی سورتیں نہیں ہیں۔

(۲) عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ أَحْمَدَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُحْكُمُ الْمُعَوَّذَتَيْنِ مِنَ الْمُصْحَفِ

لہ علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی البغدادی نے تفسیر روح المعالی ج ۱ ص ۱۳۳ سورۃ فاتحہ کے بیان میں لکھا ہے۔ لادہ (ای ابن مسعود) لَمْ يَكْتُبِ الْمُعَوَّذَتَيْنِ یعنی ابن مسعود نے معوذتین نہیں لکھیں اور پھر معوذتین پر یہ حاشیہ لکھا ہے۔ وَلَمْ يَكْتُبِ الْفَاتِحَةَ أَيْضًا لِإِعْتِقَادِ أَهْلِهَا لَيْسَتْ مِنَ الْقُرْآنِ مَعَادَ اللَّهِ وَلَكِنْ لِلْإِكْتِفَاءِ بِحِفْظِهَا لِلْجَوِّبِ - قَرَأْتُمَا فِي الصَّلَاةِ فَلَا يَحْتَسِبُ ضَيَاعُهَا - ۱۵ منہ - اور آپ نے سورۃ فاتحہ بھی نہیں لکھی ہے لیکن آپ کا نہ لکھنا اس بنا پر نہ تھا کہ وہ قرآن میں نہیں ہے۔ پناہ بہ خدا۔ بلکہ وجہ اس کے حفظ کے اور یہ وجہ اس کے کہ اس باپڑھنا نماز میں واجب ہے اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ ۱۵ منہ - (زید غنی عنہ)

لہ اس روایت کو ابن کثیر نے تفسیر میں اور سیوطی نے اتقان میں ابن حجر سے نقل کیا ہے۔

لہ فی حَدِيثِ الْأَعْمَشِ اضْطِرَّ ابْنُ كَثِيرٍ وَهُوَ يَدْرُسُ وَكَانَ يَدْرُسُ عَنْ صَبِيغٍ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ اِفْسَدَ حَدِيثُ أَهْلِ الْكُوفَةِ أَبُو إِسْحَاقَ وَأَعْمَشُ وَكَذَا قَالَ مِغْفِرَةُ (میزان) یعنی اعمش کی حدیث میں بہت اختلاف ہے، اعمش حدیث میں تدلیس کرتا ہے اور ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتا ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ اعمش اور ابواسحق نے اہل کوفہ سے جو روایتیں کی ہیں وہ تمام فاسد ہیں۔

لہ قسطلانی شرح بخاری جلد ۹ ص ۱۳۹ قل اعوذ برب الفلق کی تفسیر۔



وَيَقُولُ إِنَّمَا أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَعَوَّذَ بِهِمَا وَلَعَلَّكُمْ بَعْدُ اللَّهُ يَقْرَأُ بِهِمَا وَيَقُولُ  
إِنَّمَا الْيَتَسَامَنُ كِتَابُ اللَّهِ.

دوسری روایت۔ عبد الرحمن کہتے ہیں کہ ابن مسعود قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ کو قرآن سے چھیل دیتے تھے اور فرماتے کہ آنحضرت نے ان دونوں کو تعویذ بنانے کو فرمایا ہے اور نیز ابن مسعود ان دونوں کی تلاوت بھی نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ قرآن میں نہیں ہے۔

(۳) وَأَخْرَجَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَحْمَدَ فِي زِيَادَاتِ الْمُسْنَدِ وَالطَّبْرَانِيُّ وَابْنُ مَرْوَانٍ مِنْ طَرِيقِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ النَّخَعِيِّ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ يُحْكُمُ الْمُعَوَّذَتَيْنِ مِنْ مَصَاحِفِهِ وَيَقُولُ إِنَّمَا الْيَتَسَامَنُ الْقُرْآنُ أَوْ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ.

تیسری روایت۔ عبد الرحمن کہتے ہیں ابن مسعود قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ کو چھیل دیتے تھے اور فرماتے کہ یہ قرآن کی سورتیں نہیں ہیں۔

## علقہ کی روایت

قَالَ حَدَّثَنَا الْأَرَزَنِيُّ بْنُ عَلِيٍّ ثَنَا حُسَيْنُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ثَنَا الصَّلْتُ بْنُ يَسْرَامَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُلُقْمَةَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُحْكُمُ الْمُعَوَّذَتَيْنِ مِنَ الْمُصْحَفِ وَيَقُولُ إِنَّمَا أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَعَوَّذَ بِهِمَا وَلَعَلَّكُمْ بَعْدُ اللَّهُ يَقْرَأُ بِهِمَا.

ترجمہ :- علقمہ کہتے ہیں ابن مسعود قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ کو قرآن سے چھیل دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت نے ان کی تعویذ بنانے کا حکم دیا ہے اور عبد اللہ ابن مسعود ان کی تلاوت بھی نہیں کرتے تھے۔

وَأَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ هَاتَيْنِ السُّورَتَيْنِ فَقَالَ قِيلَ لِي فَقُلْتُ فَقُولُوا كَمَا قُلْتُ.

ترجمہ :- طبرانی نے ابن مسعود کی روایت لکھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو سورتوں ... (معوذتین) کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، مجھ سے کہا گیا اور میں نے کہا پس تم بھی کہو جیسا میں نے کہا ہے۔ (زید غنی عنہ)

۱۔ مینی شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۹۱ تفسیر ابن کثیر میں حاتلہ ابولیل سے اود قسطنطینی شرح بخاری میں ہے۔  
۲۔ قال ابن حبان ثقة يقرّب صحاح میں اس سے روایت نہیں ہے۔ ۳۔ قال النسائي ليس بالقوي وقال ابن عدي حدثنا أفراد اب كنفرة وهو من أهل الصدق إلا أنه يغلط (ميزان الاعتدال)۔  
۴۔ قال ابو حاتم لا عيب له إلا الإرجاء وكذا أنكم فيه أبو زرعة الإرجاء (ميزان الاعتدال)  
۵۔ تفسیر درمنثور میں ہے :-

## زر بن حبیش کی حدیث

پہلی روایت: قَالَ أَحْمَدُ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زُرِّ بْنِ جَبِيشٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ عَنِ الْمُعَوَّذَتَيْنِ فَقَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا فَقَالَ قِيلَ لِي قُلْ نَقُلْتُ لَكُمْ فَقُولُوا قَالَ أَبُو فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَحْنُ نَقُولُ.

ترجمہ:- احمد نے وکیع سے انھوں نے سفیان سے انھوں نے عاصم سے اور وہ زر بن حبیش سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن مسعود سے معوذتین کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے کہا گیا، کہو پس میں نے تم لوگوں سے کہہ دیا پس تم کہو۔ اُبی نے کہا ہے پس ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لہذا ہم کہتے ہیں۔ (زید غنی عنہ)

دوسری روایت: قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ ثَنَا عَفَّانُ ثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ فَأَعَاصِمُ بْنُ بَهْدَلَةَ عَنْ زُرِّ بْنِ جَبِيشٍ قَالَ قُلْتُ لَأَبِي بَنِي كَعْبٍ ابْنِ ابْنِ مَسْعُودٍ لَا يَكْتُبُ الْمُعَوَّذَتَيْنِ فِي مُصْحَفِهِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَنِي أَنَّ جَبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَهُ قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ فَقُلْتُهَا قَالَ قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ فَقُلْتُهَا فَتَحْنُ نَقُولُ مَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ:- امام احمد نے عفان سے انھوں نے حماد سے انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے زر سے روایت کی ہے کہ میں نے اُبی سے کہا ابن مسعود اپنے مصحف میں معوذتین کو نہیں لکھتے ہیں۔ اُبی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خبر دی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا قل اعوذ برب الفلق اور میں نے کہا۔ اور کہا قل اعوذ برب الناس اور میں نے کہا۔ لہذا ہم کہتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے۔ (زید غنی عنہ)

تیسری روایت: عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي لُبَابَةَ وَعَاصِمُ بْنُ بَهْدَلَةَ أَنَّهُمَا سَمِعَا عَنْ زُرِّ بْنِ جَبِيشٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبِي بَنِي كَعْبٍ عَنِ الْمُعَوَّذَتَيْنِ فَقُلْتُ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُودٍ يَحْكُمُ الْمُعَوَّذَتَيْنِ مِنَ الْمُصْحَفِ فَقَالَ إِنِّي سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِيلَ لِي فَقُلْتُ فَتَحْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ:- سفیان بن عیینہ عبدہ اور عاصم سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے زر بن حبیش سے سنا کہ میں نے ابی بن کعب سے معوذتین کے متعلق کہا۔ اے ابا المنذر آپ کے بھائی ابن مسعود

مسوزتین کو مصحف سے کُرج دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُریا کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھ سے کہا گیا اور میں نے کہا لہذا ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے۔ (زید عنی عنہ)

چوتھی روایت: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ثَنَا سُفْيَانُ ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي لُبَابَةَ عَنْ زُرَّارِ بْنِ جُبَيْشٍ قَالَ سُفْيَانُ وَحَدَّثَنَا أَيُّضًا عَاصِمٌ عَنْ زُرَّارٍ مِثْلَهُ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ إِنِّي سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قِيلَ لِي فَقُلْتُ فَتَعْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: ہم سے علی بن عبد اللہ نے ان سے سفیان نے ان سے عبدہ ابی بارہ نے زر سے اور سفیان نے عاصم سے بھی زر کی روایت سنی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے ابی بن کعب سے دریافت کیا اور ان سے کہا اے ابا المنذر آپ کے بھائی ابن مسعود یہ اور وہ کہتے ہیں۔ ابی نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھ سے کہا گیا اور میں نے کہا۔ پس ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے۔ (زید عنی عنہ)

مسوزتین کے متعلق ابن مسعود سے ان تین نے یعنی عبد الرحمن، علقمہ، زر نے یہ روایت کی ہے۔ لیکن عبد الرحمن کے سوا کسی نے اپنی روایت میں ابن مسعود کا یہ قول نقل نہیں کیا (إِنَّمَا لَيْتَا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ) یعنی یہ دونوں قرآن کی سورتیں نہیں ہیں۔ ابن مسعود کا انکار صرف عبد الرحمن نے نقل کیا ہے۔ ابن مسعود سے عبد الرحمن کی اس روایت کو چند باتوں نے مشتبہ کر دیا، لائق اعتبار نہ چھوڑا۔ اور صحت کے درجے سے گرا دیا۔

(۱) ابن مسعود سے اس جملہ کی روایت میں عبد الرحمن منفرد ہے۔ علقمہ اور زر کی روایت میں یہ جملہ نہیں ہے۔

(۲) عبد الرحمن سے راوی ابواسحق ہے۔ ابواسحق کو میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ اُس نے اہل کوفہ کی روایات کو فاسد کر دیا اور ان سے صحیح روایت نہیں کرتا۔ اور یہ روایت اہل کوفہ سے ہے۔ (۳) ابواسحق سے راوی اعمش ہے۔ اعمش کو میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ مدلس ہے ضغفار سے تدلیس کرتا ہے۔ اس کی حدیثوں میں بہت اضطراب ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ اس نے اہل کوفہ کی حدیثوں کو فاسد کر دیا۔ اُن سے اس کی روایت صحیح نہیں ہوتی۔

(۴) اعمش شیعہ ہے اور یہ روایت چونکہ عام شیعوں کے خیالات کی تائید کرتی ہے اس لئے اعمش شیعہ کی ایسی حدیث قابل تنقیح ہے۔

(۵) اعمش یا ابواسحق ان دونوں میں سے تنہا ایک ہی اہل کوفہ کی روایت کو فاسد کر دیتا ہے تو جس روایت میں یہ دونوں جمع ہوں اُس کا فساد بھی دوگنا ہو جائیگا۔

(۶) ابن مسعود صحابہ میں ممتاز فاضل اور ذی کمال صحابی ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے مسند تعلیم کو عہت دی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ میں کسی نے اس قدر تعلیم نہیں دی۔ خلیفہ دوم کے عہد سے آخر عمر تک کوفہ میں انہیں کا دارالعلوم کھلا ہوا تھا۔ تمام اہل کوفہ نے انہیں کے دامن فیض میں تربیت پائی۔ تمام اسلامی دنیا میں خصوصاً کوفہ میں ہزاروں اُن کے شاگرد ایسے تھے جو مسند افتاء اور قضا اور تدریس پر ممتاز تھے۔ اس لئے یہ امر نہایت ہی تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے کہ ابن مسعود کے ہزاروں شاگردوں میں سے کوئی ایسی روایت نہیں کرتا۔ ہزاروں شاگردوں سے عبدالرحمن کا اس میں متفق ہونا اور ابواسحق کا یہ روایت کرنا اس کے عدم وثوق اور ضوع ہونے پر ایسی شہادت ہے کہ اس کے بعد کسی گواہ کی حاجت نہیں رہتی۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ابن مسعود سے ہزاروں نے اسی قرآن کی روایت کی ہے۔ اور تواتر سے ہمیں معلوم ہے کہ ابن مسعود نے اسی قرآن کا درس دیا ہے۔

(۷) ابن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی کا معوذتین کے قرآن ہونے سے انکار اور اختلاف اُن اہم مسائل سے ہے جن کی دوسری مثال موجود نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایسی بات ہے کہ ابن مسعود کے سوا کسی نے ایسی بات نہیں کہی اور اس میں ابن مسعود نے تمام صحابہ سے خلاف کیا اور اصول اسلام سے انکار کیا تو ایسی حالت میں ابن مسعود کی اس نقل سے اُن کے تمام شاگرد ضرور واقف ہوتے۔ اور روایت کرتے اور اپنے عہد میں ابن مسعود ضرور اس مسئلہ کی وجہ سے بنام ہوتے اور اُن پر نگینا اٹھتیں اور اسلام کا پتہ بچہ اس سے واقف ہوتا۔

(۸) علاوہ ان کے خود ابن مسعود نے ایسی روایت کی ہے جس سے معوذتین کا قرآن ہونا اظہر من الشمس ہے۔

وَأَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ بِسَنَدٍ حَسَنٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ أُنْزِلَ عَلَى آيَاتٍ لَمْ يُنْزَلْ مِثْلُهُنَّ الْمَعُودَتَيْنِ - (الدر المنثور ج ۶ ص ۴۱۱)

ترجمہ: تفسیر درمنثور میں طبرانی سے ہے۔ ابن مسعود نے آنحضرت سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا بلا شک مجھ پر ایسی چند آیات نازل ہوئی ہیں کہ ان کی مثل نازل نہیں ہوئیں یعنی معوذتین اور اس حدیث کی سند عمدہ ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن مسعود کو یہ معلوم تھا کہ معوذتین آنحضرت پر نازل ہوئی ہیں اب اس علم کے بعد بھی کیا ابن مسعود سے یہ ممکن ہے کہ معوذتین کو قرآن سے خارج بتائیں۔ ابن مسعود

کی تو بڑی شان ہے۔ یہ تو عام مسلمان سے بھی ممکن نہیں۔

(۹) آنحضرت نے معوذتین کو نمازوں میں پڑھا۔ صحابہ کو ان کی تعلیم دی۔ صحابہ نے آپ سے اس کو سنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فضائل اور ثواب کو بار بار بیان فرمایا۔ قرآن کی دوسری سورتوں سے جو ان کو فضیلت ہے وہ بھی بیان فرمائی اور تمام کتب حدیث خصوصاً صحاح میں معوذتین کے بارے میں متواتر روایات ہیں اس لئے صحابہ سے لے کر تمام اُمت کا معوذتین کے قرآن ہونے پر اتفاق ہے جیسے دیگر سورتوں پر اتفاق ہے۔ اب ایسی حالت میں ابن مسعود کا اس سے ناواقف ہونا ان واقعات سے ہے جس کے سمجھنے سے انسان کی عقل قاصر ہے۔ اور بجز اس کے صحیح عقل اور انصاف کا فتویٰ نہیں ہو سکتا کہ ابن مسعود کے پردے میں کوئی ناپاک ضمیر ہے جس نے اپنے گندہ تزیور اور عیاری کو چھپایا ہے۔ ابن مسعود کا فضل و کمال اس نجاست اور گندگی کا ہرگز متعل نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ابن مسعود کے فضل و کمال کے دامن پر جو بد نما داغ دکھانے کی کوشش کی گئی وہ اس لئے باور نہیں ہوئی کہ وہ خود اپنے اندر اپنے جمل کی روشن شہادت رکھتی ہے۔

### زر بن حبیش کی روایت

اس میں بھی سخت اختلاف ہے۔ ابن کثیر نے امام احمد سے وکیع عن سفیان کے واسطے سے اسے نقل کیا ہے اُس میں

زر کا بیان ہے کہ معوذتین کو میں نے ابن مسعود سے دریافت کیا۔ انھوں نے کہا میں نے انھیں رسول خدا سے دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے انھیں پڑھو میں نے بھی انھیں پڑھا ہے تم بھی پڑھو پھر زرنے اُبی سے دریافت کیا۔ اُبی نے بھی بعینہ ہی جواب دیا۔ دوسری روایت امام بخاری نے علی بن عبد اللہ بن سفیان کے واسطے سے نقل کی ہے اُس میں زرنے اُبی سے محض عبد اللہ کا قول نقل کیا ہے لیکن اس قول کی کچھ تفصیل نہیں ہے صرف اسی قدر ہے۔ **إِنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ أَخَاكَ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا**۔ یعنی ابن مسعود فلاں فلاں بات کہتے ہیں۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ زرنے وہی مقولہ نقل کیا ہوگا جس کا امام احمد نے وکیع کے واسطے سے بیان کیا ہے اور اسی کی تائید اس بیان سے بھی ہوتی ہے جس کو تفسیر درمنثور میں طبرانی سے نقل کیا ہے۔ کہ ابن مسعود نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معوذتین کو دریافت کیا گیا تو آپ نے وہی جواب دیا جس کو ہم نے مسند امام احمد میں وکیع کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ زر کا یہ بیان اگر صحیح مانا جائے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن مسعود معوذتین کے قرآن ہونے کے منکر نہ تھے۔ تیسری روایت کو ابو بکر حمیدی نے سفیان سے نقل کیا ہے اُس میں ان تینوں روایتوں کے خلاف ابن مسعود کا اُبی سے فعل نقل کیا ہے نہ قول۔ اس روایت میں بجائے **يَقُولُ كَذَا وَكَذَا** کے یوں ہے **يَا أَبَا الْمُنْذِرِ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُودٍ يُحْكِمُ الْمُعْذَتَيْنِ مِنَ الْمُصْطَفِ** (اے ابو منذر آپ کے

بحائی ابن مسعود معوذتین کو مصحف میں سے مٹاتے ہیں) چوتھی روایت امام احمد کی وہ ہے جس کو حماد بن سلمہ نے عاصم کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ اس میں بجائے یُحَذِّقُ الْمُعَوِّذَتَيْنِ عَنِ الْمُضْغَفِ کے لَا یُکْتَبُ الْمُعَوِّذَتَيْنِ فِیْ مُضْغَفٍ ہے (یعنی مٹانے کی جگہ نہ لکھنے کا بیان ہے کہ آپ اپنے مصحف معوذتین کو نہیں لکھتے تھے) بہر حال اس مضطرب اور مختلف بیان سے ابن مسعود کا انکار ثابت ہونا نہایت مشکل ہے۔ اور ایسا بیان ہرگز گواہی میں قابل سماعت نہیں۔ زر کی اس روایت کے یہ فیصلہ مشکل ہے کہ ابن مسعود نے معوذتین سے انکار کیا اور ان کو قرآن کی سورتیں نہ مانتے تھے، بلکہ اس روایت میں غور اور تنقیح کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں وہ روایت صحیح ہے جس کو امام احمد نے دیکھ عن سفیان کے واسطے سے نقل کیا ہے اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زر نے معوذتین کو پہلے ابن مسعود سے دریافت کیا اور پھر اُبی سے پوچھا۔ جو جواب ابن مسعود نے دیا تھا وہی اُبی نے دیا اور زر نے اُبی سے ابن مسعود کا جواب بھی نقل کیا تھا۔ اس لئے اس روایت کو امام بخاری نے بھی نقل کیا ہے۔ کیونکہ بخاری میں بھی یہی ہے کہ زر نے ابن مسعود کا کلام معوذتین کے بارے میں اُبی کے رو برو ذکر کیا نہ ابن مسعود کا فعل۔ اور طبرانی نے بھی ابن مسعود سے وہی روایت نقل کی ہے جس کو اُبی نے رسول خدا سے نقل کیا۔ بہر حال امام احمد کی اس روایت کی تاہید بخاری طبرانی دونوں کی روایت سے ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو زر کی دوسری روایت پر ترجیح ہے اور اس وقت یہ روایت ابن مسعود کے اقرار کو ثابت کرے گی نہ انکار کو۔

**علقہ کی روایت** | اس روایت میں تین راوی ایسے ہیں جن کی وجہ سے روایت قابل تنقیح اور قابل بحث ہو گئی ہے۔

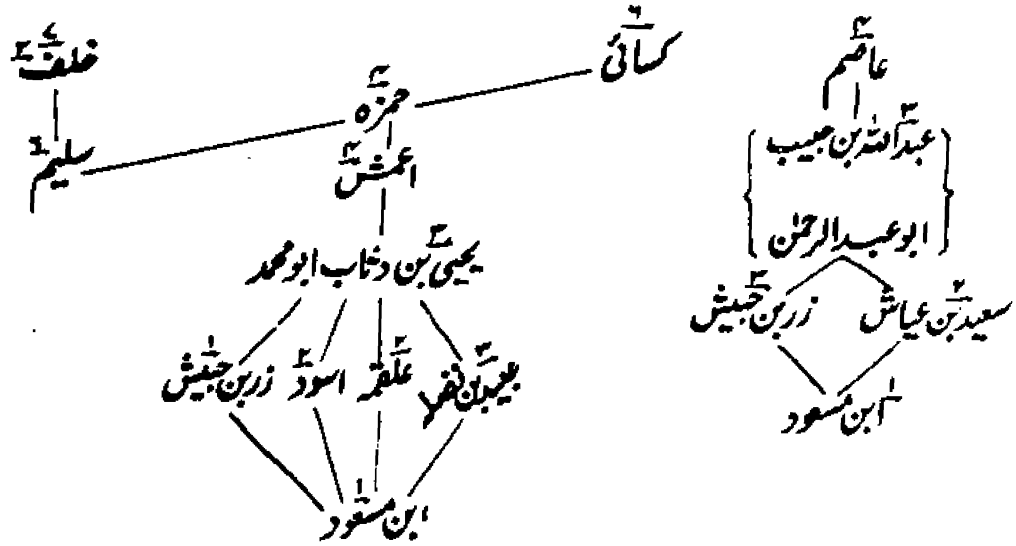
(۱) ارق بن علی۔ گو یہ معتبر ہے لیکن غریب حدیثوں کی روایت کرتا ہے۔ اسی لئے صحاح میں اس سے روایت نہیں کی گئی۔

(۲) حسین بن ابراہیم۔ اگرچہ یہ بھی معتبر ہے لیکن امام نسائی کے نزدیک قابل وثوق نہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ حدیث کی روایت میں غلطی کرتے ہیں اور ایسی روایتیں بیان کرتے ہیں جو کسی نے نہیں کیں۔

(۳) الصلت بن ابراہیم۔ معجز ہیں مگر مرجہ ہیں۔ ابو زرہ نے ان کے اس مذہب کی وجہ سے ان پر جرح کی ہے۔ صحاح میں ان سے روایت نہیں ہے کسی روایت میں ان تینوں راوی سے اگر ایک بھی ہو تو وہ روایت مُعْتَلٌ ہو جائے گی۔ یعنی اس حدیث کی صحت میں فسر آجائے گا اور صحت کامل نہ رہے گی۔ اور جس روایت میں اس قسم کے تین راوی ہوں تو ایسی روایت ہرگز بلا تنقیح قابل وثوق نہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ وہ روایت دوسری صحیح روایتوں

کے خلاف ہو اور اجماع امت کا مقابلہ کرے ایسی صورت میں تو صحیح روایت بھی قابل وثوق نہیں رہتی اور یہ مقابلہ اور مخالفت ہی خود اس کے ضعف اور وہابی ہونے پر نشان ہو جاتا ہے جیسا اصول فقہ میں لکھتے ہیں۔

الغرض اس بارے میں کہ ابن مسعود معوذتین کو قرآن کی سورتیں نہیں کہتے تھے جس قدر روایتیں ہیں وہ اول تو مختلف اور مضطرب ہیں۔ اور مضطرب روایات اگرچہ وہ ثقہ اور دیندار راویوں کی کیوں نہ ہوں ہرگز لائق اعتبار اور قابل تسلیم نہیں ہیں۔ دوسرے ان تمام روایتوں کے راوی ایسے نہیں جن کی روایت صحیح ہو بلکہ یہ تمام روایات بوجہ راویوں کے ضعیف ہونے کے غیر معتبر ہیں۔ تیسرے اگر ان روایتوں میں اضطراب بھی نہ ہوتا اور ان کے راوی بھی دیندار متہم نہ ہوتے تو اس وقت بھی یہ قابل تسلیم نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ابن مسعود سے بتواتر ہم کو معلوم ہوا ہے کہ وہ ان سورتوں کو قرآن کا جُز کہتے تھے اور ائمہ قراءہ نے بہ تواتر اپنی سندوں کو ابن مسعود تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ حفاظ اور قراء قرآن سے عاصم، حمزہ، کسائی، خلف جو مشہور قراء سے ہیں اور ان کی صحت سند پر تمام امت کا اتفاق ہے اور تمام بلاد اسلامیہ میں ان کی سندیں ہزاروں حفاظ کے پاس ہیں۔ ان چاروں کو اسی قرآن کی سند جس میں معوذتین ہیں ابن مسعود سے ہے ہر ایک کی سند ملاحظہ ہو۔



اب ان سندوں کے مقابلہ میں جو متواتر ہیں اور صحت کا اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں دوسری ضعیف روایتوں کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح علی بن ابی طالب ابی بن کعب سے بھی حفاظ قرآن اور قراء کے پاس اسی قرآن مرتب کی ایسی سندات ہیں جس کی صحت پر تمام امت کا اتفاق ہے اور تمام نے انہی سے قبول کیا ہے اور درجہ تواتر اور صحت کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں۔ اب ان کے مقابلہ

میں وہ روایات جن سے علیؑ یا ابن مسعودؓ یا ابی بن کعب کی تالیف اور ترتیب اس قرآن کے خلاف ثابت ہوتی ہے معتبر نہ ہوگی۔ اسی لئے علمائے اور مسلمانوں نے ایسی روایتوں کو جعلی اور بے اصل واپسی کہا ہے۔ یہاں ہم ایسے چند علمائے کے نام لکھتے ہیں جنہوں نے ان روایات کا اعتبار نہیں کیا۔

(۱) علامہ ابن حزم نے المحلی میں لکھا ہے :

هَذَا كَذِبٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ وَمَوْضُوعٌ وَإِنَّمَا صَحَّ عَنْهُ قِرَاءَةُ عَاصِمٍ عَنْ زَيْدٍ عَنْهُ وَفِيهَا الْمَعْوَدَتَانِ وَالْفَاتِحَةُ۔

ترجمہ: معوذتین کے متعلق وہ روایتیں جن سے ابن مسعود کا انکار ثابت ہوتا ہے افتراء ہے اور جعلی ہیں کیونکہ عاصم کی سند میں ابن مسعود سے جو نہایت صحیح ہے معوذتین اور فاتحہ ہے۔

(۲) علامہ ابن حزم نے کتاب الفصل جلد ثانی ص ۷۷ میں لکھا ہے :

وَأَمَّا قَوْلُهُمْ أَنَّ مَصْحَفَ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ بَحْلَانٌ مُصْصِفًا بَاطِلٌ وَكَذِبٌ وَإِنَّهُ مَصْحَفُ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ إِنَّمَا فِيهِ قِرَاءَتُهُ بِلَاشِكٍّ وَقِرَاءَتُهُ هِيَ قِرَاءَةُ عَاصِمٍ الْمَشْهُورَةِ عِنْدَ جَمِيعِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ فِي شَرَفِ الدِّينِ وَأَعَزِّهَا نَقْرًا بِهَا كَمَا ذَكَرْنَا۔

ترجمہ: اور یہ بات کہ ابن مسعود کا قرآن ہمارے قرآن موجودہ کے خلاف ہے محض بہتان اور افتراء اور جھوٹ ہے۔ ہاں واقعی ان کا قرآن ان کی قرأت کے مطابق لکھا ہوا تھا اور ان کی قرأت وہی تھی جو قرارِ سبعہ میں سے عاصم کی قرأت ہے اور اس وقت تمام دنیا میں مشہور ہے یعنی محض قرأت کا فرق ہے نہ ترتیب کا۔

(۳) امام نووی نے لکھا ہے :

فِي شَرْحِ الْمَهَذِّبِ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ الْمَعْوَذَتَيْنِ وَالْفَاتِحَةَ مِنَ الْقُرْآنِ وَأَنَّ مَنْ جَدَّ مِنْهَا شَيْئًا كَفَرَ وَمَا نَقَلَ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ غَيْرُ صَحِيحٍ۔

ترجمہ: تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ معوذتین قرآن کی سورتیں ہیں۔ اس کا منکر کافر ہے۔ ابن مسعود سے اس کے متعلق روایات جعلی اور واپسی ہیں۔

(۴) قاضی ابوبکر نے لکھا ہے :

لَمْ يَصِحَّ عَنْهُ أَنَّهُ لَا يَسْتَبْقِرُ الْقُرْآنَ وَلَا حِفْظَ عَنْهُ۔

ترجمہ: معوذتین کا انکار صحیح طور سے ابن مسعود سے ثابت نہیں ہوا۔

(۵) امام رازی نے لکھا ہے :

وَالْأَغْلَبُ عَلَى الظَّنِّ أَنَّ نَقْلَ هَذَا الْمَذْهَبِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ نَقْلٌ بَاطِلٌ۔

ترجمہ: ابن مسعود سے جو معوذتین کے متعلق نقل ہے وہ باطل ہے۔



(۶) علامہ بحر العلوم عبدالحی علی ابوالعیاش نے لکھا ہے:

نسبتہ انکار کوئیہما من القرآن الیہ غلط فاحشٌ وَمَنْ اسْتَدَّ الْاِنْكَارَ اِلَى ابْنِ مَسْعُودٍ فَلَا یُعْیَا بِسُنْدِہِ عِنْدَ مُعَارَضَہِ هَذِہِ الْاَسَانِیْدِ الصَّحِیْحَہِ بِالْاِجْمَاعِ وَالتَّمَلُّقَۃَ بِالْقَبُولِ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ الْکَرَامِ بَلْ وَالْاُمَیَّہُ کَافَّةً کُلُّہَا فَظْہَرَانَ نِسْبَہُ الْاِنْكَارِ اِلَى ابْنِ مَسْعُودٍ بِاطِلٍ۔ (شرح مسلم البیروتی ص ۱۱۱)  
ترجمہ: عبد اللہ ابن مسعود کو معوزتین کا منکر بتانا نہایت ہی مروئی غلطی ہے۔ اس روایت کی سند اس قابل بھی نہیں کہ اس طرف توجہ کی جائے۔ کیونکہ یہ روایت ان صحیح سندوں کے خلاف ہے جس کی صحت پر اجماع ہے اور تمام علمائے کرام کے نزدیک مقبول ہیں۔ بلکہ تمام امت کے نزدیک مقبول ہیں۔ پس یہ روایت غلط ہے۔

اور لکھا ہے۔ بَقِیْ اَمْرُ تَرْتِیْبِ السُّوْرِ فَالْمُحَقِّقُونَ عَلَیْ اَنَّهُ مِنْ اَمْرِ الرَّسُولِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقِيلَ هَذَا التَّرْتِیْبُ بِاِجْتِهَادٍ مِنَ الصَّحَابَہِ وَاسْتَدَّلَ عَلَیْہِ ابْنُ فُلَیْسٍ بِاِخْتِلَافِ الْمَصَاحِفِ فِی تَرْتِیْبِ السُّوْرِ فَتُصَحَّفُ عَلَیْ مَا كَانَ عَلَیْ تَرْتِیْبِ الذُّوْلِ وَمُصَحَّفُ ابْنِ مَسْعُودٍ عَلَیْ غَیْرِ هَذَا الَّذِیْ الْاَنَ دَاخِلٌ هُوَ الْاَوَّلُ وَهَذِہِ الرِّوَایَاتُ مُرْخَرَفَةٌ مُوْهُومَةٌ وَلَمْ تُوجَدْ فِی الْکُتُبِ الْمَعْتَبَرَةِ وَلَا یُعْبَاؤُ بِہَا فِی مُقَابِلَۃِ التَّوَارِثِ الَّذِیْ جَرَى مِنْ لَدُنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَى الْاَنَ۔

ترجمہ: محققین علماء کے نزدیک سورتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق ہے اور یہ قول کہ صحابہ نے اپنی رائے سے ترتیب دی اور اس پر یہ دلیل لانا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابی بن کعب اور ابن مسعود کے قراءوں کی جو ترتیب تھی وہ قرآن کی اس ترتیب کے مخالف تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب خود صحابہ نے دی تھی۔ ورنہ ان صحابہ کی ترتیب اس ترتیب کے خلاف نہ ہوتی یہ قول اور یہ دلیل صحیح نہیں ہاں پہلا قول صحیح ہے۔ اس لئے جن روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابہ کی ترتیب اس قرآن کے خلاف تھی وہ تمام جعلی اور نچالی ہیں واقعیت سے اُسے کچھ بھی تعلق نہیں کسی معتبر کتاب میں ایسی روایات نہیں ہیں اس لئے یہ روایات ہرگز اس قابل نہیں کہ ان پر توجہ کی جائے خصوصاً ایسی حالت میں کہ قرآن کی یہ ترتیب تمام امت سے آج تک منقول ہے اور تمام کا اس پر اتفاق ہے۔

اور لکھا ہے۔ وَایضاً ظَہَرَ مِنْ هَذَا اَنَّ التَّرْتِیْبَ الَّذِیْ یُقْرَأُ عَلَیْہِ الْقُرْآنُ ثَابِتٌ عَنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ الْقُرْآنَ الْعَشْرَۃَ بِاَسَانِیْدِهِمُ الصَّحَابِ الْمَجْمَعِ عَلَیْ صِحَّتِہَا نَقَلُوا عَنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِرَاءَہُ قَرَأُوْا عَلَیْ هَذَا التَّرْتِیْبِ وَنَقَلُوا عَنْ شِیْخُوْہِمُ اقْرَؤْاْہُمْ هَکَذَا وَشِیْخُوْہُمْ اقْرَؤْاْہُمْ هَکَذَا اِلَى رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (شرح مسلم بحر العلوم ص ۱۱۱)

ترجمہ: یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن کی یہ موجودہ ترتیب آنحضرت کی دی ہوئی ہے کیونکہ ان دس قاریوں نے جن کی سندیں متواتر ہیں اس قرآن کو اپنی سندوں سے آنحضرت تک پہنچایا اور اسی کا آنحضرت سے سماع ثابت کیا ہے اور ان قاریوں کی یہ سندیں نہایت ہی اعلیٰ درجہ میں صحیح ہیں اور تمام اُمتِ محمدیہ نے ان کی صحت پر وثوق کیا ہے اور تمام کا ان پر اتفاق ہے اور ہر ایک قاری یونہی نقل کرتا ہے کہ میں نے اپنے استاد سے اسی طرح قرآن کو سنا اور پھر یہ استاد اپنے استاد سے اسی طرح سماع بیان کرتا ہے یہاں تک کہ یہی سلسلہ آنحضرت تک پہنچتا ہے۔

### اشتباه کی دوسری روایت

ابن عباس کی ایک روایت ہے جس کو امام احمد ابو داؤد ترمذی، نسائی، ابن حبان، حاکم نے روایت کیا ہے۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب صحابہ کی رائے سے ہوئی ہے اور وہ روایت یہ ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ مَا حَمَلَكُمْ عَلَىٰ أَنْ عَمِدْتُمْ إِلَى الْأَنْفَالِ وَهُوَ مِنَ الْمَثَانِي وَبَرَاءَةٌ وَهِيَ مِنَ الْبَيِّنَاتِ فَقَرَأْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوا بَيْنَهُمَا سَطْرًا بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَوَضَعْتُمُوهَا فِي السَّبْعِ الطَّلَإِ فَقَالَ عُثْمَانُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الشُّورُذُ وَابِ الْقَدَدِ فَكَانَ إِذَا مَنَزَّلَ عَلَيْهِ الشَّيْءَ دَعَىٰ بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ

فَيَقْرَأُ ضَعُوهَا هُوَ لَا آيَاتٍ فِي السُّورَةِ الَّتِي يَذْكُوفُهَا كَذَا وَكَذَا وَكَانَتْ الْأَنْفَالُ مِنْ أَدَائِلِ مَا نَزَلَ بِالْمِثَاقِ وَكَانَتْ بَرَاءَةٌ مِنْ آخِرِ الْقُرْآنِ شُرُوكًا وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيهَةً لِقِصَّتِهَا فَظَنَنْتُ أَنَّهَا مِنْهَا فَقَبَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَبَيِّنْ لَنَا أَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ قَرَأْتُ بَيْنَهُمَا وَلَمْ أَكْتُبْ بَيْنَهُمَا سَطْرًا بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَوَضَعْتُهَا فِي السَّبْعِ الطَّلَإِ۔

ترجمہ:۔ ابن عباس نے عثمان سے پوچھا تم نے سورہ انفال جو مثنیٰ سے ہے اور سورہ براءہ جو مثنیٰ سے ہے کیوں ملا دیا یعنی دونوں کے درمیان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھی اور قرآن کی سات بڑی سورتوں میں انہیں لکھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سورتیں متعدد نازل ہوا کرتیں اور جب کچھ نازل ہوتا کاتب کو بلا کر آپ کہہ دیتے کہ ان آیتوں کو فلاں سورۃ میں لکھو۔ انفال ان سورتوں میں ہے جو مدینہ میں پہلے نازل ہوئی۔ اور براءۃ تمام قرآن میں آخر میں نازل ہوئی۔ ان دونوں کا مضمون چونکہ مشابہ تھا اس لئے میں سمجھا کہ یہ دونوں ایک سورت ہیں۔ مگر آنحضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ براءۃ انفال کا جز اور حصہ ہے۔ میں نے اپنے خیال کے موافق دونوں کو ملا دیا اور درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی اور قرآن کی بڑی سات سورتوں میں اس کو بھی لکھ دیا۔

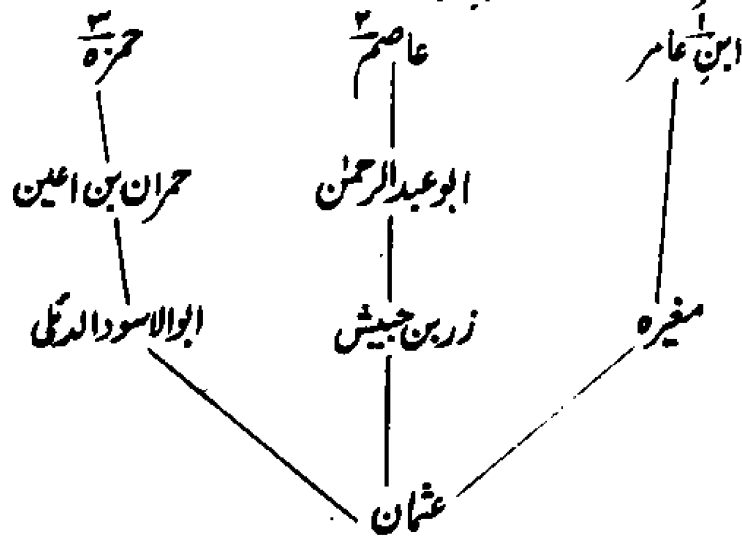
اس حدیث کے مضمون پر بحث اور غور سے پہلے اس کی سند پر توجہ دلاتا ہوں۔ ابو یوسف

ترمذی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے (هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَوْفٍ عَنْ يَزِيدٍ الْفَارِسِيِّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ) یعنی صحابہ میں ابن عباس کے سوا ہمارے علم میں اور کسی نے اسے روایت نہیں کیا۔ ابن عباس سے بھی یزید فارسی کے سوا کوئی اس کا راوی نہیں ہے۔ یزید فارسی سے محض عوف بن ابی جمیلہ راوی ہے۔ امام احمد نے بھی اپنی مسند میں اس روایت کو اسی سند سے لکھا ہے جس کو میں بعینہ نقل کرتا ہوں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ حَدَّثَنِي أَبِي ثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ثَنَا عَوْفٌ ثَنَا يَزِيدٌ يَعْنِي الْفَارِسِيَّ قَالَ أَبِي أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثَنَا عَوْفٌ عَنْ يَزِيدٍ قَالَ لَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ الْبُخَارِيُّ أَبُو دَاوُدَ فِي هَذَا مَعْنَى هَذَا سَنَدٍ هِيَ - قَالَ أَخْبَرَنَا عُمرُ بْنُ عُثْمَانَ أَنَا هُشَيْمٌ عَنْ عَوْفٍ عَنْ يَزِيدٍ الْفَارِسِيِّ الْخُ - اور دوسری سندوں ہے۔ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ ثَنَا مَرْوَانُ يَعْنِي ابْنَ مُعَاوِيَةَ أَنَا عَوْفٌ الْاَعْرَابِيُّ عَنْ يَزِيدٍ الْفَارِسِيِّ -

**الغرض** اس حدیث کی تمام سندوں میں عوف ہے۔ عوف کے سوا یزید سے کسی نے اسے روایت نہیں کیا۔ اس حدیث کا پتہ عوف کے سوا کہیں سے نہیں چلتا۔ جیسا صاحب ترمذی نے بھی کہا ہے۔ عوف بن ابی جمیلہ اگرچہ محدثین کے ہاں معتبر ہے مگر تہذیب التہذیب میں ابن مبارک سے نقل کیا ہے۔ کانت فید بدعتان قد روى شيعي اس میں دو باتیں ہیں ایک تو قدری ہے دوسری غیبی وقال الانصاري روي داود بن ابي هند يضرب عونا ويقول ويلك يا قدرى۔ انصاری کہتے ہیں میں نے داؤد کو دیکھا کہ عوف کو مارتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ تو لے قدری مر بھی نہیں جاتا۔ وقال في الميزان قال بن دار وهو يقر لهم حديث عوف لقد كان قد روى رافضيا شيطانا۔ اور میزان الاعتدال میں ہے۔ بن دار نے عوف کی حدیث بیان کرتے وقت لوگوں سے کہا کہ عوف رافضی شیطان ہے اور قدری ہے۔ امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں عوف کو اگرچہ معتبر کہا ہے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی حدیث صحت میں دوسرے معتبرین کے مثل نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے چونکہ عوام شیعوں کے خیال کی تائید ہوتی ہے اور اس کا روایت کرنے والا صرف ایک ہی شخص ہے اور وہ بھی شیعہ اور رافضی ہے اور اصول حدیث کا یہ عام قانون ہے کہ اہل بدعت کی ایسی روایت ہرگز قابل اعتبار نہیں جس سے اُن کے مذہب کی تائید ہوتی ہو۔ اور خصوصاً جبکہ صحیح حدیثوں اور متواترات کی ... مخالف روایت کرے۔ عوف نے یہ روایت یزید فارسی سے کی ہے۔ یزید کے سوا کسی نے ایسی روایت نہیں کی۔ یزید فارسی مجہول شخص ہے اسی نے عبد الرحمن بن مہدی اور امام احمد نے کہا کہ یہ یزید بن ہرمز کے سوا کوئی نہیں۔ یزید فارسی اور یزید بن ہرمز ایک ہی شخص ہے۔ لیکن

یحییٰ بن سعید القطان اور صاحب ترمذی اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ یزید فارسی یزید بن ہریر کے ہوا دوسرا شخص ہے۔ کتب رجال میں اس کا کچھ حال نہیں ملتا۔ صرف اس قدر ہے کہ یہ صرف ابن عباس سے راوی ہے۔ اور ابو حاتم نے اس کی نسبت لا باس یہ کہا ہے۔ امام مسلم اور بخاری نے اس سے روایت نہیں کی ہے۔ اب جو شخص محدثین کے یہاں مشہور نہیں اور امام احمد اور ابن مہدی جیسے شخص جو فن رجال کے ناقد اور بانی ہیں اس سے واقف نہیں اور نہ یہ معلوم کہ یہ کس کا بیٹا ہے کس سن میں مرا اور کب پیدا ہوا۔ تو ایسے شخص کی روایت ہرگز اس قابل نہیں کہ بلا تنقیح اسے مان لیا جائے خصوصاً اس حالت میں جبکہ ایک امر متواتر اور یقینی کے مخالف ہو۔ بہر حال ابن عباس کی یہ روایت سند کے رُوسے صحیح نہیں اور غالباً اسی وجہ سے امام مسلم اور امام بخاری نے اسے روایت نہیں کیا۔ اب ایسی ناقابل اعتبار روایت سے ہم اس یقینی اور قابل اطمینان بات کو چھوڑ نہیں سکتے کہ قرآن کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود وحی کے موافق فرمائی اور نہ ایسی دہی اور مزخرف خبر سے معتبر اور یقینی باتوں میں شک و شبہ کی گنجائش ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ قواتر کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ قاریان قرآن جن کی سندوں کی صحت پر تمام امت کا اتفاق ہے اور ارجح انہیں کی سندوں سے قرآن ہمارے پاس آیا ہے۔ اپنی سندوں کو حضرت عثمانؓ تک پہنچاتے ہیں اور ہر ایک اپنی سند میں بیان کرتا ہے کہ اسی قرآن موجودہ کو اسی ترتیب سے حضرت عثمانؓ نے آنحضرتؐ سے سنا ہے۔ چنانچہ انہی مشہور قاریوں سے تین کی ایسی سندوں کو ہم یہاں لکھتے ہیں جنہوں نے اپنی سند کو حضرت عثمانؓ تک پہنچا ہے۔



اب جبکہ قواتر سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ نے اسی ترتیب سے قرآن آنحضرتؐ سے سنا تو اب ابن عباس کی اس روایت کا اس کے مقابلہ میں کیا اعتبار ہوگا علاوہ اس کے کہ ابن عباس کی یہ حدیث اپنے معنی کی رُوسے بھی بہت کچھ مشبہ میں ڈالتی ہے اور اس کے معانی میں ایسی مخالفت اور تضاد

ہے جس سے اس کے ضعف اور پوری کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے معانی پر بحث کے قبل یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ سورۃ برآۃ، انفال سے جدا سورۃ ہے یا اُسی کا حصہ۔ صحیح حدیثوں اور متواتر شہادتوں سے یہ امر کہ برآۃ مستقل جدا سورہ ہے ایسا یقینی اور روشن ہے کہ اُس میں اس کے خلاف کا خطرہ اور وہم تک بھی نہیں رہتا۔ ان شہادتوں سے بعض کو ہم بھی لکھتے ہیں۔

## پہلی شہادت

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ أَخِرُ سُورَةٍ نَزَلَتْ كَامِلَةً بَرَاءَةٌ وَأَخِرُ سُورَةٍ نَزَلَتْ خَاتِمَةً سُورَةُ النَّاسِ يَسْتَفْتُونَكَ الْح (بخاری مغازی)

ترجمہ :- بخاری میں برآۃ سے ہے کامل سورۃ جو آخر میں اُتری برآۃ ہے۔ اور آخر میں جس سورۃ کا آخر نازل ہوا وہ سورۃ ناس ہے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ پوری سورۃ برآۃ ایک وقت میں نازل ہوئی اور آخر میں جو پوری سورت ایک وقت میں اُتری وہ برآۃ ہے۔ اس سورت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوۃ تبوک اور حنین اور فتح مکہ کے بعد اُتری ہے۔ بقرہ میں حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرِ حج مقرر فرما کر روانہ فرمایا اور حضرت علیؓ بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ حضرت علیؓ نے ساتویں ذی الحجہ کو تمام حجاج کے مجمع میں برآۃ کو پڑھ کر سنایا۔ اسی طرح عرفات میں نویں کو پھر منیٰ میں دسویں کو سنایا۔ (مستقر ص ۱۲۳)

## دوسری شہادت

وَأَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَنَافِقُ لَا يَحْفَظُ سُورَةَ هُودٍ وَبَرَاءَةَ وَيَسَّ وَالدَّخَانَ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ. (تفسیر درمنثور)

ترجمہ :- درمنثور میں اوسط طبرانی سے ہے جناب امیر فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا منافق کو سورۃ ہود، برآۃ، یس، دخان، عم یسار لون یاد نہیں ہوتی۔ یعنی جو انھیں یاد نہ کرے وہ منافق ہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت کے عہد میں برآۃ مستقل اور جدا سورۃ تھی نہ انفال کا جز۔ اور آپ نے قرآن کی دیگر سورتوں کی طرح اس کا بھی مستقل سورتوں میں شمار کیا۔ اس کے سوا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ برآۃ کے یاد کرنے کی تاکید میں اس قدر سختی اور اہتمام فرمایا کہ جو یاد نہ کرے وہ منافق ہے۔ مسلمان اول تو تمام قرآن ہی کے فریضہ اور اس کے یاد کرنے اور لکھنے کی طرف بے انتہا سعی تھے لیکن آنحضرت کے اس اعلان کے بعد خصوصیت سے تمام مسلمانوں نے برآۃ کو یاد کیا اور لکھا ہو گا۔ کیونکہ اس عہد کے مسلمانوں میں ایک بھی ایسا نہیں تھا

جو منافقوں کی فہرست میں اپنا نام دیکھنا پسند کرتا۔ اس بنا پر یہ یقینی امر ہے کہ صحابہ میں اکثر وہ ہونگے جن کو برائۃ یاد ہوگی اور ان کے پاس پوری نکھی ہوئی ہوگی اور اس وقت برائۃ کی مستقل سورۃ ہونے میں کسی مسلمان کو کیا مشبہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی سے یہ امر مخفی ہو سکتا ہے کہ برائۃ مستقل جدا سورۃ ہے۔

## تیسری شہادت

وَأَخْرَجَ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحُوا وَالْبَيْهَقِيُّ فِي سُنَنِهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فَبَلَغْتُ قَرْنًا مِنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُورَةَ بَرَاءَةِ انْفَتَحَ بِقَدْرِ الْحَاجَةِ - (درمنثور)

ترجمہ:- درمنثور میں سنن بیہقی اور سعید بن منصور سے نقل کیا ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے۔ ابوذر کہتے ہیں میں جمعہ کو مسجد میں ایسے وقت داخل ہوا کہ آنحضرت خطبہ پڑھتے تھے۔ میں جا کر اُن کے پاس بیٹھ گیا۔ آنحضرت نے سورۃ برائۃ پڑھی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ برائۃ کو خطبہ میں مجمع عام میں علی رؤس الاشہاد سنایا تو کیا ایسی حالت میں مسلمان اس کے مستقل سورت ہونے سے واقف نہ ہوئے ہوں گے۔

## چوتھی شہادت

وَأَخْرَجَ أَبُو عُبَيْدَةَ وَسَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَابُو الشَّيْخِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الشَّعَبِ عَنْ أَبِي عَطِيَّةَ الْهَمْدَانِيِّ قَالَ كَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ تَعَلَّمَ سُورَةَ بَرَاءَةِ وَعَلَّمَ أَوْسَاءَ كُمُ سُورَةَ التَّوْحِيدِ - (درمنثور)

ترجمہ:- درمنثور میں ابو عبیدہ، سعید بن منصور، ابوالشیخ اور بیہقی سے روایت کیا ہے کہ... ابو عطیۃ الہمدانی کہتے ہیں کہ فاروق اعظم نے یہ حکم لکھا کہ تم سورۃ برائۃ سیکھو اور عورتوں کو سوز نور رکھاؤ۔ حضرت عمر کے اس حکم سے بھی صاف ظاہر ہوا کہ برائۃ مستقل سورۃ انفال سے جدا تھی اور اُس کو یاد کرانے کا آنحضرت نے بھی اہتمام فرمایا اور سخت تاکید کی۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق لوگوں کو اُس کے یاد کرنے کا حکم دیا۔

ان واقعات سے یہ امر بخوبی روشن ہے کہ آنحضرت کے عہد مبارک میں سورۃ برائۃ کا مستقل سورتوں میں شمار تھا۔ آنحضرت نے صاف صاف اس کو علیحدہ سورتوں میں گنایا اور نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت نے بھی سورۃ برائۃ کو انفال کے بعد رکھا تھا۔ اور اسی ترتیب سے آنحضرت اور صحابہ پڑھتے تھے۔ چنانچہ اس نقی کا صحابہ سے قرآن کے حزب کے بارے میں سوال و جواب اس بے

واضح طور سے روشنی ڈالتا ہے۔ اگرچہ یہ واقعہ پہلے بھی لکھا گیا ہے مگر بقدر ضرورت یہاں بھی اعادہ کرتا ہوں۔ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا حَبَسَكَ عَنَّا اللَّيْلَةَ فَقَالَ بَقِيَ عَلَيَّ مِنْ حِزْبِي قَتْلَى فَنُكِرْتُ أَنْ أَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى أَقْرَأَهُ فَلَمَّا أَصْبَحْنَا قُلْنَا لِأَصْحَابِهِ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا أَنَّهُ بَقِيَ عَلَيْهِ حِزْبٌ مِنَ الْقُرْآنِ فَكَيْفَ كُنْتُمْ تَحْزِبُونَ الْقُرْآنَ قَالُوا انْحَزِبْ بِهِ ثَلَاثٌ سُورَةٌ خَمْسِي سُورَةٌ سَبْعٌ سُورَةٌ ثَمَنٌ سُورَةٌ أَحَدِي عَشْرَةَ سُورَةٌ ثَلَاثٌ عَشْرَةَ سُورَةٌ وَحِزْبُ الْمُفَصَّلِ مَا بَيْنَ قَافٍ فَاسْتَفَلَ (طبقات ابن سعد وابی داؤد) اوس کا بیان ہے کہ ایک شب آنحضرتؐ نے اپنے معمول سے آنے میں کچھ تاخیر کی۔ اس پر صحابہ نے عرض کی آج کس وجہ سے حضورؐ کو دیر ہوئی۔ فرمایا روزانہ جو میں قرآن پڑھتا تھا آج وہ رہ گیا تھا اس لئے اُس کے پڑھنے میں دیر ہو گئی۔ اوس کہتے ہیں اُس کی صبح کو صحابہ سے میں نے دریافت کیا۔ قرآن میں تمہارا کیا معمول ہے۔ جواب دیا پہلے روز تین سورتیں، دوسرے روز پانچ، تیسرے روز سات، چوتھے روز نو پانچویں روز گیارہ، چھٹے روز تیرہ، ساتویں روز قاف سے آخر تک پوری مفصل۔ المختصر میں اس کے متعلق ہے۔ فَتَنْظَرُنَا فِيهِ فَإِذَا ثَلَاثُ سُورٍ مِنْ أَوَّلِ الْقُرْآنِ الْبَقَرَةُ وَالْغُرَانُ وَالنِّسَاءُ وَالْخَمْسُ الْمَائِدَةُ وَالْأَنْعَامُ وَالْأَعْرَافُ وَالْأَنْفَالُ وَبَرَاءَةُ وَالسَّبْعُ يُوسُفُ وَهُودُ وَيُوسُفُ وَالرَّعْدُ وَإِبْرَاهِيمُ وَالْحَجَرُ وَالنُّحْلُ وَالسَّبْعُ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَالْكَهْفُ وَمَرْيَمُ وَطِهٌ وَالْأَنْبِيَاءُ وَالْحَجُّ وَالْمُرُومُونَ وَالزُّمَرُ وَالْفُرْقَانُ وَالْإِحْدَى عَشْرَةَ طُورُ سِينِينَ وَالْعَنْكَبُوتُ وَالرُّومُ وَاللَّقَمَانُ وَالسَّجْدَةُ وَالْأَحْزَابُ وَسَبَا وَفَاطِرٌ وَدِينَ وَالْثَلَاثَةُ عَشْرَةَ الصَّافَّاتُ وَصَادُ وَالزُّمَرُ وَحَمْرٌ يَعْنِي آلَ حَمْرٍ وَسُورَةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْفُحْمُ وَالْحَجَرُ وَحِزْبُ الْمُفَصَّلِ صَلَاتُ

یعنی صحابہ کے اس جواب کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ پہلے روز کی تین سوڑتیں بقرہ۔ آل عمران، نسا رہیں۔ دوسرے روز کی پانچ میں مائدہ۔ انعام۔ اعراف۔ انفال۔ برارۃ۔ تیسرے روز کی سات میں یونس۔ ہود۔ یوسف۔ رعد۔ ابراہیم۔ حجر۔ نخل۔ چوتھے روز کی نو میں بنو اسرائیل۔ کہف۔ مریم۔ طہ۔ انبیاء۔ حج۔ مومنون۔ نور۔ فرقان۔ پانچویں روز کے گیارہ میں طور۔ سینین۔ عنکبوت۔ روم۔ لقمان۔ سجدہ۔ احزاب۔ سبا۔ فاطر۔ یس۔ چھٹے روز کے تیرہ میں صافات۔ صاد۔ زمر۔ جم یعنی ال حم۔ محمد۔ فتح۔ حجرات۔ ساتویں روز میں قاف سے آخر تک یعنی مفصل تمام۔ صحابہ کے اس جواب سے تین امر معلوم ہوئے۔

(۱) رسولِ خدا اور نیز صحابہ نے برائے کو مستقل سورہ علیحدہ انفال سے قرار دیا تھا۔ اسی وجہ سے شمار میں اس کا نمبر انفال سے علیحدہ گنا گیا۔ اور انفال کے بعد پانچویں سورت اس کو بتایا گیا۔

(۲) آنحضرت اور صحابہ نے برارہ کو انفال کے بعد رکھا اور اسی ترتیب سے آپ اور صحابہ اے پڑھنے تھے۔

(۳) قرآن کے پڑھنے کی جو ترتیب آنحضرت اور صحابہ کی تھی وہ بعینہ اس قرآن کے موافق تھی اور نیز یہی امر اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے جس کو صاحب منار الہدیٰ نے عائشہ سے اور سیوطی نے اتقان میں واثلہ بن الاسقع سے روایت کیا ہے۔ اُعْطِیْتُ مَكَانَ التَّوْرَةِ السَّبْعَ الطَّوَالَ وَ اُعْطِیْتُ مَكَانَ الزَّبُورِ الْمِثْنَ دَاْعُطِیْتُ مَكَانَ الْاِنْجِلِ السَّبْعَ الْمَثَانِ وَفَضِّلْتُ بِالْمُقَصِّلِ رواہ احمد فی مسنده۔

چنانچہ صاحب منار الہدیٰ بھی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ سورہ برارہ مستقل سورہ ہے نہ انفال کا جز ہے۔

الغرض ان واقعات سے یہ امر روشنی میں آگیا کہ آنحضرت نے برارہ کو مستقل جدا سورہ قرار دیا۔ اور انفال کے بعد اس کو رکھا۔ صحابہ بھی اس سے واقف تھے اور اسی طریقہ سے اس کی تلاوت کرتے تھے۔ سورہ برارہ کو جدا سورہ قرار دینا اور انفال کے بعد رکھنا آنحضرت کا فعل تھا۔ حضرت عثمان کا۔ جیسا قرار نے بھی حضرت عثمان سے اسے نقل کیا ہے اور حضرت عثمان نے خود بھی بیان کیا کہ میں نے اسی ترتیب سے آنحضرت سے سنا۔ چنانچہ ابن عباس کے اس سوال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سورہ انفال اور سورہ برارہ دو جدا جدا سورتیں ہیں۔ اب میں ابن عباس کی حدیث کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اس حدیث میں ابن عباس نے حضرت عثمان سے دو باتیں درپا کی ہیں۔

(۱) انفال اور برارہ باوجود دو سورت ہونے کے ان کو بلا کر ایک سورت کیوں کہا گیا کیونکہ ان دونوں کے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی جیسا کہ دو سورتوں کے درمیان لکھی جاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا یہ دونوں ایک سورت ہیں۔ ابن عباس کے اس سوال سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جدا جدا سورتیں ہیں۔

(۲) انفال مثانی سے ہے اور برارہ مئین سے۔ ان کو قرآن کی پہلی سات طویل سورتوں کے ساتھ کیوں رکھا گیا۔

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جواب

(۱) انفال اور برارہ کا مضمون چونکہ باہم مشابہ تھا اس لئے میں نے سمجھا کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے دونوں کو بلا دیا اور درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی۔ سوال کا جواب تو



صرف اسی قدر ہے۔ لیکن جواب سے اس قدر اور اضافہ کیا گیا۔

(۲) رسول خدا کی یہ عادت اور معمول تھا کہ جب قرآن نازل ہوتا آپ کا تبوں میں سے کسی کو طلب فرما کر ہدایت کر دیتے کہ ان آیتوں کو فلاں سورت میں جن میں فلاں فلاں بیان ہے مرتب کر دو۔

(۳) سورہ انفال مدینہ میں اول نازل ہوئی ہے اور برارۃ آخر میں نازل ہوئی۔

(۴) رسول خدا نے آخر تک یہ نہیں بتلایا کہ برارۃ انفال کا جز ہے۔ ان تینوں باتوں کے اگرچہ جواب سے کچھ تعلق نہیں مگر ہم بیان کرنے والے کے نہایت ممنون ہیں کہ اُس نے اپنے اس اضافہ سے فیصلہ کے لئے نہایت آسانی کر دی اور اپنی غلطی اور جہل پر خود ایک مستحکم شہادت قائم کر دی۔ چونکہ یہ دونوں مل کر ایک بڑی سورت ہو گئی اس لئے میں نے اسے بڑی دوسرے امر کا جواب ساٹ سورتوں میں رکھ دیا۔

اس بیان سے نہایت روشن اور ایسی وضاحت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برارۃ انفال کا جز نہیں اور جدا سورت ہے۔ حضرت عثمان کی شان تو نہایت اعلیٰ اور ارفع ہے اس سے تو معمولی سے معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس نتیجہ پر بلا تردد اور یقینی طور پر آجاتا ہے کہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اس لئے کہ اس بیان سے دو مقدمے ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی آیات نازل ہوتیں جو کسی سورت کی جز ہوتیں تو انہیں آپ اُسی وقت اُس سورت میں لکھا دیتے۔ (۲) برارۃ کو جو بعد میں نازل ہوئی سورہ انفال میں جو پہلے نازل ہوئی ہے نہیں لکھایا۔

ان دونوں مقدموں سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ برارۃ انفال کا حصہ نہیں در نہ آپ اسے حسب معمول ضرور انفال میں لکھاتے۔ اور جب نہیں لکھایا تو ثابت ہوا کہ انفال کا جز نہیں۔ اب جبکہ حضرت عثمان کو ان دونوں باتوں کا خود ہی اقرار ہے تو اس کے بعد بھی دوسری طرف جانا یعنی دونوں سورتوں کے مضمون مشابہ ہونے سے استدلال کرنا۔ بھلا حضرت عثمان کی شان تو اس سے نہایت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ معمولی سمجھ کا آدمی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی خیال غلط ہے کہ آنحضرت کو برارۃ کے انفال میں لکھانے کا وقت نہیں ملا۔ کیونکہ برارۃ سورہ ہجری میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے نازل ہونے کے بعد ایک سال سے زیادہ کا وقت آپ کو ملا۔ علاوہ ازیں جس طرح قرآن کی تبلیغ آپ پر فرض تھی اسی طرح یہ بھی فرض تھا کہ قرآن کے ہر حصہ کو اپنی اپنی جگہ مرتب کرادیں۔ اب خود اسی بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ دونوں ایک نہیں ہیں۔ ہاں اگر یہ دونوں متصل یکے بعد دیگرے بھی نازل ہوتیں تو اس وقت میں بھی ایسا دہم ہو سکتا تھا کہ یہ دونوں شاید ایک ہوں۔ ان میں تو

یہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ ایک اول میں نازل ہوئی ہے اور دوسری بعد میں۔ اس درمیان میں اور بہت سی سورتیں نازل ہوئیں تو اس لئے یہاں یہ بھی وہم نہیں ہو سکتا۔ اب رہی یہ بات کہ ان دونوں کا مضمون مشابہ ہے اس لئے دونوں بلا دی گئیں۔ اس میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) دو میں مشابہت مضمون سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ایک ہوں۔ قرآن میں اکثر ایسی سورتیں ہیں کہ ان کے مضامین میں مشابہت ہے۔ (۲) یہ مشابہت اُس وقت کا رآمد ہو سکتی تھی جبکہ اس کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہوتا۔ اور جب خود آنحضرت نے اس کو انفال میں نہیں لکھا یا اور اس کا نام علیحدہ مستقل رکھ دیا تو اب مشابہت کیا کا رآمد ہو سکتی ہے۔ اب تو اگر دونوں کا مضمون بھی بالکل متحد ہو جاتا تو ایک نہیں ہو سکتیں۔ علاوہ اس کے یہ بات خود بھی غلط ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان دونوں کو وسیع طوالت میں داخل کیا۔ بلکہ یہ ترتیب رسول خداؐ نے قائم کی تھی اور اسی ترتیب سے خود آنحضرت اور نیز صحابہ قرآن کو پڑھتے تھے۔ جیسا اوس ثقفی کے بیان سے ثابت ہوا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ اس سے ناواقف ہوں اور یہ اُن کو معلوم نہ ہو کہ براءۃ مستقل علیحدہ سورت ہے۔ اب واقفیت کے بعد بھی حضرت عثمانؓ کا یہ کہنا کہ یہ ترتیب میری قائم کردہ ہے مسلمان اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں خصوصاً حضرت عثمانؓ کا ایسے وقت میں یہ کہنا جبکہ ہزاروں صحابہ اس سے واقف تھے۔ علاوہ اس کے اُن روایات کی رُو سے جو قرآن کے جمع کے بارے میں ہیں یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عثمانؓ نے خود اپنی رائے سے قرآن کی کوئی ترتیب قائم کی تھی۔ بلکہ ان روایات سے محض یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ اول نے اپنے عہد میں جو قرآن لکھا یا تھا حضرت عثمانؓ نے اس کی نقلیں کرا کے ملک میں شائع کیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی جمع کے واقعہ کو بخاری نے بھی نقل کیا ہے۔ اُسے دیکھو اُس میں ایک حرف بھی ایسا نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ حضرت عثمانؓ نے کوئی ترتیب اپنی طرف سے دی ہے بلکہ محض نقل کرایا تھا۔ اب ابن عباسؓ کی یہ روایت بخاری کی اس صحیح روایت کے بھی مخالف ہوئی۔ بہر حال یہ روایت کیا بلحاظ سند اور کیا بلحاظ مضمون ہرگز صحت اور قبولیت کا درجہ نہیں رکھتی۔ رہا یہ امر کہ انفال اور تہ بہ جب دو مستقل اور جدا جلا سورہ ہیں تو اور دیگر سورتوں کی طرح ان دو میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن کے نقل اور لکھنے میں مسلمانوں نے چونکہ صاحب شریعت کا پورا اتباع کیا ہے اور جس طرح صاحب شریعت نے لکھا یا اُسی طرح لکھا۔ اپنی رائے سے اُس میں کسی قسم کا تبدل و تغیر نہیں کیا۔ اس وقت تک بھی قرآن میں ایسے الفاظ ہیں جو موجودہ قواعد خط اور تحریر کے خلاف ہیں۔ لیکن وہ حروف چونکہ صاحب شریعت کے سامنے اسی طرح لکھے گئے تھے اس لئے مسلمانوں نے اُسے بھی ویسے ہی قائم رکھا اور قواعد خط کے موافق اُس میں تبدل و تغیر پسند نہیں کیا جب ہم مسلمانوں

کایہ یقین ہے کہ یہ قرآن رسول خدا کے عہد میں اسی طرح لکھا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھایا اور مقبرہ راقعات اور روایتوں نے بھی ہمارے اس یقین کو مدد پہنچا کر اور زیادہ مستحکم اور روشن کر دیا۔ تو اب ہمارے لئے اس کہنے کو کوئی امر مانع نہیں کہ آنحضرت نے انفال اور برارہ میں چونکہ بسم اللہ نہیں لکھائی اس لئے نہیں لکھی گئی۔ اس کے بعد ہمیں اس امر کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ صاحب شریعت نے یہاں کیوں بسم اللہ نہیں لکھائی۔ ہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صاحب شریعت کو یہاں اسی طرح وحی ہوئی اور اس سورت میں وحی الہی کے وقت بسم اللہ نہ تھی۔ ابن عباس سے روایت ہے۔ جب سورت نازل ہوتی تو بسم اللہ بھی نازل ہوتی۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ برارہ میں بسم اللہ نازل نہیں ہوئی۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ بسم اللہ چھ بڑی جاتی۔ اور یہاں نازل نہ کرنے کی مصلحت کو وہی حکیم مطلق خوب جانتا ہے جس نے اپنی مصلحت کا ملہ سے اپنی بندوں کے لئے قرآن نازل کیا۔ انسان کی عقل کرہ ارضی کے گرد حرکت سے عاجز ہے تو علویات پر اس کا حاوی ہونا جس درجہ پر ہے وہ ظاہر ہے۔

**اشتباہ کی تیسری روایت** زید بن ثابت کی حدیث سے جسے بخاری وغیرہ نے نقل کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ معرکہ یمامہ کے بعد فاروق اعظم کی رائے سے خلیفہ اکبر نے زید کو بلا کر حکم دیا کہ تمام قرآن کو جمع کرو۔ اگر قرآن جمع نہ ہوا تو لعید نہیں کہ معرکہ یمامہ کی طرح چند اور جگہ قرار قرآن اگر شہید ہوئے تو قرآن کا اکثر حصہ تلف ہو جائے گا۔ زید نے خلیفہ اکبر کے حکم سے تمام قرآن تلاش سے جمع کیا اور لکھا۔ اسی جمع کردہ قرآن کی چند نقیصیں خلیفہ سوم نے اپنے عہد میں کرا کے مختلف جگہ بھیجیں۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پورا قرآن رسول خدا کے عہد میں لکھا ہوا نہ تھا ورنہ خلیفہ اکبر ایسا نہ کرتے۔ زید بن ثابت کی دو حدیث یہ ہے جس کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ میں اسے بخاری سے نقل کرتا ہوں۔

إِنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أُرْسِلَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ مَقْتَلِ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ إِنَّ الْقِتْلَ قَدْ اسْتَحْرَ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقِرَاءِ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ اسْتَحْرَ الْقِتْلَ بِالْقِرَاءِ بِالْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبُ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ ثَلَاثَ عُمُرٍ كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ هَذَا وَاللَّهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِذَلِكَ وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ قَالَ زَيْدُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّكَ رَجُلٌ شَابَّ عَاقِلٌ لَا تَنْهَيْكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَّبِعُ الْقُرْآنَ فَاجْمَعُهُ فَوَاللَّهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنْ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ وَاللَّهُ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرُ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَتَبَعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُ مِنَ الْعُسْبِ وَالْخَفَافِ وَصَدْرُ الرِّجَالِ حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَحِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ لَقَدْ جَاءَ كَعْبُ رَسُولٍ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَتَّى خَاتَمَتْ بَرَاءَةً فَكَانَتْ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرُ حَيَاتِهِ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

ترجمہ :- زید کا بیان ہے کہ یامہ والوں سے لڑائی کے زمانہ میں خلیفہ اکبر نے مجھے بلوایا میں حاضر ہوا۔ عمر بھی اس وقت وہاں تھے۔ خلیفہ نے فرمایا کہ عمر نے مجھ سے کہا۔ یامہ کی لڑائی میں بہت سے قساری قرآن شہید ہوئے ہیں۔ اسی طرح اور چند مقام پر اگر قرآن شہید ہوئے تو مجھے خوف ہے کہ قرآن کا اکثر حصہ تلف ہو جائے گا۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ قرآن کو جمع کرائیں۔ میں نے عمر سے کہا جو کام رسول خدا نے نہیں کیا وہ تو کرنے کو کہتا ہے۔ عمر نے جواب دیا واقعی یہ عمدہ ہے۔ اسی بارے میں مجھ سے اور عمر سے گفتگو ہوئی۔ پھر میں بھی سمجھا کہ عمر کی رائے صحیح ہے اور مصلحت اسی میں ہے۔ اس تمام واقعہ کے بیان کے بعد خلیفہ نے زید سے فرمایا۔ تو جو ان سمجھدار معتبر ہے اور وحی بھی لکھتا تھا۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ تو تلاش کر کے قرآن کو جمع کر۔ زید کہتے ہیں کہ اس قدر بھاری کام میرے متعلق کیا کہ اس سے بھاری پہاڑ کا اپنی جگہ سے منتقل کرنا مجھ پر آسان تھا۔ خلیفہ سے میں نے عرض کیا۔ جو کام رسول خدا نے نہیں کیا وہ کرو گے۔ خلیفہ نے فرمایا ہاں یہ بہتر ہے۔ مجھ سے اور خلیفہ سے اس میں بحث ہوئی۔ پھر میں بھی سمجھا کہ ان دونوں کی رائے واقعی درست ہے۔ اس پر میں نے کھجور کی پتیوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور آدمیوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کیا اور لکھا۔ سورہ توبہ کا آخر (لقد جاءكم الخ) محض ابو خزیمہ انصاری کے پاس ملا۔ میرا لکھا ہوا زندگی بھر خلیفہ اکبر کے پاس رہا ان کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پھر ان کے بعد ان کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔

اس حدیث پر بحث سے پہلے چند باتوں کا بیان مناسب ہے جن سے اس واقعہ پر بہت کچھ روشنی پڑے گی۔

(۱) خلیفہ اول کی خلافت کا زمانہ دو برس تین مہینے گیارہ روز ہے۔ کیونکہ سرِ شنبہ ۱۰ ربیع الاول ۳۰ سالہ کو آپ مسندِ خلافت پر فרוکش ہوئے۔ اور ۲۲ جمادی الآخرہ ۳۱ سالہ دو شنبہ کا دن گزرنے پر عشا و مغرب کے درمیان رفیقِ اعلیٰ سے واصل ہوئے۔

(۲) یمامہ ملک نجد میں ایک شہر ہے۔ اس میں قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک شخص جس کا نام سلیلہ تھا مدعی نبوت ہوا۔ ۳۱ سالہ کے آخر میں خلیفہ اول نے خالد بن ولید کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ

فرمایا۔ اور انجام کار نہایت خوریزی اور طرفین کے بہت سے آدمی کام آنے کے بعد صداقت کی فتح اور کذب کی شکست ہوئی۔ علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ گیارہ سو مسلمان شہید ہوئے اور بعض کا بیان ہے کہ چودہ سو مسلمانوں نے جام شہادت پیا جس میں ستر قرآن کے قاری تھے اور تین ستر مہاجرین اور انصار مدینہ کے اور تین سو مہاجرین بیرون مدینہ کے تھے اور باطل پرستوں کے چودہ ہزار آدمی تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے۔ ثُمَّ سَادَ خَالِدٌ مُّجْمُوعِهِ إِلَى الْيَمَامَةِ لِقِتَالِ مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ فِي أَوَاخِرِ الْعَامِ وَالْتَقَى الْجَمْعَانِ وَدَامَ الْحِصَارُ أَيَّامًا۔ یعنی خالد سلمہ کے آخر میں مسیلہ کے مقابلہ کے لئے معہ فوج کے روانہ ہوئے۔

کامل ابن اثیر میں ہے۔ قَدْ اِخْتَلَفَ فِي تَارِيخِ حَزْبِ الْمُسْلِمِينَ هَؤُلَاءِ الْمُرْتَدِّينَ فَقَالَ ابْنُ اسْحَقَ كَانَ فَتْحُ الْيَمَامَةِ وَالْيَمَنِ وَالْبَحْرَيْنِ وَبَعَثَ الْجُنُودَ إِلَى الشَّامِ سَنَةَ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ وَ قَالَ ابْنُ مَعْشَرٍ وَغَيْرُهُمْ فَتَوَخَّ الرِّدَّةَ كُلَّهَا لِخَالِدٍ وَغَيْرِهِ سَنَةَ اِحْدَى عَشْرَةَ۔ یمامہ وغیرہ کے مرتدین سے جنگ میں مورخین کا اختلاف ہے۔ ابن اسحق کے نزدیک سلمہ میں یہ جنگ ہوئی۔ اور ابو معشر وغیرہ کے نزدیک سلمہ میں۔ بہر حال اس میں کلام نہیں اور یہ امر یقینی ہے کہ یمامہ کی جنگ کا خاتمہ سلمہ کے خاتمہ پر ہوا اور اس جنگ میں زید بن ثابت بھی شریک تھے۔

(۳) مشہور قرار سے سالم مولیٰ ابو حذیفہ کے سوا کوئی قاری اس میں شہید نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں چار شخصوں کو تعلیم قرآن کی اجازت دی تھی اور لوگوں سے فرمایا تھا کہ ان چار سے قرآن پڑھیں۔ ابن مسعود۔ سالم مولیٰ ابی حذیفہ۔ معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب۔ جن میں سے سالم شہید ہوئے اور تین موجود تھے۔

(۴) زید بن ثابت نے آنحضرت کے عہد میں ہی قرآن جمع کیا تھا۔

قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعَةٌ مِنْ الْأَنْصَارِ ابْنُ كَعْبٍ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَالْوَزِيدُ الْبَخَارِيُّ ترجمہ :- بخاری میں انس سے ہے۔ رسول خدا کے عہد مبارک میں انصار سے چار نے قرآن جمع کیا تھا۔ ابی۔ معاذ۔ زید۔ ابو زید۔

اسی کے ساتھ زید بن ثابت کو پورا قرآن حفظ بھی تھا۔ منجملہ اور حفاظ کے یہ بھی ہیں۔

بخاری کی یہ روایت صحیح ہے جس کی صحت کو علمائے بھی تسلیم کیا ہے۔

(۵) ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۴۳ میں شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ جمع کرد قرآن را بحضور آنحضرت

سلی اللہ علیہ وسلم وترتیب داده بود آنرا لیکن تقدیر مساعی شیعہ آن نشد آخر جہ ابو عمرو و عن محمد بن

كُتِبَ الْقُرْطُبِيُّ قَالَ كَانَ مِمَّنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ حَيٌّ  
عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَسَالِمُ مَوْلَى  
أَبِي حَذِيفَةَ.

حضرت عثمان نے آنحضرت کی زندگی ہی میں قرآن کو ترتیب سے جمع کیا تھا لیکن اس کی اشاعت  
نہ ہوئی۔ محمد بن کعب سے روایت ہے کہ آنحضرت کی زندگی میں قرآن جمع کرنے والوں میں عثمانؓ، علیؓ  
ابن مسعودؓ، ابو حذیفہؓ بھی ہیں۔

(۶) یہ امر معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن لکھواتے اور بہت سے صحابہ نے اُسے  
پورا لکھا اور جمع کیا جیسا ابھی ہم نے ثابت کیا ہے۔

(۷) ہم تمام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ قرآن کسی حالت اور کسی وقت میں تلف نہیں ہو سکتا جس  
قدر قرآن ہے وہ قیامت تک بعینہ محفوظ رہے گا۔ خواہ دنیا میں ایک مسلمان بھی باقی نہ رہے اور کسی  
مسلمان کو کبھی یہ خیال وہم و خطرہ کے طور سے بھی نہیں ہو سکتا کہ قرآن کا تلف ہونا ممکن ہے۔ مسلمان جانتے  
ہیں، جس طرح آفتاب و مانتاب قیامت تک اپنے اسی آب و تاب سے زندہ رہیں گے اسی طرح یہ  
چشمہ ہدایت بھی قیامت تک باقی رہے گا۔ کیونکہ یہ اُس خدا کا وعدہ ہے جس کا وعدہ اُٹل اور نامکن التحلف  
ہے۔ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَنَٰحِفَظُونَ۔

(۸) اگر یہ امر صحیح مان لیا جائے کہ آنحضرت کے عہد میں قرآن جمع نہیں ہوا تھا بلکہ اُس کے اجزاء  
صحابہ کے پاس لکھے ہوئے منتشر تھے اور بعض اجزاء ایسے صحابہ کے پاس بھی تھے جو قاری اور کاتب نہ  
تھے جیسے خزیمہ یا ابو خزیمہ۔ اور اسی لئے اس کے جمع کرنے میں تلاش اور سوال کی ضرورت تھی۔  
اور بلا جمع کئے صحابہ کی شہادت یا قراء کی شہادت سے اس کے تلف ہونے کا خوف تھا۔ تو ایسی  
حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد تمام مسلمانوں خصوصاً صحابہ اور خلیفہ کا  
پہلا فرض یہ تھا کہ قبل اس کے کہ صحابہ مدینہ سے کسی جنگ کے لئے یا کسی دوسری غرض سے جدا  
ہوں۔ قرآن جمع کیا جاتا۔ کیونکہ اول تو ویسے ہی انسان کی موت و حیات کا کچھ اعتبار نہیں اور  
جنگ کے موقع میں تو ہر وہ شخص جو جنگ کے لئے نکلتا ہے وہ اپنے کو یقیناً موت کا شکار جانتا  
ہے اور آنحضرت کی وفات کے بعد تو اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایسا نازک وقت تھا کہ اُس وقت  
کے حالات اور واقعات کی رُو سے اسلام اور مسلمانوں کا باقی رہنا ایک ایسی بات ہے جو انسانی  
عقل سے باہر ہے۔ اب ایسی حالت میں عاقلان قرآن کا جنگ کے لئے نکلنا کیا اس امر کو نہیں  
بتاتا کہ ان میں سے ضرور کچھ کام آئیں گے۔ اور کیا کوئی معمولی سمجھ کا شخص بھی ایسا خیال کر سکتا  
ہے کہ بلا جانوں کی قربانی کئے ان کو کامیابی اور فتح نصیب ہوگی۔ خصوصاً اُس حالت میں جبکہ

فریق مقابل کی تعداد اور سامان حرب زیادہ ہو۔ اب ایسی صورت میں بلا قرآن جمع کئے ہوئے خلیفہ کا سامان قرآن کو جنگ کے لئے بھیج دینا دیدہ و دانستہ قرآن کو تلف کرنا ہے اور یہ وہ امر ہے کہ مخالف و موافق کوئی بھی کسی مسلمان کی نسبت ایسا خیال نہیں کر سکتا۔ قرآن ہی وہ شے ہے جس پر اسلام کی عمارت قائم ہے اور اسی کی حفاظت کے لئے مسلمانوں نے قربانیاں کیں اور آج بھی اس کیلئے سرکلف ہیں۔ پھر جوبات کہ خلیفہ اول او فاروق اعظم نے جنگ یمامہ کے بعد کی جبکہ ہزاروں صحابہ اور حاملان قرآن شہید ہو گئے اور ایسا ہونا بھی ضروری تھا۔ اُس کا وقت اس کے قبل تھا جبکہ تمام صحابہ موجود تھے۔ نہ اس وقت۔ علاوہ اس کے جنگ یمامہ کے بعد قرآن کے جمع کرنے سے اور وہ بھی اس صورت سے کہ مختلف چیزوں سے وہ لکھا ہوا ملا اور یہ تحریریں مختلف لوگوں کے پاس سے برآمد ہوئیں۔ یہ خیال زیادہ ممکن ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ تلف ہو گیا ہو اور وہ اُن کے پاس ہو جو شہید ہو گئے تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ تمام قرآن زید کو یاد تھا مگر وہ محض اپنی یاد سے لکھنا نہیں چاہتے تھے تا وقتیکہ وہ لکھا ہوا بھی نہ ملے۔ اس لئے وہ لکھا ہوا ہی تلاش کرتے اور اس سے نقل کرتے اپنی یاد پر نہ لکھتے۔ تو اب ایسی حالت میں یہ ناممکن ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ رہ گیا ہو۔ کیونکہ زید کو خود تمام قرآن یاد تھا۔ تو اس کے متعلق میں کہوں گا کہ اگر محض لکھے ہوئے ہی کی تلاش تھی تو یہ غلط ہے اس لئے کہ اس بیان میں زید خود کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کو لکھے ہوئے سے اور لوگوں کی یادوں سے معلوم کر کے لکھا ہے۔

(۹) جنگ یمامہ کے بعد جمع قرآن کی ضرورت جب محسوس ہوئی اور اس وقت تک کہ اُنہی قرآن غیر مجموع تھا اور جنگ یمامہ میں قرار کے شہید ہونے سے قرآن کے تلف ہونے کا اندیشہ ہوا۔ تو اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ اُس وقت جو قرار سے زندہ تھے خصوصاً وہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیم کی اور اپنے ہی وقت میں اجازت دی۔ اور انہوں نے عہد نبوی میں بھی لوگوں کو قرآن پڑھایا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی یاد پر وثوق کیا۔ ان تمام قرار اور حفاظ کو جمع کیا جاتا اور اُن کی مجلس کے متعلق یہ کام کیا جاتا تھا تنہا زید کی جو اُن میں بھی نہیں ہیں جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں اجازت دی تھی۔ لیکن ان حفاظ اور قرار سے کسی کو بھی شریک نہیں کیا۔ کیونکہ اس وقت میں سالم مولیٰ ابی حذیفہ تو جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے اور معاذ بن میں تھے اور ابن مسعود مہم عراق میں شریک تھے جو محرم ۳۱ھ ہجری میں بہر پرستی خالد روانہ ہوئی تھی اور ابوالدرداء جنہوں نے رسول خدا سے پورا قرآن یاد کیا تھا وہ بھی اس میں شریک نہ تھے اور عمر بن اعاص جو ہرات میں قرآن ختم کر لیتے تھے اور پورا قرآن اُن کے پاس لکھا ہوا تھا وہ بھی باہر تھے۔ حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ عادت تھی کہ جب انہیں کوئی ضرورت پیش آتی تو اُس میں وہ اہل الرائے اور اہل علم سے مشورہ کرتے اور مہاجرین اور انصار سے خصوصاً عمر، عثمان، علی، عبدالرحمن بن عوف، معاذ، ابی

زید کو ضرور بلا کر مشورہ کرتے۔ تعجب ہے بقول راوی یہ اس قدر عظیم الشان کام کہ جس میں حضرت عمرؓ سے بحث مباحثہ ہوا، زید سے مباحثہ ہوا۔ مگر اُن ارباب شوریٰ سے مشورہ بھی نہ کیا گیا حالانکہ یہ انھیں کے کرنے اور مشورے کا ہی کام تھا اس پر بھی ان کو نہ بلایا گیا۔ جو لوگ اس سے واقف ہیں اور جنہوں نے یہ کام کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ کسی مرتب لکھی ہوئی کتاب کی صحیح نقل کرانے میں کس قدر اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اول اس کتاب کے مختلف نسخے جمع کئے جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے تمام سے اس کا مقابلہ کر کے اس کی تصحیح کی جاتی ہے اور اُس پر بھی مختلف طور سے اُس پر مختلف وقتوں میں مختلف اشخاص نظر ڈالتے ہیں جب بھی پورا صحیح نسخہ تیار نہیں ہوتا۔ آج کل ہی دیکھو قرآن کے سینکڑوں نسخے موجود ہیں اور ہزاروں حفاظ ہیں لیکن اس پر بھی اگر آج کوئی صحیح نقل کرنا چاہے تو کس قدر اہتمام کرنا ہوگا۔ پھر کیا تنہا ایک شخص آج بھی اس کام کو انجام دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ اور جبکہ قرآن تمام یکجا لکھا ہوا بھی نہ تھا تو اُس وقت میں اول تو قرآن کا تلاش کرنا پھر اُس سے صحیح نقل کرنا۔ خصوصاً اُس حالت جبکہ تحریر کے ایسے قواعد اور اس قدر سہولتیں بھی نہ تھیں جو آج ہیں۔ کس قدر مشکل کام ہے اور کس قدر اہتمام کو چاہتا ہے اور پھر تلاش کرنا اور ایسے لوگوں سے دریافت کرنا کہ جن میں بعض ایسے بھی ہونگے جو مدینہ سے باہر ہوں تو ایسی حالت میں اس کے لئے کس قدر مدت کی ضرورت ہوگی۔ اور جبکہ اس زمانہ میں بھی قرآن کے برابر کوئی ایسی کتاب جس میں تلاش اور صحت کی ضرورت ہو۔ ایک شخص ایک سال یا ایک سال چھ مہینے میں نہیں لکھ سکتا۔ باوجودے کہ آج کل پہلے کے اعتبار سے بہت سانا ایسا مہیا ہے جس کی وجہ سے بہت آسانی ہو گئی ہے۔ تو تنہا زید کا اُس وقت میں اتنی مدت میں لکھ دینا دنیا کے اُن واقعات میں سے ہے جن کو معجزہ کہتے ہیں کیونکہ سلسلہ ہجری یعنی جنگ یمامہ کے بعد سے جبکہ خلافت کے نو مہینے گزر چکے تھے۔ زید نے قرآن جمع کرنا شروع کیا اور خلیفہ اول ہی کے عہد میں اُسے پورا کر لیا تو یہ تمام کام ڈیڑھ سال میں ہوا اس لئے کہ خلافت صدیقی کا کل زمانہ دو سال تین مہینے ہیں۔ اب اُس سے نو مہینے نکالنے کے بعد ڈیڑھ سال رہ جاتا ہے۔

(۱۰) ابی بن کعب تمام قراء قرآن کے سردار ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرأکم ابی فرمایا یعنی صحابہ میں ابی تمام سے زیادہ قاری ہیں۔ خلیفہ دوم نے عام اعلان دے دیا تھا مَنْ اَدَا ذَاَنْ یَسْأَلُ عَنِ الْقُرْآنِ فَلْيَاتِ ابْنًا جو قرآن کے متعلق دریافت کرنا چاہے وہ ابی سے پوچھے یعنی اُن سے زیادہ کوئی واقف نہیں۔ (حاکم ازاد ص ۲۱۱ ج ۲)

ابی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہی آپ کی اجازت سے قرآن کی تعلیم دیتے اور قرآن پڑھنے والوں کی جماعت کو رسول خدا ان کے متعلق کرتے۔ انھوں نے عہد نبوی میں تمام قرآن کو جمع



کیا تھا اور کاتب وحی بھی تھے۔ تعجب ہے کہ ان کی موجودگی میں زید تو اس کام کے لئے بلائے گئے اور زید کا اس کے لئے انتخاب ہوا اور خلیفہ اول نے اس کام کے لئے اُبی کو نہ بلایا حالانکہ یہ اس وقت مدینہ میں تھے اور زید سے عمدہ اس کام کو انجام دے سکتے تھے۔ اور زید کے اعتبار سے اس کے زیادہ مستحق تھے اور یہ نہیں تو یہ ضروری تھا کہ دونوں کو بلایا جاتا اور دونوں کے متعلق یہ کام کیا جاتا۔ ان کے ہوتے ہوئے تنہا زید کے یہ کام سپرد کرنا معمولی شخص سے بھی یہ بعید ہے۔ اور خلیفہ اول اور فاروقِ اعظم کی فراست اور دور اندیشی سے تو نہایت ہی بعید ہے۔

(۱۱) عہدِ نبوی میں جب قرآن جمع نہیں کیا گیا تھا اور خلیفہ اول ہی نے اسے جمع کرایا تھا تو جمع کرانے کے بعد خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی پر ضروری تھا کہ تمام بلادِ اسلامیہ میں اس کی اشاعت کرتے اور اس کی نقلیں کرا کے ہر جگہ بھجواتے اور اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مسلمان خود اس کی نقل کرتے اور تمام بلادِ اسلامیہ میں اس طرح اس کی نقلیں موجود ہوتیں۔ کیونکہ تجربے اور مشاہدے سے یہ امر متیقن ہے کہ مفید اور ضروری کتاب کو ہر شخص نقل کرتا ہے اور اس طرح سے وہ ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ قرآن سے زیادہ مفید اور ضروری مسلمانوں کے نزدیک کوئی کتاب نہیں اس لئے یہ ضروری تھا کہ اس قرآن کی نقلیں تمام بلاد میں پھیل جائیں۔ مگر کہیں تاریخ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کسی مسلمان نے اس کی نقل کی ہو یا خلیفہ نے اس کی نقل بھجوائی ہو۔ حالانکہ خلیفہ دوم نے اپنے عہد میں جا بجا قرآن کے معلم بھیجے اور اس قدر اہتمام کیا کہ تمام عمال کے نام احکام جاری کر دیئے کہ ہر سال اپنے اپنے یہاں سے اُن لوگوں کی فہرست بھیجا کریں جو قرآن پڑھیں تاکہ اُن کا بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے اور دیگر بلادِ اسلامیہ میں انھیں معلم بنا کر تعلیم کے لئے بھیجا جائے جس پر صرف ابو موسیٰ اشعری نے اپنے یہاں سے تین سو سے زیادہ کے نام لکھ کر بھیجے۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۱۱)

ایک بار زید بن ابی سفیان نے جو ملک شام میں خلیفہ دوم کی طرف سے گورنر تھے فاروقِ اعظم کو لکھا کہ یہاں مسلمان بہت زیادہ ہو گئے ہیں اور ملک شام کے تمام شہر مسلمانوں سے معمور ہیں اس لئے اب اس کی ضرورت ہے کہ آپ ایسے لوگوں کو یہاں بھیجیں جو انھیں قرآن کی تعلیم دیں اور مسائل بتائیں۔ خلیفہ نے اس پر انصار کے اُن پانچ شخصوں کو طلب کیا جنھوں نے عہدِ نبوی میں قرآن جمع کیا تھا۔ یعنی معاذ بن جبل، عبادہ بن الصامت، اُبی بن کعب، ابویوب، ابوالدرداء۔ اور اُن سے تمام واقعہ بیان کر کے کہا کہ تم سے تین کی مجھے ضرورت ہے تاکہ میں انھیں تعلیم قرآن کے لئے ملک شام میں بھیجوں۔ اب تم باہم قرءِ ڈالو جس کا نام نکلے وہ جائے۔ انھوں نے عرض کیا کہ قرءِ ڈالنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ابویوب نہایت بوڑھے ضعیف ہیں اور ابی ہبیرہ اس لئے یہ دونوں جا ہی نہیں سکتے۔ پس معاذ، عبادہ، ابوالدرداء روانہ کئے گئے۔ جن میں سے عبادہ حمص میں، ابوالدرداء دمشق میں

معاذ فلسطین میں گئے۔ طاعون عمواس میں معاذ کا انتقال ہو گیا۔ پھر عبادۃ اُن کی جگہ حمص سے فلسطین آگئے اور پھر اُن کا انتقال بھی فلسطین میں ہوا اور ابوالدرداء دمشق ہی میں رہے اور وہاں ہی اُن کا انتقال ہوا۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۷۷ طبقات نسیم ج ۲ ص ۲۱۴)

ابوموسیٰ اشعری جب بصرہ کے حاکم بنا کر یہاں بدل دئے گئے تو خلیفہ دوم نے اُن کے نام پر واد بھیجا کہ قرآن کی تعلیم دو۔ پہلے سال ابوموسیٰ نے حسب قانون اپنے یہاں سے اُن کی فہرست بھیجنے لے قرآن پڑھا تھا اس کو دیکھ کر خلیفہ نے خدا کی حمد کی۔ دوسرے سال ابوموسیٰ نے جو فہرست بھیجی اُس میں پہلے سے بھی زیادہ نام تھے۔ پھر تیسرے سال بھی فہرست روانہ کی۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۱۴)

ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں جب میں قراء بصرہ کے پاس گیا تو تین سو قاری میرے پاس وہ آئے جنہوں نے تمام قرآن پڑھا تھا۔ (مسلم ج ۱ ص ۳۳۹) ابوموسیٰ اشعری بصرہ سنہ ۳۷ھ میں گئے تھے۔ ابوسفیان کو جو قریش سے تھا اس پر مقرر کیا کہ تمام دیہات اور گائوں میں دورہ کرے اور خانہ بدوش بدوؤں اور اُن کے لڑکوں کا قرآن میں امتحان لے اور قرآن سُنے جس کو کچھ بھی قرآن یاد نہ ہو اُسے سزا دے۔ چنانچہ ابوسفیان اپنے اس دورے میں ایک بار قبیلہ بنی نہہان میں گئے۔ اور زید انخیل کے چچا زاد بھائی اُوس بن خالد کا امتحان لیا اس کو قرآن بالکل یاد نہ تھا۔ اس پر ابوسفیان نے اس کو اس طرح مارا کہ وہ مر گیا۔ (اغانی ج ۱۶ ص ۵۶)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر نے قرآن کی تعلیم جبری قائم کی اور شہر اور گائوں دونوں میں مدارس قائم کئے جن کی نظیر آج بھی نہیں ہے۔

طبقات القراء میں ابوالدرداء کے حال میں ہے کہ ابوالدرداء صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو اسی وقت سے قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا۔ دس دس آدمیوں کی جماعت آپ جدا جدا قائم کرتے اور ہر جماعت پر ایک نگران مقرر کرتے۔ جب کسی جماعت کا کوئی شخص غلطی کرتا تو اس جماعت کا نگران اُسے بتاتا۔ اور اگر نگران سے غلطی ہوتی تو ابوالدرداء اُسے خود بتاتے۔ لیکن حفاظ قرآن کی جماعت کی نگرانی براہ راست ابوالدرداء کرتے۔ ایک بار آپ نے اپنے حلقہ درس کے طلباء کی شمار کرائی تو ایک وقت میں سولہ سو سے کچھ زائد طلباء تھے۔ عبداللہ بن مسعود کو فاروق اعظم نے ابن کوفہ کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ اسرار الانوار میں ہے۔ کوفہ میں ابن مسعود کے حلقہ درس میں ایک وقت میں چار ہزار طلباء شریک ہوتے۔ جناب امیر جب کوفہ میں داخل ہوئے اور ابن مسعود مع اپنے شاگردوں کی جماعت کے استقبال کے لئے باہر نکلے تو کوفہ کا تمام میدان بھر گیا اور جہاں تک نظر کام دیتی تھی طلباء ہی نظر آتے تھے۔ جناب امیر نے فرمایا۔ ابن مسعود نے کوفہ کو علم سے لبریز کر دیا۔ فاروق اعظم نے اپنے عہد میں تراویح کی جماعت کا رمضان میں حکم دیا جس کی وجہ سے ہر مسجد میں

ایک بار تو قرآن رمضان میں پڑھا جانے لگا۔ اور نیز خلیفہ دوم نے خاص لکھانے کے لئے مدرسے قائم کئے تھے۔ اور لکھانے کا اس قدر اہتمام تھا کہ جو لڑکے کفار کے گرفتار ہو کر آتے وہ بھی ان مدرسوں میں داخل کئے جاتے۔ سلیم ابو عامر کا بیان ہے کہ میں جب گرفتار ہو کر مدینہ آیا تو مجھے معلم کے سپرد کیا گیا تاکہ وہ لکھنا سکھائے۔ معلم نے مجھے میم لکھنے کو کہا۔ جب میں نے اسے اچھی طرح سے نہ لکھا تو کہا کہ گائے کی آنکھ کی طرح گول لکھ۔ (معجم البلدان لغت حاضر)

تعجب ہے کہ خلیفہ دوم نے اشاعت قرآن میں سعی کا کوئی درجہ فرو گذاشت نہیں کیا اور اس وقت کے مسلمانوں کے ذوق و شوق نے بھی طلب کے تمام منازل طے کر دیئے تھے۔ ایک حدیث کی طلب میں مہینوں کے راستے پیادہ پا بھوکے پیاسے طے کرتے۔ اور ناقابل برداشت مصائب کو بھی ان کے ذوق و شوق کے آگے شکست فاش اٹھانی پڑتی لیکن وہ قرآن جو آسمانی کتاب تھی اور تمام خوبیوں اور اخلاق کا منبع تھی جس پر ان کا ایمان تھا جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ نہیں کرایا اور خلیفہ اول نے جمع کرایا۔ مگر کسی نے اس جمع شدہ کی طرف توجہ نہ کی۔ کیا یہ بات کوئی موافق اور مخالف باور کر سکتا ہے کہ اس وقت کے مسلمان ایسی بے اعتنائی سے پیش آتے خصوصاً اس حالت میں جبکہ آج بھی مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ قرآن کے متعلق اگر کسی کتاب کا مسلمان کو علم ہو کہ فلاں جگہ قرآن کے متعلق فلاں کتاب ہے تو اسے نقل کراتے ہیں خواہ اس میں ان کو جانی مالی قربانی کرنی پڑے۔ بلکہ دوسرے علم کے متعلق بھی مسلمانوں کی یہی کوشش ہے۔ ان واقعات سے ہر منصف سمجھ دار کے نزدیک یہ امر نہایت روشنی میں آ جاتا ہے کہ قرآن آنحضرت کے عہد میں جمع تھا اور تمام بلاد اسلامیہ میں وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا اسی لئے انھیں اس کے واسطے کہیں طلب کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اور نہ خلیفہ کو اس کی ضرورت تھی کہ وہ قرآن کی نقلیں بھیجتے۔ ورنہ اگر قرآن جمع شدہ ہر جگہ نہ ملتا تو خلیفہ دوم ضرور اس کی نقلیں بھجواتے اور یہ ناممکن تھا کہ وہ اس قدر توجہ نہ کرتے۔ کیونکہ علاوہ اور باتوں کے اس وقت تمام فیصلوں کا دار و مدار قرآن پر ہی تھا اور یہی قانون ملکی اور مذہبی تھا تو اس لئے بھی ہر حاکم اور ہر قاضی کے پاس اس کا ہونا ضروری تھا۔ اور جب کہ خلیفہ اول اور دوم کی یہ عادت تھی کہ معمولی ہدایتیں اور احکام بھی لکھا کر عمال اور حاکموں کو دیتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ اصل قانون ان کے ہمراہ نہ لکھا جاتا اور پرگنہ، صوبہ، ملک اس سے خالی رہتا۔ چنانچہ اسی کو علامہ ابن حزم، کتاب الفصل میں لکھتے ہیں۔

مَا تَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا سَلَامٌ قَدْ اِنْتَشَرَ وَظَهَرَ فِي جَمِيعِ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ مِنْ مُنْقَطِعِ الْبَحْرِ الْمَعْرُوفِ بِبَحْرِ الْقُلُومِ مَا ثَلَاثًا إِلَى سَوَاحِلِ الْيَمَنِ كُلِّهَا إِلَى بَحْرِ فَارِسَ إِلَى مُنْقَطِعِهِ مَا ثَلَاثًا إِلَى الْفُرَاتِ ثُمَّ عَلَى ضَفَةِ الْفُرَاتِ إِلَى مُنْقَطِعِ الشَّامِ إِلَى بَحْرِ الْقُلُومِ وَفِي هَذِهِ الْجَزِيرَةِ مِنْ

الْمَدِينِ وَالْقُرَى مَا لَا يَعْرِفُ عَدَدُهُ إِلَّا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ كَالْيَمِينِ وَالْبَحْرَيْنِ دُعْمَانِ وَنَجْدٍ وَجَبَلِ طِيٍّ وَ  
بِلَادِ مِصْرَ وَرَبِيعَةَ وَقُضَاعَةَ وَالطَّائِفَ وَمَكَّةَ كُلُّهُمْ قَدْ أَسْلَمُوا وَبَنُوا الْمَسَاجِدَ لَيْسَ مِنْهَا مَدِينَةٌ  
وَلَا قَرْيَةٌ ذَا حَلَّةٍ الْأَعْرَابُ الْأَقْدَقُ قَرَأُوا الْقُرْآنَ فِي الصَّلَوَاتِ وَعَلَّمَ الصَّبِيَّانَ وَالرِّجَالَ  
وَالنِّسَاءَ وَكُتِبَ وَمَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذَلِكَ لَيْسَ مِنْهُمْ اخْتِلَافٌ فِي شَيْءٍ  
أَصْلًا بَلْ كُلُّهُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ وَدِينٌ وَاحِدٌ وَمَقَالَةٌ وَاحِدَةٌ ثُمَّ دَلَّى أَبُو بَكْرٍ سَتَيْنِ رِسَّةً أَشْهُرَ  
فَغَزَى فَارِسَ وَالرُّومَ وَفَتَحَ الْيَمَامَةَ وَزَادَتْ قِرَاءَةُ النَّاسِ لِلْقُرْآنِ وَجَمَعَ النَّاسُ الْمَصَاحِفَ كَأَنِّي  
وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَابْنُ زَيْدٍ وَابْنُ مَسْعُودٍ وَسَائِرُ النَّاسِ فِي الْبِلَادِ فَلَمْ يَبْقَ بِلَدٌ إِلَّا دُونَهُ  
الْمَصَاحِفُ ثُمَّ مَاتَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَالْمُسْلِمُونَ كَمَا كَانُوا لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ فِي شَيْءٍ أَصْلًا أُمَّةٌ  
وَاحِدَةٌ وَمَقَالَةٌ وَاحِدَةٌ ثُمَّ مَاتَ أَبُو بَكْرٍ وَدَلَّى عُمَرُ فَفُتِحَتْ بِلَادُ الْفَرَسِ طُولًا وَعَرْضًا وَفُتِحَتْ  
الشَّامُ كُلُّهَا وَالْحِزْبُ وَبِلَادُ الْيَمِينِ بِلَدٌ إِلَّا وَبُنِيَتْ فِيهِ الْمَسَاجِدُ وَنُسَخَتْ فِيهِ الْمَصَاحِفُ  
وَقَرَأَ الْأُمَّةُ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَ الصَّبِيَّانَ فِي الْمَكَاتِبِ شَرْقًا وَغَرْبًا وَبَقِيَ كَذَلِكَ عَشْرَةُ أَعْوَامٍ وَشَهْرًا  
وَالْمُسْلِمُونَ كُلُّهُمْ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ فِي شَيْءٍ بَلْ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ وَمَقَالَةٌ وَاحِدَةٌ وَأَنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَ  
الْمُسْلِمِينَ إِذْ مَاتَ عُمَرُ مِائَةُ أَلْفٍ مُصْحَفٍ مِنْ مِصْرٍ إِلَى الْعِرَاقِ إِلَى الشَّامِ إِلَى الْيَمِينِ فَمَا  
بَيْنَ ذَلِكَ فَلَمْ يَكُنْ أَقَلُّ ثُمَّ دَلَّى عُثْمَانُ فَزَادَتْ الْفَتْوحُ وَالسَّعْيُ الْأَمْرُ فَلَوْرَامُ أَحَدًا أَحْصَاءَ مُصْحَفٍ  
أَهْلَ الْإِسْلَامِ مَا قَدَّرَ وَبَقِيَ كَذَلِكَ إِثْنَتَا عَشَرَ عَامًا حَتَّى مَاتَ وَبِمَوْتِهِ حَصَلَ الْإِخْتِلَافُ -

(ج ۲ ص ۷۸)

ترجمہ :- جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت تمام عرب کا جزیرہ  
مسلمان ہو گیا تھا جو مغرب میں بحر قلزم سے لے کر سواحلِ یمن سے گزرتا ہوا مشرق میں بحر فارس پر  
ختم ہوتا ہے اور بحر فارس سے دریائے فرات پر گزرتا ہوا شام کے کنارے بحر قلزم پر ختم ہوتا  
ہے۔ اور اس جزیرہ عرب میں اس قدر کثیر شہر اور مواضع ہیں کہ جن کی شمار کا علم خدا ہی کو ہے۔  
جیسے یمن بحرین عمان نجد قبیلہ طے دو پہاڑ آجا اسلے قبائل مضر ربیعہ قضاہ کے قصبات طائف  
مکہ مدینہ غرض کہ یہ تمام جزیرہ مسلمان ہو گیا تھا اور اس میں کوئی شہر اور گاؤں اور آبادی ایسی نہ تھی  
جہاں مسجد نہ ہو اور ان تمام مسجدوں میں پانچوں وقت نمازیں قرآن پڑھا جاتا تھا اور مسلمان اپنے  
بچوں اور عورتوں اور مردوں کی قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ آنحضرت کی وفات کے وقت مسلمانوں  
میں کسی امر میں اختلاف نہ تھا۔ بلکہ تمام کا ایک مذہب ایک بات تھی۔ پھر حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے  
اور ڈھائی سال خلیفہ رہے۔ فارس اور روم سے جہاد کیا۔ یمامہ کو از سر نو فتح کیا اور اب قرآن کو جاننے  
والے اور زیادہ ہو گئے اور بہت سے لوگوں نے قرآن لکھا تھا جیسے ابی عثمان عمر علی زید ابو زید

ابن مسعود اور دیگر بلاد اسلامیہ میں اور بہت لوگ تھے جنہوں نے قرآن لکھا تھا۔ غرض کہ کوئی شہر مسلمانوں کا ایسا نہ تھا جس میں قرآن کے نسخے لکھے ہوئے نہ ہوں۔ پھر خلیفہ اول کا انتقال ہوا اور مسلمانوں کی بدستور وہی حالت تھی یعنی ان میں کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ پھر حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور فارس، شام، جزیرہ اور مصر کو فتح کیا اور ان تمام بلاد اسلامیہ میں مسجدیں بنائی گئیں اور قرآن لکھے گئے اور بدستور قرآن پڑھایا جاتا تھا اور دس سال کچھ مہینے یہی حالت رہی کہ کسی میں کچھ اختلاف نہ تھا۔ تمام کا ایک مذہب ایک خیال تھا اور عہدِ عمر میں ایک لاکھ سے کم نسخے قرآن کے مسلمانوں کے پاس نہ ہوں گے۔ پھر حضرت عمر کا انتقال ہوا اور حضرت عثمان خلیفہ ہوئے اور فتوحاتِ اسلام بہت زیادہ ہوئیں اور اسی کے ساتھ تمام باتوں میں زیادتی ہوئی۔ مثلاً قرآن، مساجد وغیرہ پہلے سے اور زیادہ ہوئیں اور اس زمانہ میں قرآن کے اس قدر نسخے لکھے گئے اور مسلمانوں کے پاس موجود تھے۔ کہ ان کی شمار دشوار تھی اور یہی حالت اتفاق کی بارہ سال رہی۔ جب حضرت عثمان کا انتقال ہوا اُسی وقت سے اختلاف شروع ہوا۔

اب میں اس حدیث زہری پر دو طرح سے غور کرتا ہوں۔ اول اس حدیث کی سند میں دوسرے اس کے مضمون اور معانی پر۔

**زہری کی حدیث کی سند** | اس میں شک نہیں کہ محدثین نے باتفاق اس حدیث کو صحیح مانا ہے اور اسی وجہ سے بخاری ترمذی وغیرہ حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث شے۔ اس روایت کا راوی تنہا زہری ہے۔ زہری کے سوا کسی نے اسے روایت نہیں کیا البتہ زہری سے چند نے اسے روایت کیا ہے اس لئے یہ روایت محدثین کے یہاں خبرِ آمادہ سے ہے۔ یعنی وہ روایت جس کا راوی کسی مرتبہ میں محض ایک ہی ہو۔ زہری اگرچہ محدثین کے یہاں نہایت معتبر قابلِ وثوق اور راستباز اور امین ہے اور تمام کتب صحاح میں اس کی روایت ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ مذہب تھا۔ یعنی اپنے کلام کو حدیث میں اس طرح طاکر بیان کر دیتا تھا کہ سننے والے کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ

امام ابو الحارث لیث بن سعد کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے۔ یہ مصر کے امام اور امام دارالہجرہ مالک بن انس کے ہم سبق اور رفیق و صدیق تھے۔ انہوں نے امام مالک کو ایک مکتوب ارسال کیا ہے۔ مکتوب کیا ہے ایک شیش قیمت علمی وثیقہ ہے علامہ اعلیٰ نے اپنی تالیفات میں اس کو محفوظ کیا ہے۔ علامہ ابن قیم نے کتاب إعلام الموقعین عن رب العالمین میں (حقہ سوم کے صفحہ ۷۲ سے ۷۷ تک) اور علامہ محمد بن الخضر نے تاج التشریع فی الاصلاحی میں (صفحہ ۱۸۹ سے ۱۹۶ تک) نقل کیا ہے۔ اس مکتوب میں امام لیث نے اپنے استاد امام زہری کے منقول جو افکات کیا ہے انہی کے الفاظ سے نقل کرتا ہوں لکھا ہے:-

”وكان يكون من ابني شهاب اختلافت كثيرًا اذا لقيناه واذا كاتبه بعضنا، فربما كتب اليه لي الشئ الواحد على فضيل رايه وعليه بثلاثة انواع، ينقص بعضها بعضًا ولا يشعربالذي (باقی صفحہ پر)

بھی حدیث ہے۔ اور دونوں میں کوئی فرق نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ اصول حدیث کی کتابوں میں زہری کے متعلق اس کو لکھتے ہیں۔ المعتبر من المختصر ص ۱۲۵ میں ہے۔ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مِنْ كَلَامِ الزَّهْرِيِّ فَإِنَّهُ كَانَ يَخْلُطُ كَلَامَهُ بِالْحَدِيثِ وَلِذَا لَكَ قَالَ لَهُ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ أَفْصَلَ كَلَامَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كَلَامِكَ۔ اور شاید یہ زہری کا اپنا کلام ہو نہ حدیث کیونکہ زہری کی یہ عادت تھی کہ وہ حدیث میں اپنا کلام بھی ملا دیتے تھے۔ اسی واسطے موسیٰ نے زہری سے کہا کہ۔ حدیث سے اپنے کلام کو علیحدہ رکھو بلایا نہ کرو، تو ایسی حالت میں یہ فیصلہ مشکل ہے کہ اصل واقعہ کس قدر ہے اور امام زہری نے اپنی طرف سے بھی کوئی تشریح کی ہے یا نہیں۔ اس کے سوا بھی چونکہ یہ ایک شخص تنہا زہری کا بیان ہے اور ایک ایسے امر کے خلاف ہے جو قوا تر سے ثابت ہے اور تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے تو اس لئے یہ اُن کثیر شہادتوں کے مقابلہ میں نہیں مانا جاسکتا۔ جیسا مسلمانوں کا عام اصول ہے کہ خبر احاد امر یقینی کے مقابلہ میں ہرگز لائق وثوق نہیں ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہاں کسی راوی سے بیان میں غلطی ہوئی ہو۔ بہر حال تنہا زہری کی روایت سے ہم اُن روایات کو نہیں چھوڑ سکتے جن سے ثابت ہے کہ بہت سے لوگوں نے آنحضرتؐ کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔

## زہری کے بیان میں اختلاف

زہری کی اس روایت میں اضطراب یعنی اختلاف ہے میں یہاں زہری کی انہیں روایتوں کا اختلاف دکھاتا ہوں جو بخاری میں زہری سے ہے۔ اس حدیث کی زہری سے جس قدر روایتیں ہیں چونکہ اُن میں صحیح اور معتبر بخاری کی سندیں ہیں اس لئے ان سندوں کے اختلاف سے ناگزیر خود فیصلہ کر سکیں گے کہ یہ حدیث کہاں تک وثوق کے قابل ہے۔ بخاری کی کتاب الاحکام میں ابن شہاب زہری سے ابراہیم بن سعد نے روایت کی ہے۔

بخاری میں سورۃ برآۃ کی تفسیر میں اسی روایت کے زہری سے شعیب راوی ہے لیکن زہری کے ان دونوں مشاہدوں کی روایت میں یہ اختلاف ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

مَضَى مِنْ رَأْيِهِ فِي ذَلِكَ، فَهَذَا الَّذِي يَذَّكَّرُنِي إِلَى تَرْكِ مَا انْكَرْتُ تَرْكِي إِيَّاهُ ۖ وَالْأَمْرُ  
ابن شہاب زہری کا مسائل میں بہت اختلاف ہوا کرتا تھا، جب ہم ان سے زبانی پوچھتے یا ہم سے کوئی لکھ کر ان سے روایت  
کراتا تو۔ باوجود فضیلت رائے اور علم کے ایک ہی شے کے متعلق اُن کا جواب تین قسم کا ہوا کرتا تھا اور ایک دوسرے کا ضد۔ اُن  
کو اس کا احساس نہیں ہوا کرتا تھا کہ پہلے کیا لکھ چکے ہیں اور ان کی کیا رائے تھی۔ میں نے ایسے ہی منکر اقوال کی وجہ سے اُن کو چھوڑا  
تھا جس کو تم نے پسند کیا تھا۔

ابراہیم بن زید عنی اللہ

مکتوب از اول تا آخر خایان مطالعہ ہے

## شعیب کی زہری سے روایت

(۱) قَدْ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِالنَّاسِ

معرکہ یمامہ میں بہت لوگ کام آئے

(۲) مِنَ الرِّقَاعِ وَالْأَكْنَفِ وَالْعُسْبِ وَ

صُدُورِ الرِّجَالِ۔

ابراہیم کی روایت میں بجائے اکناف کے لحاف ہے۔

## ابراہیم کی زہری سے روایت

قَدْ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقِرَاءِ الْقُرْآنِ۔

معرکہ یمامہ میں بہت قاری قرآن شہید ہوئے

مِنَ الْعُسْبِ وَالرِّقَاعِ وَاللِّخَافِ وَصُدُورِ

الرِّجَالِ۔

فَوَجَدْتُ اخْرَاسُورَةَ التَّوْبَةِ

مَعَ خُرَيْمَةَ أَوَّابِي خُرَيْمَةَ

اس کی روایت میں یہ لفظ نہیں

اس کی روایت میں یہ نہیں

(۳) حَتَّى وَجَدْتُ مِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ آيَتَيْنِ

(۴) مَعَ خُرَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ

(۵) لَمْ أَجِدْهُمَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ

(۶) فَالْتَحَقْتُهُمَا فِي سُورَتِهِمَا

## زہری کی روایت کا واقعات اور دوسری صحیح روایتوں کے خلاف ہونا (۱) تاریخ اور صحیح

روایات بلکہ خود بخاری کی روایت سے ثابت ہے کہ زید نے آنحضرتؐ کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔ معاذ ابن قتیبہ میں ہے۔ زید نے تمام قرآن لکھا تھا اور اس قرآن کو اخیر میں آنحضرتؐ کو تمام و کمال سنایا تھا۔ اس قرآن کی ترتیب وہی تھی جو آج بھی قرآن کی ہے۔ ترمذی میں زید سے ہے کہ ہم نے آنحضرتؐ کے روبرو ہی قرآن کو جمع کیا تھا اور نیز تمام محدثین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ زید قرآن کے حافظ تھے اور پورا قرآن آپؐ کو یاد تھا۔ خلیفہ اولؓ نے جب زید کو جمع قرآن کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ اسے تلاش کر کے لکھو تو اس وقت زید کا جواب یہ ہونا چاہیے تھا کہ قرآن جمع شدہ ہمارے پاس موجود ہے اور مجھے یاد ہے اس کی تلاش کی ضرورت نہیں۔ باوجود زید کے حافظ اور جامع قرآن ہونے کے جو متعدد روایات سے ثابت ہے اور تمام مورخین اس پر متفق ہیں۔ تمام کتب جہاں اس کی شاہد ہیں جس کے خلاف میں ضعیف سی بھی روایت اور قول نہیں۔ پھر زید کا قرآن کو تلاش سے لکھنا جیسا اس روایت سے ثابت ہوتا ہے ایک ایسا امر ہے جس کے باور کرنے کے لئے کوئی ضعیف سی ایسی وجہ بھی نہیں کہی جاسکتی جس کو کوئی فہیدہ انسان صحیح مان سکے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البر نے بھی استیعاب میں زہری کی روایت کی اس مخالفت کو بیان کیا ہے میں یہاں اس مخالفت کو انہیں کے الفاظ میں لکھتا ہوں۔

وَأَمَّا حَدِيثُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ أَحَدَ الَّذِينَ جَمَعُوا الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ

رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَحِّحُوا وَقَدْ عَارَضَهُ قَوْمٌ مَجْدِيثُ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ بْنِ السَّائِقِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ أَمَرَهُ فِي حَيَاتِهِ مَقْتِلَ الْقُرَّاءِ بِأَلْيَمَامَةٍ يَجْمَعُ الْقُرْآنَ قَالَ فَجُمِعَتِ الْقُرْآنُ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْعُسْبِ وَصُدُّوا بِالرِّجَالِ حَتَّى وَجَدَتْ إِخْرَاقِيَّةً مِنْ تَوْبَةِ مَعَ رَجُلٍ يُقَالُ لَهُ حُزَيْمَةُ أَوْ أَبُو حُزَيْمَةَ قَالُوا فَلَوْ كَانَ زَيْدٌ قَدْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَمْلَأَهُ مِنْ صَدْرِهِ وَمَا اخْتِاجَ إِلَى مَا ذَكَرَهُ - (استيعاب جداول ص ۱۴۴)

مجھے صرف یہاں اس قدر کہنا ہے کہ زید کا حافظ ہونا اور تمام قرآن کا آنحضرت کی حیات میں لکھا صحیح روایتوں سے معلوم ہے۔ چنانچہ ابن عبدالبر کو بھی اس کا اقرار ہے تو زید اگر خلیفہ اول کے عہد میں جمع قرآن کی خدمت پر مامور ہوتے تو اپنی یا د اور اپنے قرآن سے لکھتے نہ کہ دوسری اشیاء سے۔ اور نہ زید وہ عذر کرتے جو اس حدیث میں زید کی طرف نسبت کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ روایت یا تو بے اصل ہے، یا درمیان کے راویوں کے بیان کی غلطی ہے۔ ممکن ہے کہ زید کے پاس چونکہ ایسا لکھا ہوا قرآن تھا جس کو آخر میں انھوں نے آنحضرت کو سنایا تھا۔ اس لئے خلیفہ اول نے اس کی کوئی نقل اپنے لئے کرائی ہو اور زید نے اُسے حضرت ابوبکر کے لئے نقل کیا ہو جیسا کنز العمال کی ایک حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے لیکن رواد نے اپنی غلطی سے اس واقعہ کو کچھ کا کچھ کر دیا۔ اور راوی حدیث چونکہ انسان تھے اور انسان بھی وہ جرنی نہ تھے، اس لئے اُن سے وہم و خطا کا ہونا بعید نہیں جیسا علامہ ابن حزم کتاب الفصل میں لکھتے ہیں :-

وَمَا قَوْلُهُمْ أَنَّهُ قَدْ رَوَى بَأْسَانِيْدٌ صَحَّاحٌ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنَ التَّابِعِينَ الَّذِي يُعْظَمُ وَنَاخِذٌ دِينِنَا عَنْهُمْ أَنَّهُمْ قَرَأُوا فِي الْقُرْآنِ قِرَاءَاتٍ لَا نَسْتَحِلُّ نَحْنُ الْقِرَاءَةَ بِهَا فَهَذَا حَقٌّ وَنَحْنُ وَإِنْ بَلَّغْنَا الْغَايَةَ فِي تَعْظِيمِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَضَوْنَا اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَتَقَرَّبْنَا إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِمَحَبَّتِهِمْ فَلَسْنَا نَبْعُدُ عَنْهُمْ الْوَهْمَ وَالْخَطَأَ وَلَا نُقَلِّدُهُمْ فِي شَيْءٍ مِمَّا قَالُوهُ - (ج ۲ ص ۴۷)

ترجمہ :- اور لوگوں کا یہ خیال کہ نہایت صحیح سندوں سے صحابہ اور تابعین سے ایسی قراءۃ قرآن میں مروی ہیں جن کا پڑھنا درست نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ خیال صحیح ہے اور صحابہ و تابعین اللہ علیہم کی تمام مسلمان بے انتہا عزت و تعظیم کرتے ہیں اور اُن کی محبت کو باعثِ نجات سمجھتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم انھیں وہم و لسیان، خطا سے معصوم نہیں جانتے۔ اُن سے اس قسم کے امور ممکن ہیں۔

(۲۱) بخاری اور نیز دیگر روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت کی حیات مبارک میں بہت سے صحابہ نے قرآن جمع کیا تھا۔ چنانچہ اُن میں چار کے نام تو بخاری ہی نے انس کی روایت سے نقل کئے



میں۔ اور ایک طویل فہرست پہلے میں بھی ان کے ناموں کی دے چکا ہوں۔ علامہ ابن سعد نے بھی طبقات قسم ثانی ج ۲ ص ۱۱۱ میں بعض ایسے صحابہ کے نام شمار کئے جنہوں نے آنحضرت کی زندگی میں پورا قرآن جمع کیا تھا جنہیں میں یہاں اُن کی عبارت لکھتا ہوں:-

عَنْ زَائِرِ الشَّعْبِيِّ قَالَ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ رَهْطٍ مِنَ الْأَنْصَارِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَأَبِي بَنْ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو الدَّرْدَاءُ وَأَبُو زَيْدٍ وَسَعْدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ قَدْ كَانَ بَقِيَ عَلَى الْجُمُعِ بْنِ جَارِيَةَ سُورَةُ أَوْسُورَتَانِ حِينَ قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ:- حافظ ابن سعد طبقات میں علامہ شعبی اور محمد بن سیرین اور محمد بن کعب کی روایت سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت کے عہد مبارک میں انصار میں سے چھ افراد معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوالدرداء، ابو زید، سعد بن عبید نے پورا قرآن جمع کیا تھا۔ البتہ جمع بن جاریہ کو دو سورت یا ایک سورت جمع کرنے کو باقی تھی جو آنحضرت کا انتقال ہو گیا۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَيَوْنٍ قَالَ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ وَثَمِيمُ الدَّارِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرْطُبِيُّ قَالَ جَمَعَ الْقُرْآنَ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَةً مِنَ الْأَنْصَارِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ ابْنُ بَنْ كَعْبٍ أَبُو أَيُّوبَ أَبُو الدَّرْدَاءُ.

اب جبکہ یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت کے عہد ہی میں قرآن جمع ہو گیا تھا اور بہت سے صحابہ نے اسے جمع کیا تھا۔ تو پھر حضرت عمر کا حضرت ابوبکر سے یہ کہنا اتنی آری اُن تَامُرِ جَمْعِ الْقُرْآنِ یعنی میری رائے ہے کہ آپ قرآن کے جمع کرنے کو فرمائیے۔ اور اس کے جواب میں حضرت ابوبکر کا یوں فرمنا كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ جو کام آنحضرت نے نہیں کیا وہ تو کیونکر کرے گا، کیونکر صحیح ہوگا۔ اور یہ بات غلط ہے یا نہیں۔

(۳) سالم مونی ابو حذیفہ کے سوا مشہور قرار سے کوئی قاری اس جنگ میں شہید نہیں ہوا۔ اور عام اُن مسلمانوں کی تعداد جو اس جنگ میں شہید ہوئے۔ چودہ سو تک بیان کی جاتی ہے جن میں چھ توجہا جرین اور انصار ہیں۔ یہ تعداد اُس وقت کے مسلمانوں کے لحاظ سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجتہ الوداع میں جبکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان تھے تو اگر یہی مان لیا جائے کہ اُس وقت تمام مسلمان اسی قدر تھے۔ گو کہ یہ امر کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ مگر اس پر بھی چودہ سو مسلمان اس تعداد کے مقابلہ میں کسی شمار میں نہیں آسکتے اور اس واقعہ میں جو ستر قرار کی شہادت بیان کی جاتی ہے اُن کے متعلق محدثین اور مؤرخین کا یہ ہی بیان ہے کہ اُن میں سے ہر ایک پورے قرآن کا حافظ نہ تھا بلکہ قرآن کے کچھ اجزاء اُن کو یاد تھے۔

قاری قرآن کے اگر یہی معنی ہوں تو پھر مہاجر اور انصار سے جو اس میں شہید ہوئے وہ سب قاری تھے۔ کیونکہ مسلمانوں میں خصوصاً اُس عہد میں کوئی بد قسمت مسلمان بھی ایسا نہ ہوگا جسے قرآن کچھ بھی یاد نہ ہو تو اب زید بن ثابت کا اس روایت میں یہ کہنا کہ اِنَّ الْقَتْلَ قَدْ اسْتَحْدِیْہٗ مَا لَیْمًا مَّۃً بِقَرَأِ الْقُرْآنِ ہر اعتبار سے غلط ہوگا کیونکہ قاری قرآن کے اگر یہ معنی ہوں کہ جسے پورا قرآن یاد تھا تو وہ بھی اس لڑائی میں سالم مولیٰ ابی حذیفہ کے سوا کوئی شہید نہیں ہوا۔ اور اگر قاری قرآن کے یہ معنی ہوں جسے قرآن کا کچھ حصہ یاد ہو خواہ وہ ایک دو سورت ہی ہوں تو اس معنی کی رو سے تمام مسلمان قاری قرآن تھے۔ اور جزیرہ عرب میں جس قدر مسلمان تھے وہ تمام ہی قاری تھے۔ پھر ان کی تعداد کے اعتبار سے بھی چودہ سو مسلمان کچھ زیادہ نہ تھے۔ اور اگر کہا جائے کہ مشہور قراء سے تو سالم ہی شہید ہوئے لیکن ان کے سوا اور بھی پورے قرآن کے حافظ اس لڑائی میں ایسے شہید ہوئے جو مشہور نہ تھے۔ تو اس صورت میں اصل واقعہ روشنی میں آجائے گا۔ یعنی صحابہ میں بہت سے صحابی قرآن کے حافظ تھے۔ مگر اس پر بھی اس تعداد کا زیادہ ہونا مشکل ہے۔ بہر حال یہ بیان واقعات کے بالکل خلاف ہے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اُمّی تھے اس لئے آپ کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ قرآن لکھا کر اپنے پاس رکھتے۔ البتہ صحابہ کو پورا قرآن حرف بحرف لکھایا اور اس لکھانے کا نہایت اہتمام کیا اور اکثر صحابہ نے آپ کے عہد میں آپ سے پورا قرآن لکھ کر جمع کیا۔ تو اب خلیفہ دوم کا جمع کے لئے شورہ دینا ایسا امر نہ تھا جس میں خلیفہ اقل اور زید کو تامل ہوا اور مباحثہ کی نوبت آئی۔ اور حضرت عمر سے یہ فرمایا۔ کَیْفَ تَفْعَلُ شَیْئًا لَّمْ یَفْعَلْہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کیا آنحضرت نے قرآن لکھنے کا حکم نہیں دیا۔ کیا آپ کے عہد میں لکھ کر قرآن نہیں پڑھایا جاتا تھا؟ کیا خلیفہ اول اور زید اس سے ناواقف تھے؟ کیا اس کا صاف اور صحیح جواب صرف یہی نہ تھا کہ بلاشبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع کرایا۔ اور آپ کے امر سے صحابہ نے لکھا۔ اس کے علاوہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن جمع نہیں کرایا۔ تو کیا حفاظت کے لئے جمع کرنا ایسا امر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے خلاف ہو۔ کیا خود آنحضرت ایسے امور کو نہیں لکھاتے تھے جن کا استحفاظ اور اہتمام مقصود ہوتا تھا۔ ابو شاہ صحابی نے فتح مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سن کر جب آپ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ اے لکھا دیجئے تو کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا اَلْکُتُبُ اِلَیَّ شَآءَ یعنی ابو شاہ کو لکھ دو۔ قَالَ اَبُو دَاوُدَ فَکَتَبُوْا اِلَیَّ یَعْنِیْ خُطْبَۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی ابو شاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ لکھانے کی درخواست کی (ابوداؤد) کتاب الدیات۔ اور کیا حضرت ابوبکر خود اپنے عمال کو ہدایت نہیں لکھا دیتے تھے۔ اور کیا آنحضرت نے قرآن کے لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور کیا حضرت عبداللہ بن عمرو نے جب

عدیثوں کے ضائع ہونے اور اپنے بھول جانے کی شکایت کی تو آنحضرتؐ نے انہیں لکھنے کا حکم نہیں دیا۔  
پھر کیا ابو بکر ان تمام واقعات سے ناواقف تھے۔ یا للغب۔

یہ سوال و جواب بجائے خود اس واقعہ کے بے اصل ہونے کے لئے قوی شہادت ہے۔ اور  
جو امر کہ عام اتفاق سے ثابت ہے۔ اور آفتاب سے زیادہ روشن ہے اس پر غبار ڈالنا اور چھپانا  
ناممکن ہے۔

(۵) خلیفہ اول نے یہ قرآن اگر لکھایا ہوگا تو بیت المال کے روپے سے لکھایا ہوگا۔ کیوں کہ  
خلافت سے چھ مہینے بعد خلیفہ کے مصارف کا مکتفل بیت المال کیا گیا تھا اور بیت المال سے وہ  
اپنے ضروری مصارف خور و نوش کے مطابق لیتے تھے۔ جیسا کہ خلیفہ اول کے حالات میں مؤرخین  
لکھتے ہیں۔ اور نیز اس واقعہ سے بھی اس کا پورا ثبوت ملتا ہے کہ آپ کی بی بی نے ایک روز  
جب شیرینی کی فرمائش کی تو جواب دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ بی بی نے کہا۔ اجازت ہو  
تو روزمرہ کے صرف سے کچھ بچا کر جمع کر لوں۔ فرمایا بہتر۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع کر کے دیئے۔  
اور کہا اٹھائی لادو۔ خلیفہ نے پیسے لے کر فرمایا کہ یہ خرچ ضروری سے زیادہ ہیں لہذا بیت المال  
کے ہیں اور بیت المال میں جمع کر کے اپنے وظیفہ سے اسی قدر کم کر دیا۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ کے پاس اپنا ذاتی سامان کیا تھا اور بیت المال میں  
انہیں کس قدر احتیاط تھی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس قرآن کے مصارف بیت المال سے  
ادا کئے گئے ہوں گے۔ اور یہ قرآن چونکہ بیت المال کا حق تھا اسی لئے یہ ان کی وفات کے  
بعد خلیفہ اول کے ورثا کو نہیں دیا گیا بلکہ بیت المال میں رہا۔ اور خلیفہ دوم کے پاس پہنچا۔  
اگر خلیفہ اول کا اپنا ہوتا تو ضروران کے ورثا کو ملتا۔ لیکن یہاں دو باتیں اس واقعہ کو غلط  
ٹھیراتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ خلیفہ اول نے بیت المال کی جو اشیاء چھوڑیں اور وہ  
خلیفہ دوم کو سپرد کی گئیں۔ اُن کی فہرست میں اس قرآن کا نام نہیں ہے اور خلیفہ اول نے  
جن چیزوں کے سپرد کرنے کو فرمایا تھا اس میں اس کا نام نہیں آیا۔ تاریخ الخلفاء میں ہے۔

قَالَ أَبُو بَكْرٍ لَمَّا اخْتَصَرْتُ لِعَائِشَةَ يَا بَنِيَّةُ اَنَا وَلَيْتَا امْرَأَتَيْنِ فَلَمْ نَأْخُذْ لَنَا دِينَارًا  
وَلَا دِرْهَمًا وَلَكِنْ اَكَلْنَا مِنْ جَرِيشِ طَعَامِهِمْ فِي بَطُونِنَا اَوْ لَبَسْنَا مِنْ خَشِي شِيَا بِهِمْ عَلَى ظُهُورِنَا  
وَاِنَّهُ لَمْ يَبْقَ لَنَا عِنْدَنَا مِنْ فِئَةِ الْمُسْلِمِينَ قَلِيلٌ وَلَا كَثِيرٌ اَلَا هَذَا الْعَبْدُ الْحَبَشِيُّ وَهَذَا الْبَعِيزُ  
النَّاصِبُ وَجَرَدِي هَذَا الْقَطِيفَةُ فَاِذَا مِثُّ نَابَعْتِي بِهِنَّ اِلَى عَمْرٍ -

ترجمہ: حضرت ابو بکر نے نزع کے وقت فرمایا کہ اے بیٹی میں خلیفہ بنا یا گیا۔ میں نے بیت المال  
سے روپیہ نہیں لیا مگر بقدر موٹا کھانے اور موٹا پہننے کے اور اب میرے پاس بیت المال کا ساوا اس

غلام حبشی اور پانی لانے کی ادنیٰ اور اس پرانی چادر کے کچھ نہیں۔ میرے بعد اس کو عمر کے پاس بھیج دینا۔ اگر واقعی کوئی قرآن بیت المال کے صرف سے اس اہتمام سے لکھا گیا تھا تو بیت المال کی فہرست میں اس کا نام ضروری ہوتا۔ اور خلیفہ اول اس کے سپرد کرنے کو اہتمام سے فرماتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خلیفہ دوم کے بعد یہ قرآن خلیفہ سوم کی تحویل میں ہونا چاہیئے تھا نہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس۔ کیونکہ یہ خلیفہ کی اپنی ذاتی ملک نہ تھی۔ اب بعید نہیں بلکہ یہ امر نہایت قریب تر ہے کہ احتمالات اور امکانات کے ورطہ میں غوطہ لگانے والے جدت آفرینی کی یوں داد دیں کہ یہ قرآن خلیفہ اول کا ذاتی تھا۔ اپنے خاص روپے سے لکھا یا تھا۔ اور خلیفہ دوم کو آخر وقت میں انھوں نے ہبہ کر دیا تھا اور بیت المال کا نہ تھا تا کہ خلیفہ دوم کی وفات کے بعد خلیفہ سوم کی نگرانی میں پہنچتا۔ اُن کی اس جدت اور نکتہ آفرینی کی میں بھی دل سے قدر کرنے کو اور داد دینے کو تیار ہوں۔ مگر وہ ہبہ نامہ جس کی رُو سے یہ ہبہ ثابت کیا جائے اگر کسی سند میں دکھائیں اور خلیفہ اول کی آمدنی میں اس قدر قوت اور زور دکھائیں جو اس بار کی متحمل ہو سکے تو البتہ قابل تسلیم ہے اور بلا اس کے یہ خیال آفرینی واقعیت کی سطح پر رُو نہا نہیں ہو سکتی بلکہ تاریخ سے تو یہ ثابت ہے کہ نہ خلیفہ اول کے پاس اپنا ذاتی اس قدر مال تھا جس سے قرآن لکھاتے اور بیت المال سے اپنے مصارف کے لئے جو کچھ وہ لیتے تھے اُس میں نہ اس کی گنجائش تھی۔ الغرض اس قرآن کے لکھانے کی وہی صورت ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس صحیفہ وغیرہ کی قیمت خلیفہ اول اپنے پاس سے صرف کریں دوسرے یہ کہ بیت المال سے دیں۔ اور واقعات ان دونوں صورتوں کے مخالف ہیں۔

(۵) اس روایت میں یہ کہنا کہ سورہ براتہ کا آخر ابو خزمیرہ انصاری کے ہاں کسی دوسرے کے پاس نہ تھا ایک ایسی پہیل اور چیتان ہے جس کی گرہ کشائی ناممکن ہے۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ سورہ براتہ پوری ایک وقت میں کامل آخر زمانہ میں نازل ہوئی۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع میں پڑھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نوے سال حج میں تین مقامات میں یعنی عذہ منیٰ یا مکہ میں لوگوں کو تمام و کمال سنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے یاد کرنے کا خاص حکم دیا۔ زید کو تمام قرآن یاد تھا اور لکھا ہوا تھا۔ ابی بن کعب کے پاس بھی تمام قرآن لکھا ہوا اور یاد تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سورہ براتہ یاد تھی۔ چنانچہ انھوں نے مکہ میں جا کر سنائی اور زید کے قرآن لکھنے کے وقت یہ لوگ مدینہ میں موجود تھے۔ پھر اب زید کا یہ کہنا کہ ابو خزمیرہ کے سوا کسی کے پاس یہ آیت نہ تھی وہ بات ہے جس کے ماننے کے لئے کسی طرح کوئی مسلمان تیار نہیں ہو سکتا۔

الحاصل نہری کی اس روایت میں چھ امر تو ایسے ہیں جو واقعات کی رُو سے سچائی کے معیار

میں صحیح نہیں اُترتے اور وہ بالکل غلط ہیں۔

(۱) جنگ یرام میں بہت سے قرآن کے قاری شہید ہوئے۔

(۲) زید نے آنحضرتؐ کی حیات میں قرآن جمع نہیں کیا تھا۔

(۳) زید پورے قرآن کے حافظ نہ تھے۔

(۴) آنحضرتؐ نے پورا قرآن جمع نہیں کرایا تھا۔

(۵) حضرت عثمانؓ نے آنحضرتؐ کے عہد میں قرآن جمع نہیں کیا تھا۔

(۶) ابو خزیمہ انصاری کے سوا کسی کے پاس سورہ برارۃ کا آخر لکھا ہوا نہ تھا۔ اور سات بائیں ایسی ہیں جو شب و روز کے تجربہ اور صحابہ اور مسلمانوں کے حالات کے اعتبار سے بعید نہیں اور یہ دونوں ان کی اجازت نہیں دیتے۔

(۱) ڈیڑھ سال میں زید کا تمام و کمال قرآن کو تلاش کر کے لکھ دینا۔

(۲) حضرت عمرؓ کا یہ خیال کرنا کہ قرآن ضائع ہو جائے گا۔

(۳) قرآن جمع کرنے کے پہلے قاریان قرآن کو لڑائی میں بھیجنا۔

(۴) قرآن کے جمع کرنے کو محض زید کے متعلق کرنا۔ باوجودیکہ خود مدینہ میں ان سے بہتر قاری بھی موجود تھے۔

(۵) اس قرآن جمع شدہ کا حضرت حفصہ کے پاس رہنا نہ خلیفہ سوم کے۔

(۶) خلیفہ اول اور دوم کا اپنے عہد میں اس قرآن کی نقلیں ملک میں شائع نہ کرنا۔

(۷) مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کا بھی اس قرآن کی نقل نہ لینا۔

اس کے علاوہ زہری کی روایت کا اختلاف اور نیز زہری کی یہ تنہا روایت بہت سی اُن روایات کے مخالف ہے جو اپنی کثرت کی وجہ سے قواتر کے مرتبہ میں پہنچ گئے ہیں۔

یہ عجب بات ہے کہ جو واقعہ نہایت ہی بے اصل اور سراسر غلط اور جس قدر بے بنیاد ہو تا ہے اُسی قدر مشہور اور زبان زد عوام و خواص ہو جاتا ہے۔ خلیفہ اول کے جمع قرآن کے واقعہ نے شہرت کا یہ درجہ پایا ہے کہ آج محدثین اور مورخین اور ہر مسلمان کی زبان اور قلم پر ہے۔ اور انتہا یہ ہے کہ بخاری جیسے ناقد اور محقق کی تحقیق کی روشنی میں بھی اس شہرت کے آگے ماند پڑ گئی۔ مگر پھر بھی حق حق ہے اور باطل باطل جھوٹ اور فریب گو مشہور ہو جائے۔ قبول کر لیا جائے لیکن انجام کار سچائی کی روشنی غالب آکر اُسے محو کر دیتی ہے اور وہ ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

یہ بھی مشہور ہے کہ خلیفہ سوم نے اپنے عہد میں خلیفہ اول کی جمع کردہ قرآن کی چند نقلیں کرا کے مختلف بلاد میں بھیجیں۔ اور یہ حکم دیا کہ اس کے سوا جو کچھ ہوئے قرآن ہیں وہ ضائع کر دیئے

جائیں اور اب سے اس قرآن کے موافق پڑھا پڑھایا جائے۔ چنانچہ کتب حدیث اور تواتر میں یہ واقعہ مذکور ہے اور یہاں میں بھی ترمذی سے اسے نقل کرتا ہوں۔

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ حَذِيفَةَ قَدِمَ عَلَى عُثْمَانَ وَكَانَ يَغَازِي أَهْلَ الشَّامِ فِي فَتْحِ أَرْمِينِيَّةَ وَ  
أَذْرَبَيْجَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَرَأَى حَذِيفَةَ اخْتَلَفَ فِي الْقُرْآنِ فَقَالَ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ  
يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَدْرِكْ هَذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا فِي الْكِتَابِ كَمَا اخْتَلَفَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَةُ  
فَارْسَلْ إِلَى حَفْصَةَ أَنْ أَرْسِلَ إِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ رَدَّهَا إِلَيْكَ فَارْسَلَتْ حَفْصَةُ  
إِلَى عُثْمَانَ بِالصُّحُفِ فَارْسَلَهُ عُثْمَانُ إِلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَمُسْعِدِ بْنِ الْعَاصِ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ  
بْنِ هِشَامٍ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنْ يَنْخُجُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ  
الثَّلَاثَةِ مَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَأَكْتَبُوهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ حَتَّى نَخُجُوا  
الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ وَبَعَثَ عُثْمَانُ إِلَى كُلِّ أَقْبَى مُصَنِّفٍ مِنْ تِلْكَ الْمَصَاحِفِ الَّتِي تَسَخَّرُوا قَالَ  
الزُّهْرِيُّ وَحَدَّثَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ تَقَدُّتُ آيَةً مِنْ سُورَةِ الْأَحْزَابِ كُنْتُ  
أَسْمَعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُهَا مِنْ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ  
عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَجْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ مَا تَلْمِزُهَا فَوْجَدُتْهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ أَوْ  
إِلَى خُزَيْمَةَ فَالْحَقَّتْهَا فِي سُورَتِهَا - هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا  
مِنْ حَدِيثِهِمْ - ج ٢ ص ١٣

ترجمہ :- انس کا بیان ہے کہ حذیفہ آرمینہ اور آذریجان کے غزوہ سے واپس ہو کر حضرت عثمان کے پاس آئے اور کہا کہ لوگوں میں قرآن کی قرارت میں بہت اختلاف ہے۔ قبل اس کے کہ لوگ یہود اور نصاریٰ کی طرح گمراہ ہوں آپ اس کی تلافی اور اختتام کر دیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہ کے پاس کہلا بھیجا کہ صحیفے میرے پاس بھیج دو تاکہ میں اس کی نقلیں کراؤں۔ پھر میں اسے تمہیں واپس دوں گا چنانچہ حضرت حفصہ نے وہ صحیفے بھیج دیئے۔ حضرت عثمانؓ نے زید، سعید، عبدالرحمن، عبداللہ کو اس پر مامور کیا کہ وہ نقل کریں۔ اور فرمایا کہ اگر باہم اختلاف ہو تو قریش کے لغت میں لکھو اور اسے ترجیح دو اس لئے کہ انہیں کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہو ان لوگوں نے نقلیں کیں اور حضرت عثمانؓ نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک طرف بھیج دیا زہری کہتے ہیں کہ زید کے بیٹے خارجہ کا بیان ہے کہ مجھ سے میرے باپ زید نے کہا کہ سورہ احزاب میں اُس آیت کو جسے میں نے آنحضرت کو پڑھتے سنا تھا نہیں پایا اور وہ آیت یہ ہے۔ **مَنْ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَجْبًا وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ** اس کو تلاش کیا تو خزیمہ یا ابو خزیمہ کے پاس ملی تب میں نے اس کو اپنی جگہ

سورۃ میں لکھ دیا۔

زہری کی اس حدیث سے یہ پانچ باتیں ثابت ہوتی ہیں :-

(۱) حذیفہ بن الیمان کو آرمینہ اور آذربجان کے غزوہ میں جب یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں قرآن میں اختلاف ہے تو واپسی کے بعد حذیفہ نے خلیفہ سوم سے درخواست کی کہ اس کا انتظام کریں اور اس اختلاف کو روکیں۔

(۲) خلیفہ سوم نے حذیفہ کے مشورہ سے زید، سعید، عبدالرحمن، عبداللہ کو اس پر مقرر کیا کہ وہ خلیفہ اول کے لکھائے ہوئے قرآن کی نقلیں کریں اور اگر کسی لفظ میں اختلاف ہو تو لغت قریش کے موافق اسے لکھیں۔

(۳) ان نقل شدہ قرآن کا ایک ایک نسخہ ہر طرف روانہ کیا۔

(۴) اس قرآن میں سورۃ احزاب کا اخیر نہ تھا جس کو خزیمہ یا ابو خزیمہ کے پاس سے تلاش کر کے لکھا۔

(۵) حضرت عثمان نے سو اس کے کہ حضرت ابوبکر کے قرآن سے نقل کرائی اپنی طرف سے اور کوئی امر جدید نہیں کیا میں یہاں چند امور کی تنقیح کرتا ہوں جس سے حضرت عثمان کے اس جمع قرآن کی روایت پر بہت کچھ روشنی پڑے گی۔

**تنقیح** (۱) آذربجان والوں نے جو معاہدہ خلیفہ دوم کے عہد میں سلسلہ میں کیا تھا۔ وہ خلیفہ سوم کے زمانہ میں توڑ دیا۔ اس پر خلیفہ سوم نے سلسلہ میں ولید بن عقبہ کو آذربجان پر متبعین کیا اور ولید نے پھر دوبارہ اسے فتح کیا۔ اور سلسلہ میں ہی حضرت عثمان نے قرآن لکھائے۔ اگرچہ ابن خلدون اور کمال ابن اثیر وغیرہ مورخین نے لکھا ہے کہ سلسلہ میں یہ قرآن لکھائے گئے مگر علامہ ابن حجر شارح بخاری فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ درحقیقت یہ سلسلہ میں ہوا ہے۔ چونکہ خلیفہ دوم کا انتقال سلسلہ کے آخر میں یعنی ۲۷ ہجری المجہ سلسلہ میں ہوا تو یہ اختلاف جس کی خبر حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کو دی تھی نیا نہ تھا یعنی خلیفہ سوم کے عہد میں پیدا نہ ہوا تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک سال کی مدت میں ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ دراصل یہ اختلاف قراء صحابہ میں تھا اور صحابہ میں سے جو ملک میں تعلیم قرآن کے لئے روانہ کئے گئے تھے انہوں نے اپنی اپنی قراءت کے موافق قرآن پڑھا یا تو وہ اختلاف ان کے شاگردوں میں رہا۔ اور خلیفہ اول اور دوم کے عہد میں برابر یہ اختلاف تھا جس کی خبر حذیفہ نے خلیفہ سوم کو دی مگر تعجب ہے کہ ان دونوں خلفاء نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور یہ ناممکن ہے کہ اس اختلاف کا علم ان دونوں خلفاء کو نہ ہوا ہو۔ خصوصاً خلیفہ دوم کو جو اپنے عہد میں تمام باتوں کی خبر رکھتے تھے۔ حالانکہ خلیفہ اول اور دوم کو اس کا بہت

زیادہ خیال تھا کہ مسلمانوں میں کسی طرح سے اختلاف نہ ہو۔ اور اسی وجہ سے اُن کے عہد میں کسی قسم کا اختلاف مسلمانوں میں نہیں ہوا۔ جیسا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ازالۃ الخفا کے مقصد دوم صفحہ ۱۴۰ میں لکھتے ہیں۔ لہذا درین عصر اختلاف مذہب و تشنت آراء واقع نشد ہمہ بریک مذہب متفق و بریک راہ مجتمع و اُن مذہب خلیفہ و راے او بود اور یہی علامہ ابن حزم نے انفصل میں لکھا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ امر بھی زیادہ توجہ کے قابل ہے کہ سنیہ تک مالک اسلامیہ میں قرآن کی جس قدر اشاعت ہوئی وہ خلیفہ دوم کی توجہ سے ہوئی۔ انھوں نے معلم بھیجے، وظائف مقرر کئے۔ پھر ضروری ہے کہ ان تمام معلموں نے خلیفہ کی ہدایت کے موافق قرآن کی تعلیم دی ہوگی۔ کیونکہ فاروق اعظم کی یہ عادت تھی کہ معلمین کو روانہ کرتے وقت ضروری ہدایت کر دیتے تھے۔ خصوصاً ایسے امور سے سختی کے ساتھ روکتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف ہو جس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہیے تھا کہ اُس عہد میں قرآن میں ایسا اختلاف نہ ہوتا جس کے رفع کرنے کی سہم میں خلیفہ سوم کو ضرورت پیش آئے۔

(۲) سنیہ تک تمام مالک اسلامیہ میں قرآن کی اشاعت جس قدر بھی ہوئی تھی وہ اُن صحابہ نے کی تھی جنھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن یاد کیا تھا۔ اور آپ سے سنا اور پڑھا اور لکھا تھا اور جن قرار اور حفاظ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے بارہ قرآن سنا۔ آپ کی زبان مبارک سے قرآن کو یاد کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سنا یا اور خود آنحضرت نے بھی اُن پر وثوق و اعتماد کر کے انھیں قرآن پڑھانے اور تعلیم کی اجازت دی اور آنحضرت کے عہد میں ہزاروں کو انھوں نے قرآن پڑھا دیا تو ان حفاظ اور قرار نے آنحضرت سے جس طرح قرآن سنا اور یاد کیا وہ کبھی اور کسی حالت میں بھی اُس کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ اُن صحابہ کی تو بڑی شان ہے۔ آج بھی اگر کسی مسلمان کو اس کا یقین ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام اس طرح کیا اور فلاں بات کو یوں فرمایا ہے یا قرآن کا فلاں حرف اس طرح پڑھا ہے تو وہ بھی اُس کے خلاف ہرگز نہ کرے گا اور اسی پر قائم رہے گا خواہ اُسے مالی اور جانی دونوں قربانی کرنی پڑیں۔ اب جن صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن یاد کیا تھا اور اسی طرح جن لوگوں نے ان صحابہ سے قرآن لکھا پڑھا تھا اگر اُن میں باہم اختلاف تھا تو خلیفہ سوم کے کہنے سے وہ اُس قرائت اور قرآن کو نہیں چھوڑ سکتے تھے جس کو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا اپنے اساتذہ، صحابہ کرام سے لیا اور سکھاؤ لکھا تھا اور یہ ناممکن تھا کہ خلیفہ سوم اُن سے اُن کے اُس قرآن کو جو انھیں پہنچا تھا لے کر ضائع کر دیتے اور اُن کے دلوں سے اُس نقش کو مٹا دیتے جو اُن کے اساتذہ کرام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُن کے پاک دلوں پر کیا تھا جن کو اُس وقت کے مسلمانوں کی حالت سے واقفیت ہے اور جن



حضرات نے اُن مقدس اصحاب کی تاریخ کے دیکھنے کا شرف حاصل کیا ہے اُن کو اس امر کے باور کرنے کے لئے تاریخی کا کوئی پردہ حائل نہیں کہ خلیفہ سوم کے اختیار سے بلکہ خلیفہ دوم و سوم کے اختیار سے بھی یہ بات خارج تھی۔ بلکہ کوئی قوت بھی ایسی نہ تھی جو اُسے اُس قرات کو چھرا کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اُن کے اُستادوں سے اُنھیں پہنچی ہے دوسری قرات کو رائج کرتے اور اس اختلاف کو اٹھا دیتے۔

(۳) ممالک اسلامیہ میں آج بھی جو قرآن لکھے ہوئے ہیں اور جس قدر قرآن کے قاری ہیں اس وقت بھی اُن کی سندیں موجود ہیں اور ہر قاری آج بھی قرآن کو اُسی طرح پڑھتا ہے جس طرح اُس نے اُسے اپنے اُستاد سے سنا ہے۔ اور جو اختلاف قرات قراریہ صحابہ میں تھا وہ آج تک بھی اُن کے شاگردوں میں ہے اور ہر شخص اُسی طرح پڑھتا ہے جس طرح اُسے پہنچا ہے۔ جو شخص تمام دنیا میں سفر کر کے مسلمانوں کی قرات کو مختلف ملکوں میں لے گا وہ ضرور اس اختلاف کو دیکھے گا پھر خلیفہ سوم نے وہ کس اختلاف کو مٹایا جو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے اور یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جس سے کسی فتنہ کا خوف ہو۔ یہ معمولی لب و لہجہ وغیرہ کا اختلاف ہے۔ بلکہ یہ اختلاف سرور کائنات کے عہد میں بھی تھا جس کو خود آنحضرت بھی جانتے تھے۔ اور آپ ﷺ کے حضور میں یہ اختلافات پیش بھی کئے گئے مگر آپ نے اس کو جائز رکھا۔ پھر جس کو آنحضرت نے جائز رکھا تو کیا کوئی مسلمان خصوصاً صحابہ اس کو ناجائز رکھیں گے؟ ہرگز نہیں دوسرے مشاہدہ اور تجربہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کے اس اختلاف کی وجہ سے آج تک مسلمانوں میں کوئی فتنہ یا گمراہی نہیں ہوئی جس کا خطرہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہاں ممکن ہے کہ قرآن کی رسم خط میں اختلاف ہو اور حضرت عثمان نے قرآن کی رسم خط قائم کی ہو۔

(۴) مسلمان قرآن کے پڑھنے میں محض لکھے پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اس میں اس کی ضرورت ہے کہ وہ قرآن ایسے شخص کو سنائیں جس کی سند کا سلسلہ آنحضرت تک ہو۔ اور بلا ایسے شخص کے سنائے اور سند حاصل کئے قرآن پڑھنا درست نہیں۔ اور اس میں مسلمانوں نے اس قدر احتیاط کیا ہے کہ قرآن کے سوا حدیث میں بھی اُسی شخص کا اعتبار ہے جس نے سند حاصل کی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی سند ہو۔ جو شخص آج بھی بلا سند حاصل کئے محض اپنی قابلیت کے اعتماد پر لکھی ہوئی کتابوں کو دیکھ کر حدیث پڑھنا چاہے تو اس کی حدیث کا اعتبار نہیں اور کوئی مسلمان اس سے حدیث نہیں پڑھے گا۔ اور ایسا شخص قابلِ سزا ہوگا۔ جو لوگ قرآن پڑھتے اور حدیث کی قابلیت رکھتے ہیں لیکن سند نہیں رکھتے تو وہ بھی سند یافتہ کے حلقہ درس میں برسوں رہ کر اور سنا کر سند حاصل کرتے ہیں تب وہ اس لائق ہوتے ہیں کہ لوگ اُن سے پڑھیں۔

ورنہ نہیں۔ آج تک جس قدر قرار ہوئے اور ہیں وہ تمام اپنی قرأت اور قرآن کی سنداً انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں جس سے اس امر میں کسی قسم کا شبہ نہیں رہتا کہ مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح سے قرآن پہنچا ہے اور صحابہ نے جس طرح انھیں پڑھایا تھا وہ آج تک بلا کسی تغیر و تبدل کے برابر پڑھتے چلے آئے ہیں اور اسی طرح مسلمانوں میں اس کا رواج ہے۔ جو اختلاف صحابہ کے قراتوں میں تھا وہ اب بھی ان کے شاگردوں میں ویسے ہی محفوظ ہے۔ قرات صحابہ کی قراتیں ہم تک بتواتر پہنچی ہیں۔ جن میں شبہ کی اصلاً گنجائش نہیں۔ اب ان متواتر اور یقینی باتوں پر اس ایک شخص کی خبر کا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اور ایسی غلطی اور وہمی باتوں سے ہم یقین اور تواتر کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتے اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تمام قرات صحابہ کی سندیں آج تک رائج ہیں اور صحابہ نے جس ملک میں تعلیم دی اور وہاں کے باشندوں کو جس طرح سے پڑھایا آج تک وہاں کے باشندے اسی طرح پڑھتے ہیں۔ تو پھر خلیفہ سوم کے اختلاف قرات کے مٹانے کی روایت کا پورا پورا حال معلوم ہو جاتا ہے اور اس کی صحت اور صداقت کا پایہ جو ہے وہ ہر شخص پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم کتاب الفصل میں لکھتے ہیں۔ فلو رام عثمان ما ذکر واما قد رعلی ذلک۔ یعنی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے تمام قرات مثلاً کہ ایک قرات رکھی یہ ان کی غلطی ہے۔ یہ امر حضرت عثمان کے اختیار میں نہ تھا۔ اور جب ہم اس وقت دیکھ رہے ہیں کہ قرات صحابہ کا اختلاف قرات اس وقت بھی ان کے شاگردوں میں برابر چلا آ رہا ہے تو پھر حضرت عثمان نے کس اختلاف کو مٹایا۔

(۵) زید نے خلیفہ اول کے عہد میں ان صحائف میں تمام قرآن نقل کیا تھا اگر تعجب ہے۔ بارہ تیرہ سال تک یہ ویسے ہی جزدان میں رکھا رہا۔ کسی نے نہ دیکھا۔ اور اگر دیکھا بھی تو کسی کو اس کا پتہ نہ چلا کہ سورۃ احزاب سے ایک آیت اس میں لکھنے سے رہ گئی۔ جس کا پتہ اس وقت خلیفہ سوم کے عہد میں نقل کراتے وقت ہوا۔ اور تعجب ہے کہ آنحضرت کے عہد مبارک سے خلیفہ سوم کے عہد تک سورۃ احزاب کی اس آیت کو کسی نے نہیں لکھا سوائے خزیمہ کے اور کسی پاس نہ نکلی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہی ایک بات اس روایت کی صداقت اور عدم صداقت کی عمدہ دلیل ہے۔ علاوہ اس کے زید نے خلیفہ اول کے عہد میں جب نہایت کوشش اور سعی سے قرآن جمع کیا۔ اور زید کو قرآن یاد بھی تھا۔ تو اس وقت سورۃ احزاب کی آیت کا لکھنے سے رہ جانا ایک ایسی بات ہے جو انسانی فہم سے بالاتر ہے۔ اور جب زید کے لکھنے اور حفظ کی یہی حالت ہے تو ممکن ہے کہ اس میں اور بھی بعض آیات چھوٹ گئی ہوں۔ اگر زید تیسری بار پھر نقل کرتے تو ممکن تھا کہ وہ پھر زید کو یاد آجاتیں۔ مسلمانوں کے یہاں ایسی روایات

کی جو وقعت ہے وہ اسے خوب جانتے ہیں جن کو ایسی روایات میں دخل ہے کیا محض زید کے لکھنے اور ان کی یاد کے بھروسے اور وثوق پر قرآن مان لیا گیا ہے۔ اور کیا محض زید کے کہنے اور لکھنے سے قرآن میں کسی آیت کا اضافہ ممکن تھا۔ این خیال ست و محال ست و جنون۔ ہزاروں قرآن کے نسخے بلکہ لاکھوں اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوں گے اور اس سے بھی بہت زیادہ حفاظ قرآن موجود تھے۔ اور مسلمانوں کے چھوٹے بڑے۔ مرد۔ عورت۔ اوتی۔ اعلیٰ کی زبان پر قرآن کا حرف حرف برق کی طرح رواں تھا۔ مسجدیں اور نمازیں اس کی صدائے گونج رہی تھیں۔ اسی پچیس سال میں بلکہ سینتیس سال میں جس قدر قرآن کی اشاعت ہو گئی تھی وہ زید اور خلیفہ سوم کی سعی سے بے نیاز تھی۔ اور اتنے مسلمانوں کے دلوں سے کسی حرف یا قرارت کا دھودینا کسی انسان کا کام نہیں تھا۔

ہم مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ قرآن کے الفاظ خدا کے الفاظ ہیں اور وحی الہی کے جو لفظ تھے آنحضرتؐ نے بعینہ انہیں الفاظ کو پہنچایا۔ اُن آسمانی الفاظ کے بجائے دوسرے لفظوں کو رکھنا خواہ وہ آسمانی لفظوں کے ہم معنی ہی کیوں نہ ہوں نہ آنحضرتؐ سے ممکن ہے اور نہ کوئی مسلمان ایسا کر سکتا ہے۔ آنحضرتؐ کی نبوت سے ۲۵ تک یعنی اڑتیس سال کی مدت میں تمام اسلامی شہروں میں اس کی اشاعت کمال عروج تک پہنچ گئی تھی۔ اور مسلمانوں کے سینوں اور سینوں دونوں میں قرآن کا ہر ایک لفظ آفتاب و ماہتاب کی طرح چمک رہا تھا۔ رمضان میں سلامی دنیا کی ہر مسجد میں کم سے کم ایک بار ضرور پڑھا جاتا تھا۔ پنجگانہ نمازیں۔ آخرات میں۔ روزانہ تلاوت میں اس کا اصول تھا۔ اس وقت قرآن کی یہ حالت نہ تھی کہ اس سے مسلمان نادان ہوں۔ یا جو قرآن مسلمانوں کے دلوں۔ زبانوں۔ صحیفوں۔ تعلیم گاہوں میں داخل ہو گیا تھا اس پر شک و شبہ کا پردہ کوئی ڈال سکے۔

اب ایسی حالت میں خلیفہ سوم کا اُن لوگوں کو جو قرآن لکھنے پر مقرر کئے گئے تھے یہ ہدایت کرنا (اگر کسی لفظ میں تمہیں اختلاف ہو تو ایسی صورت میں وہ لفظ لکھنا جو قریش کے یہاں مستعمل ہے۔ کیونکہ قرآن قریش ہی کی لغت میں نازل ہوا جیسا اس روایت میں ہے۔ وَقَالَ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ الشَّلَاقَةُ مَا اخْتَلَفْتُمْ اَنْتُمْ وَذَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَالْكَتُبُوهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَاَتَاَنَا ذِي بِلَسَانِهِمْ یعنی خلیفہ سوم نے ان لوگوں میں سے جو قرآن لکھنے پر مقرر کئے گئے تھے قریش کو کہا کہ تم سے اور زید سے اگر کسی لفظ میں اختلاف ہو تو اپنی زبان کا لفظ لکھنا کیونکہ تمہاری ہی زبان میں قرآن اترا ہے) اس روایت کے اعتبار کو مسلمانوں سے کیا مخالفین اسلام کی نظروں سے بھی کھودیتا ہے۔ اور جو شخص مسلمانوں کی حالت اور قرآن کی تاریخ سے واقف ہے

وہ ہرگز کسی حالت میں اس کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن اس ہی روایت کے موافق جب قریش کی لغات میں نازل ہوا ہے قریش کی زبان کے سوا کسی دوسری زبان کا لفظ اس میں نہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن جن الفاظ میں نازل ہوا ان ہی الفاظ میں آنحضرتؐ نے پہنچایا اور مسلمانوں نے وہی الفاظ یاد کئے۔ لکھے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ زید جو انصار سے ہیں نہ قریش سے ان کے قرآن میں کوئی ایسا لفظ ہو جو قریشی نہیں یعنی وہ درحقیقت قرآن کا لفظ نہیں یا ان کو قرآن کے الفاظ کے بجائے دوسرے لفظ یاد ہوں۔ حالانکہ زید وہ شخص ہیں جو پچیس سال تک برابر قرآن پڑھاتے رہے۔ قرآن کا درس دے کر کئی ہزاروں کو قرآن کا حافظ بنایا۔ عہد مبارک میں وحی یعنی قرآن لکھتے تھے۔ آخر سال میں حضرت جبریلؑ سے جو آنحضرتؐ نے دوبار قرآن کا دور کیا تھا تو اس میں یہ زید برابر کے شریک تھے۔ تمام قرآن آنحضرتؐ کے عہد میں یاد کیا تھا۔ اور لکھا تھا خلیفہ اول و دوم نے ان کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دی اور انہیں پر اپنا زیادہ اعتماد ظاہر کیا اسی لئے انہیں کو تنہا قرآن لکھنے پر مقرر کیا۔ اور اُس وقت کسی قریشی کو اس کام میں ان کا شریک نہ کیا۔ اور نہ یہ ہدایت کی کہ قریش کی زبان میں لکھنا۔ اب ایسی صورت میں خلیفہ سوم کا زید کے ساتھ ان کو یعنی سعید۔ عبدالرحمن۔ عبداللہ جو قریش سے ہیں شریک کرنا اور یہ فرمانا کہ تم تینوں سے اور زید سے اگر کسی لفظ میں اختلاف ہو تو وہاں زید کا اعتبار نہ کرنا۔ بلکہ اپنی زبان کے موافق لکھنا۔ حالانکہ یہ تینوں شخص نہ مشہور قراء سے ہیں اور نہ زید کی مثل ماہر ہیں اور نہ اس قابل ہیں کہ زید کے مقابلہ میں ان کا پلہ بھاری ہو۔ کیونکہ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت سعید اور عبداللہ نو سال کے تھے۔ عبدالرحمن دس برس کے اور آنحضرتؐ سے انہوں نے کچھ نہیں پڑھا تھا۔ اور زید نے تمام قرآن آنحضرتؐ سے پڑھا تھا۔ پھر ایسی صورت میں زید سے یہ تینوں اگر قرآن کے کسی لفظ میں اختلاف کریں تو بمقابلہ زید کے پھر بھی ان کا اعتبار ہونا مسلمان اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور کیا یہ ممکن تھا کہ زید نے جن الفاظ کو آنحضرتؐ سے خود سنا تھا۔ اور آنحضرتؐ نے خود تعلیم فرمایا۔ ان الفاظ کو چھوڑ کے خلیفہ کی ہدایت کے موافق ان تینوں کے بتائے ہوئے لفظوں کو لکھتے۔ ہرگز نہیں اور کیا کوئی مسلمان اس کا یقین کر سکتا ہے کہ خلیفہ نے زید کو اس قسم کی ہدایت کی ہوگی کہ تم نے جن الفاظ کو آنحضرتؐ سے سنا۔ آنحضرتؐ نے جن الفاظ کو تمہیں تعلیم دیا۔ جن الفاظ کو تم اب تک پڑھتے رہے۔ اور ایک بڑی جماعت کو تم نے تعلیم کیا۔ ان الفاظ کو تم محض اس لئے چھوڑ دینا کہ وہ قریش کی لغت کا نہیں۔ اور قرآن قریش کی لغت میں نازل ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ زید نے اگر آنحضرتؐ سے قرآن میں عربی کے سوا دوسری زبان کا لفظ بھی سنایا پڑھا ہوتا تو پھر تمام عالم کے کہنے سے بھی وہ اس لفظ کو کسی طرح چھوڑ

نہیں سکتے تھے۔ خواہ ان کو یوں سمجھایا ہی جاتا کہ قرآن عرب کی زبان میں نازل ہوا ہے اور یہ لفظ عربی نہیں۔ کیونکہ کسی لفظ کا قرآن میں آنحضرت کی زبان سے سن لینا یا آپ سے تعلیم پانا ایک ایسی مضبوط اور مستحکم دلیل ہے کہ قرآن کی تمام عمارت اسی پر قائم ہے نہ کسی قیاس اور گمان پر۔ اور کیا ایسے قیاسات سے کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے یا قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے قرآن کا کوئی حرف اپنی جگہ سے متزلزل ہو سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کے اس یقین میں جو انوار نبوت سے حاصل ہوا ہے کسی قسم کی تاریکی کا دھبہ پڑ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کے علاوہ تمام قرآن کا قریش کی لغات کے موافق ہونا خود صحیح نہیں۔ بلکہ قریش کے سوا دوسرے الفاظ بھی قرآن میں ہیں۔ پھر جب یہ بات خود ثابت نہیں اور خلاف ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضرت عثمان قرآن کے متعلق ایک غلط بات فرمائیں اور زید بن ثابت اُسے تسلیم کر لیں۔ اور اگر حضرت عثمان نے ایسا فرمایا تھا اور واقعی یہ امر صحیح بھی تھا کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے تو پھر یہ ضروری تھا کہ یہ موجودہ قرآن جو اس وقت تمام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور حضرت عثمان کا لکھا ہوا ہے اس میں کوئی لفظ غیر قریش کا نہ ہوتا۔ حالانکہ اس میں قریش کے سوا بھی دیگر اہل عرب کے لغات ہیں اب موجودہ قرآن کو اس روایت کے اس معیار پر جانچو اور دیکھو کہ یہ وہی قرآن ہے جس کو حضرت عثمان نے فرمائی لکھایا تھا۔ یا دیا نہیں۔ اور اسی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ روایت کس درجہ قابل تسلیم ہے۔

(۷) قرآن اگر قریش ہی کی زبان سے مخصوص ہے تو یہ ایسی بات نہیں جس کو صرف حضرت عثمان ہی جانتے ہوں بلکہ یہ وہ امر ہے جسے اس وقت کا ہر قرآن داں جو عرب کا باشندہ تھا جانتا ہوگا۔ خصوصاً خلیفہ اول اور دوم تو ہرگز اس سے ناواقف نہ ہوں گے۔ پھر جو قرآن زید سے خلیفہ اول نے بہ مشورہ خلیفہ دوم لکھایا تھا ضرور وہ قریش ہی کی زبان میں لکھایا ہوگا۔ اور ضرور خلیفہ اول اور دوم کی نظر سے گزرا ہوگا۔ اب یہ ناممکن ہے کہ اس قرآن میں کوئی اس زبان کا لفظ ہو جس میں قرآن نازل نہیں ہوا۔ کیونکہ اول تو زید نے خود ہی اس قرآن میں ایسے لفظ نہ لکھے ہوں گے۔ اور اگر غلطی سے لکھے بھی ہوں تو خلیفہ اول اور دوم نے ضرور اس کی اصلاح فرما کر اس غلطی سے زید کو متنبہ کیا ہوگا تاکہ پھر یہ غلطی نہ ہو کہ قریش کے لغات کے سوا دیگر اہل عرب کی لغات کا کوئی لفظ قرآن شریف میں لکھا جائے اور اس اصلاح اور تنبیہ کے بعد ناممکن ہے کہ اس قرآن شریف میں جو خلیفہ اول کے وقت میں لکھا گیا تھا پھر ایسا لفظ ہوتا جو قریش کی لغات سے نہ ہوا اور دیگر اہل عرب کے لغات سے ہوتا اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خلیفہ اول اور خلیفہ دوم کی تاکید اور تنبیہ کے باوجود زید سے پھر بھی ایسی غلطی ہوئی ہو کہ کوئی لفظ قریش

کے لغات کے سوا کا ایسا رہ گیا ہو جس پر زید کی نظر کسی وجہ سے نہ پڑی ہو لیکن خلیفہ سوم کے عہد میں جب قرآن شریف کے نقل کی خدمت زید کو ملی اور سعید اور عبد الرحمن عبد اللہ بن زبیر کا (جو بطون قریش سے ہیں) اس لئے تقرر ہوا۔ کہ جب کسی لفظ میں اختلاف ہو تو لغت قریش کے موافق اسے لکھیں اور پھر حسب حکم خلیفہ سوم کے ان لوگوں نے لکھا تو اب ایسی حالت میں یہ غیر ممکن تھا کہ قرآن شریف میں کوئی ایسا لفظ رہ گیا ہو جو قریش کے لغات سے نہ ہو۔ مگر واقعہ اس کے خلاف ہے اور قرآن شریف میں اس وقت بھی ایسے الفاظ ملتے ہیں جو قریش کے لغات کے سوا دیگر اہل عرب کی لغات سے ہیں جس سے صاف اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔

(۸) زید کا یہ بیان کہ سورہ احزاب کی اس آیت کو جسے میں نے آنحضرت کو پڑھتے سنا تھا نہیں پایا۔ اور تلاش کے بعد خزیمہ یا ابو خزیمہ کے پاس سے ملی یہ وہ بات ہے جو بالکل خلاف عقل ہے اس لئے کہ زید کے پاس خود اپنا ذاتی لکھا ہوا قرآن ایسا صحیح موجود تھا جس کو زید نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود آپ کی زندگی کے اس آخری رمضان میں سنایا تھا جس میں آپ نے دو مرتبہ قرآن شریف حضرت جبریلؑ سے دور فرمایا تھا علاوہ اس کے اور دوسرے صحابہ جیسے معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو دردار، ابو زید، محمد بن عبید، عثمان بن عفان، تیمم داری، عبادہ بن صامت، ابو ایوب کے پاس بھی پورا قرآن شریف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا یا ہوا موجود تھا پھر یہ بات کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہو سکتی کہ تلاش کے بعد محض ابو خزیمہ یا خزیمہ کے پاس ملی بلکہ یہ ایک ایسی ناقابل قبول بات اس روایت میں ہے جو اس روایت کو معیار صحت سے گرا دینے کے لئے کافی ہے بالخصوص جبکہ اس کے خلاف پورے قرآن شریف کے عہد نبوی میں لکھے جانے کے متعلق اس کثرت سے روایتیں موجود ہیں جو تو اتر کے مرتبہ کو پہنچ گئی ہیں۔

(۹) اشتباہ کی تیسری روایت جو بخاری کی ہے اس میں زید کا بیان ہے کہ میں نے کعبہ کے پتوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور آدمی کے سینے سے قرآن جمع کیا اور لکھا یعنی کسی آیت یا کسی سورہ کو محض لکھے ہوئے ٹکڑوں پر اعتماد کر کے خلیفہ اول کے عہد میں قرآن میں نہیں لکھا گیا تھا بلکہ حفاظ صحابہ پر بھی آیت اور سورہ پیش کی گئی تھی اس کے بعد لکھا گیا تھا۔ تو اب حیرت ہے کہ ایسی حالت میں جب سورہ احزاب حفاظ پر پیش کی گئی کس طرح اس کے آخر کی آیتیں لکھنے سے رہ گئیں جو خلیفہ سوم کے عہد میں نقل کے وقت معلوم ہوئیں؟ کیا حفاظ صحابہ کی جماعت میں سب کو ایک قلم یہ آیت ذہول ہو گئی تھی اور کسی کو سورہ احزاب کی آخری آیتیں

یاد نہ تھیں جس کی وجہ سے مصحف صدیقی ناقص رہا۔ اور خود زید کو بھی جو مصحف صدیقی کے کاتب تھے اور قرآن کے حافظ تھے وہ بھی اس کو سارے حفاظ صحابہ کے ساتھ بھول گئے تھے۔ ایسے واقعہ پر کوئی آنکھ بند کر کے صحت کی ہر کردے مگر کوئی ذی ہوش اور صاحب بصیرت ایسے ناقابل قبول واقعہ پر ایک منٹ کے لئے اعتماد نہیں کر سکتا ہے۔ بالخصوص یہ کہ عہد صدیقی میں حفاظ صحابہ پر پیش کر کے قرآن جمع کیا جاتا ہے اور خلفاء راشدین رحمہم اللہ موجود ہیں اور چاروں قرآن کے حافظ ہیں پھر بھی مصحف صدیقی میں سورہ احزاب کی آخری آیتیں لکھی نہیں جاتی ہیں یہ سورہ ناقص رہتی ہے حالانکہ خلیفہ اول اور خلیفہ دوم کو قرآن کی حفاظت اور اس کی صحت اور اس کے لفظ لفظ کی درستگی کا جس قدر اہتمام تھا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات ایسی خلاف روایت معلوم ہوتی ہے جس کو کوئی ذی علم جو حفاظ صحابہ اور خلفاء راشدین کی زندگی سے علم رکھتا ہو ہرگز صحیح نہیں سمجھ سکتا ہے۔

(۱۰) اس روایت میں جس قرآن کو حضرت حفصہؓ کے پاس سے خلیفہ سوم نے طلب کیا تھا وہی قرآن ہے جس کے متعلق بخاری کی حدیث میں زید کا بیان یہ ہے کہ میرا لکھا ہوا قرآن زندگی بھر خلیفہ اکبر کے پاس رہا۔ اُن کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پھر ان کے بعد ان کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ مگر اتنے زمانہ تک جن صاحبوں کے پاس یہ قرآن رہا آیا اس طرح رہا۔ جس طرح مسلمان تبرکاً قرآن اپنے گھروں میں رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین اور ازواج مطہرات کے متعلق ایسا خیال ایسی بدظنی ہے جو بعض الظن اثم کے مصداق ہے۔

بہر حال ان بزرگوں کی زندگی پر نظر رکھتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ ضرور اس قرآن سے تلاوت کی جاتی ہوگی کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے کہ یاد سے دیکھ کر تلاوت کو وہی فضیلت ہے جو فرض نماز کو نفل پر۔ صحابہ کرام کی ذات سے بالکل مستبعد ہے کہ اس علم کے بعد ان کی خواہش اور کوشش نہ ہو۔ کہ دیکھ کر تلاوت کریں بالخصوص خلفاء راشدین اور ازواج مطہرات۔ پس باوجود اس کے کہ مصحف صدیقی خلیفہ سوم کے عہد تک ہمیشہ ایسے لوگوں کے پاس رہا جو حافظ تھے اور جو بغوائے حدیث مذکور باوجود حافظ ہونے کے دیکھ کر تلاوت فرماتے ہوں گے مثلاً حضرت ابوبکر پھر اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ باوجود حافظ ہونے کے فضیلت مذکور کی بنا پر ضرور دیکھ کر تلاوت فرماتے ہوں گے اسی طرح حضرت حفصہؓ بھی باوجود حافظ ہونے کے دیکھ کر تلاوت فرماتی ہوں گی۔ تو ایسی حالت میں سورہ احزاب کے آخر کی آیتوں کے متعلق کسی کو خبر نہ ہو اور اس غلطی کا اتنے دنوں تک رد جانا اور خلیفہ سوم کے عہد میں زید کو اس



کے نقل کے وقت معلوم ہونا ایک ایسی بات ہے جو انسان کی فہم سے بالاتر ہے کہ ایک حافظ نہیں بلکہ تین تین حافظوں نے اس زمانہ تک جس قرآن میں تلاوت کی ہو اس میں ایسی غلطی رہ گئی ہو۔ اور پھر خصوصیت یہ کہ ان تین حافظوں میں دو تو خلفاء راشدین کے سر تاج حضرت ابو بکر و عمر تیسرے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عمرؓ کے گھر میں پلی ہوئی اور ان کی تربیت میں نشوونما پائی ہو اس پر بھی غلطی رہ جائے اور کسی کو خبر نہ ہو۔ میرے نزدیک ایسے اختلاف قرآن کے مٹانے کے لئے جس کو خود حضور نے سن کر سمجھ کر جائز رکھا تھا اور خلیفہ سوم کا قرآن شریف کی نقل پر زید کو مامور کرنا۔ اور اس کی نقل کے لئے باوجودیکہ خود زید کے پاس اپنا لکھا ہوا۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا ہوا قرآن موجود تھا۔ حضرت حفصہؓ کے پاس سے قرآن شریف طلب کرنا اور باوجود اس کے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس پورا قرآن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا موجود تھا۔ سورہ احزاب کی آخری آیتوں کا محض خزیمہ یا البوخزیمہ کے پاس ملنا ایسی باتیں ہیں جو یا تو بالکل بے اصل ہیں یا درمیان کے کسی راوی کے بیان کی دُ غلطی ہے جو اقتضار بشریت سے بعید نہیں ہے۔ بہر حال یہ تمام روایات بمقابلہ اس تواتر اور توارث کے جس سے قرآن ہمیں ملا ہے لائق اعتبار نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

عبداللطیف رحمانی



ہمارے ہاں مذہبی دینی اور عارفانہ کلام کی خوبصورت ترین کتابیں دستیاب ہیں

آج ہی آئیں اور اپنی مطلوبہ کتب خریدیں

مولا محمد صدیق ہزاروی  
رسول اکرم کی وصیتیں

بہجت الاسرار (امام ابوالحسن الطوسی) اضافی

فتوح الغیب (حضرت عبدالقادر جیلانی)

بہشت بہشت (مجموعہ خواجگان  
چشت اہل بہشت)

کلام یاسو، حضرت سلطان باہور رحمہ اللہ

کلام تلخہ شاہ، حضرت تلخہ شاہ رحمہ اللہ

کلام خواجہ غلام فرید، خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن شریف

کلام شاہ حسین رحمہ اللہ، خواجہ شاہ حسین

کلام بابا فرید، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ

تجلیات عتکاف، مولانا محمد صدیق ہزاروی

قرآنی تعلیم (جداقل دوم) مولانا عبدالحق قادری

قرآنی علوم، مولانا عبدالحق قادری

بزم اولیاء، مولانا عبدالحق قادری مصباحی

زلف و زنجیر، علامہ ارشد قادری

زیر و زبر، علامہ ارشد قادری

تبلیغی جماعت، علامہ ارشد قادری

زلزلہ، علامہ ارشد قادری

نقش کریلا، علامہ ارشد قادری

لاہور

وگرسو نکس

